نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

تالیف

مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم حیدرآباد

طبع پنجم: ۱۴۳۸ھ م ۲۰۱۷ء

نام کتاب	:	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
مؤلف	:	مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی (استاذ حدیث وصدر مفتی جامعہ)
تعدادِ صفحات	:	336
تعدادِ اشاعت	:	2000
کمپوٹر کتابت	:	مولانا محمد غیاث الدین حسامی ومحمد فیاض الدین قاسمی 9391717708 9346260747
قیمت	:	250

﴿ملنے کے مقامی پتے﴾

(۱) مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی، مغل پورہ، فون نمبر: 9704095041

(۲) مکتبہ سنابل، مغل پورہ، حیدرآباد، فون نمبر 9347024207

(۳) دکن ٹریڈرس، چارمینار، حیدرآباد، فون نمبر: 04024521777

(۴) ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی، حیدرآباد، فون نمبر 04024514892

نوٹ: اپنی بساط وکوشش کے مطابق کتاب کو لفظی ومعنوی اغلاط سے محفوظ رکھا گیا، تاہم بشریت کی بناء پر خطا ولغزش کے واقع ہونے کا قوی امکان ہے اسلئے کسی صاحبِ نظر کی اس پر نظر پڑے تو آگاہ فرما کر ممنون فرمائے، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے۔

فہرست مضامین

قیام کی سنتیں

رکوع کی سنتیں

سجدہ کی سنتیں

دیباچہ طبع جدید

تقریباً چھ سال قبل ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں بندہ کی تالیف فقہ حنفی کے مطابق ’’طہارت ونماز کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں‘‘ از ہر دکن جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد سے شائع ہوئی تھی، اس کتاب کی تالیف واشاعت دونوں ہی کے سلسلہ میں بنیادی طور پر جناب محترم محمد حبیب الدین صاحب سابق لکچرر جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ حال مقیم امریکہ کی فکریں اورکوششیں کارفرما ہیں، جناب موصوف نے تاحال اس کے دواردو ایڈیشن اور ایک تلگو ایڈیشن اپنے اہتمام سے شائع فرمائے ہیں، فجزاہم اللہ احسن الجزاء

ادھر چند سال قبل کتابِ مذکور کا صرف نماز والا حصہ بھی بعض بزرگ احباب نے شائع فرمایا تھا جسے بحمد اللہ خوب پذیرائی ملی، خاص کر استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید احمد اللہ بختیاری صاحب دامت برکاتہم نے ہر ایڈیشن کی اشاعت پر بے انتہا مسرت اور بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی، احباب کے تقاضہ پر اس نماز والے حصہ کی دوبارہ اشاعت عمل میں لائی جارہی ہے، اس طباعت میں معمولی ترمیم اور ایک دو مسائل کے اضافہ کے علاوہ سننِ نماز کے باب میں ترتیب وتہذیب کا کام کیا گیا، سابقہ طباعتوں میں ایک ہی عنوان کے تحت کئی کئی سنتوں کو جمع کردیا گیا تھا اور تمام کے دلائل مجموعی طور پر دے دئے گئے تھے، جس کی بناء پر سنتوں کی تعداد، عام کتب مسائل ودینیات میں بیان کردہ تعداد کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم معلوم ہوتی تھی، اب کی بار ان کی تفصیل وتحلیل کردی گئی ہے، مکاتب کے طلبہ اور دیگر ارباب ذوق ان کو نمبروار دلائل کے ساتھ یاد کرنا چاہیں تو اس میں ان کے لئے سہولت و

آسانی ہے، کچھ عرصہ قبل ''سنن وآداب'' کے نام سے گجرات کے ایک عالم دین ابو بکر بن مصطفیٰ پٹنی کی ایک نہایت ہی مفید کتاب منظر عام پر آئی ہے، جس میں ہر گوشہ زندگی سے متعلق تقریباً ۱۹۰۰سنن وآداب کومستند حوالہ جات کے ساتھ بہت ہی سلیقہ سے جمع کیا گیا ہے ،اس کتاب سے جمعہ وعیدین کے آداب کی فہرست کو بندہ نے اپنی کتاب میں شامل کردیا ہے،اللہ تبارک وتعالی اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مؤلف کتاب اور قارئین کرام کے لئے یہ بات موجب سعادت و باعث صد اطمینان ہوگی کہ اس کتاب پر معروف محقق امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب دامت برکاتہم نے نہ صرف نظر ثانی فرمائی ہے؛ بلکہ اپنے کلمات کے ذریعہ اس کو سند واعتبار بھی عطا فرمایا، اسی طرح ملک کے نامور وجلیل القدر مفتی حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ صدر مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد وصاحبِ فتاوی قاسمیہ نے حیدرآباد دکن کے اپنے ایک سفر کے موقع پر بندہ کی درخواست پر اپنی قیمتی تحریر عنایت فرما کر کتاب کی اعتباریت میں اضافہ فرمایا ہے۔

اس موقع پر بندہ اپنے جملہ اکابرو بزرگان کا ممنون ہے جن کی عنایات کی بدولت یہ خدمت انجام پائی ہے، اپنے جملہ رفقاء بالخصوص حضرت مولانا محمد غیاث الدین حسامی زید مجدہم کا- جو خود ایک عمدہ قلم کار اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں- نیز مولانا محمد مجیب الدین حسامی ومولانا مفتی محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی زید مجدہم کا بھی شکر گذار ہے کہ اس طباعت کے مراحل میں ان حضرات کا مخلصانہ تعاون شامل حال رہا ہے، اللہ تعالی اس کاوش کو ہم تمام کے لئے سعادتِ دارین کا باعث بنائے، آمین

۱۸/ رجب ۱۴۳۸ھ

محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

پیش لفظ

بنیادی طور پر احکام شریعت کے دو حصے ہیں، ایک اصولی، دوسرے فروعی۔

اصولی احکام وہ کہلاتے ہیں جن کا تعلق عقائد وایمانیات سے ہوتا ہے، جیسے باری تعالی کی ذات وصفات کے مسائل، قضاء وقدر کے مباحث، معجزات وکرامات کے وقوع کا معاملہ، قیامت کے دن وزنِ اعمال اور جنت میں دیدارِ خداوندی کے مسائل۔

فروعی احکام: وہ کہلاتے ہیں جن کا تعلق بالعموم عمل سے ہوا کرتا ہے، جیسے وضو نماز اور روزہ وغیرہ کے مسائل، معاشرت ومعاملت سے متعلقہ مسائل۔

اصولی احکام میں جو جماعت، منہاج شریعت کے موافق ہوتی ہے، اسے اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور جو فرقے سنت نبی علیہ السلام اور طریقۂ صحابہؓ سے ہٹے ہوئے ہیں انہیں مبتدعین یا اہل بدعت کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹی تھی اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، سوائے ایک کے سب جہنمی ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا: وہ ایک خوش نصیب جماعت کونسی ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ جماعت جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہو،، (ترمذی، بحوالہ مشکوۃ: ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

فروعی احکام میں جس قدر ائمہ نے بھی حق کی جستجو کے لئے اجتہاد اور استنباط سے کام لیا ہے، سب اہل حق کہلاتے ہیں، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: ان ائمہ کے مسالک ایسے ہی برحق ہیں، جیسے انبیاء سابقہ کی شریعتیں (ادب الاختلاف: ۳۰) وجہ اس کی ظاہر ہے وہ یہ کہ ائمہ

کے مسالک بالفاظِ دیگر صاحب شریعت علیہ السلام سے ثابت شدہ طریقوں ہی کا دوسرا نام ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے تمام طریقہ کا برحق ہونا ایمان ہے۔

یہ اختلافات ایسے ہیں جنہیں خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے سند قبولیت عطا فرمائی ہے، اور صحابہ کرامؓ نے سنجیدگی واحترام کے ماحول میں اس کو برتا بھی ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ کے موقع پر نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ: ’’ہرگز تم میں سے کوئی بنو قریظہ کے علاوہ کہیں نماز عصر نہ پڑھے، راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں ہو گئیں، ایک جماعت کا کہنا تھا کہ نبی ﷺ کے ارشاد گرامی کا مقصد جلد از جلد بنو قریظہ پہنچنے کا حکم کرنا ہے، یہ منشأ نہیں کہ نماز کا وقت ختم ہونے کے اندیشہ کے باوجود راستہ میں نماز نہ پڑھی جائے، غرض اس جماعت نے راستہ ہی میں نماز عصر پڑھ لی، دوسری جماعت کا خیال تھا کہ فرمان نبوی کا منشأ بنو قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھنے کا حکم کرنا ہے، چاہے نماز قضا ہو جائے؛ چنانچہ اس جماعت نے بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی، نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے کسی جماعت کی بھی تردید نہیں فرمائی (بخاری، حدیث نمبر: ۹۴۶، فتح الباری: ۴۰۹/۷)

ایک سفر میں دو صحابی چل رہے تھے، نماز کا وقت ہو گیا، پانی دستیاب نہ تھا، دونوں نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی، بعد ازاں پانی مل گیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے تو پہلی نماز پر اکتفا کیا، مگر دوسرے نے وضو کر کے اپنی نماز دہرا لی، پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دونوں نے اپنا عمل بیان کیا تو آپ ﷺ نے پہلے والے صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے سنت کے مطابق کام کیا ہے اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم کو دو اجر ملے‘‘ (أبو داؤد، باب في المتيمم يجد الماء، حدیث نمبر: ۳۳۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ تو وتر کی ایک ہی

رکعت پڑھا کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے ٹھیک ہی کیا ہے، وہ فقیہ آدمی ہیں، رسالتمآب ﷺ کی انہوں نے صحبت اٹھائی ہے۔(بخاری، باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر:۳۷۶۴،۳۷۶۵)

پھر یہ اختلافات اس وقت اور بھی غیر اہم ہو کر رہ جاتے ہیں، جب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان اختلافات کا تعلق فروعی احکام کے بھی فروعات سے ہے، مثال کے طور پر ائمہ اربعہ کے درمیان نماز کے مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس میں نہیں کہ کوئی امام فجر کی دو رکعت کا قائل ہے تو کوئی تین یا چار کا، یا کوئی قیام ورکوع وسجود کو ضروری کہتا ہو تو کوئی اس کے برخلاف کہتا ہو، بلکہ زیادہ تر اختلاف جزوی اور زائد برضرورت مسائل میں ہوتا ہے اور وہ بھی بہتر اور کم بہتر کا، جائز اور ناجائز کا نہیں، چنانچہ ایک امام کہتا ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مقابلے میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا بہتر ہے، تاہم وہ یہ نہیں کہتا کہ اگر سینہ پر کوئی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوئی، یا کوئی امام جو نماز میں رفع یدین کو بہتر خیال کرتا ہو، وہ یہ نہیں کہتا کہ رفع یدین کے بغیر نماز نہیں ہوتی، امام شافعیؒ کے یہاں نماز فجر میں قنوت پڑھنا مسنون ہے تاہم خود ان کے بارے میں مشہور ہے کہ جب وہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لائے اور قریب میں نماز فجر ادا کی تو اس میں صاحب قبر کے علمی واجتہادی مقام کا لحاظ کرتے ہوئے قنوت نہیں پڑھی(فتح الملهم : ۱/۷۳)

واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے جزوی وفروعی اختلافات، امت کے حق میں رحمت اور وسعت کا باعث ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: میری امت کا اختلاف رحمت ہے (بیہقی، طبرانی، دیلمی بحوالہ ترجمان السنۃ ۱/۹۷)اس کی شرح میں قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے عملی اختلاف میں ہمارا بڑا فائدہ رکھا ہے کہ اب اگر کوئی شخص ان میں کسی کے مطابق عمل کرے (مجتہد ہو تو اپنے اجتہاد کی روشنی میں اور مجتہد نہ

ہوتو امام کی اتباع کر کے) تو اس کے لئے گنجائش نکل آتی ہے۔(ترجمان السنة ۱/ ۹۷)

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ بعض حضرات اس سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب انہیں مختلف اقوال میں سے اپنی خواہش کے مطابق کسی بھی قول یا رائے کو اختیار کر لینے کی آزادی حاصل ہوگئی ہے، حالانکہ یہ سوچ بنیادی طور پر " اختلاف امتی رحمة "کی روح کے مخالف و متصادم ہے ، کیوں کہ اختلاف کا رحمت ہونا صرف اس وقت برقرار رہتا ہے، جب تک کہ اختلاف خواہش پرستی اور لا دینیت کی طرف لے جانے والا نہ ہو۔

اور یہ مشاہدہ ہے کہ اقوالِ مختلفہ کے انتخاب میں من چاہی آزادی، آدمی کو خواہش پرستی اور لا دینیت کی طرف دھکیل دیتی ہے، اس لئے " اختلاف امتی رحمة " سے یہ من گھڑت نتیجہ نکالنا باطل اور بے بنیاد ہے۔

قاضی اسماعیلؒ فرماتے ہیں: اختلاف کے رحمت ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ صحابہ کے مختلف افعال میں ہر شخص کو بے دلیل اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کا حق حاصل ہو گیا ہے ،(الموافقات ۴/ ۱۲)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ شرعی حجت کے بغیر صرف مذاہب کی رخصتوں پر عمل کرنا نا جائز بلکہ فسق ہے،(الموافقات ۴/ ۱۳۴)

موجودہ زمانے میں اختلافات ائمہ کی حیثیت ونوعیت نہ سمجھنے اور معین امام کی تقلید کے ضروری ہونے کی حکمتوں و مصلحتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس معاملہ میں بعض گوشوں سے افراط وتفریط کا مظاہرہ ہورہا ہے، احناف کی نماز کے بارے میں بھی عام خیال کیا جاتا ہے کہ وہ گویا فرسودہ و بے بنیاد طریقہ کا نام ہے، قرآن واحادیث کے دلائل، ان کی پشت پر موجود نہیں ؛ حالانکہ علمی اعتبار سے یہ ایک ایسی غلطی ہے کہ اس کی تردید یا جواب دہی کی سعی بھی فضول معلوم ہوتی ہے، تاہم چوں کہ سادہ لوح حنفی عوام پر اس کا منفی اثر یہ پڑ رہا تھا کہ ان کو

اپنے مسلک کے تئیں شکوک وشبہات پیدا ہورہے تھے، اسلئے اس قسم کی غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہوگیا تھا۔

اسی پس منظر میں احقر نے اکابر علماءِ ربانیین کی تحقیقات وتالیفات سے استفادہ کرکے نماز کے موضوع پر یہ کتاب تیار کی ہے، جس میں تقریباً ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث سے دلیل مذکور ہے، ہر حدیث کے درجہ کی وضاحت ہے، ائمہ اربعہ کے فقہی آراء کا بیان ہے، معروف مسائل جیسے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، رفع یدین، قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، تشہد میں انگلی کو حرکت دینا، اجتماعی دعا، مرد وعورت کی نماز میں فرق، جماعتِ ثانیہ، صف بندی کا طریقہ، بیس رکعت تراویح، دیہات میں جمعہ وغیرہ پر سنجیدہ ودلنشین انداز سے بحث موجود ہے، مؤلف کتاب کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی حقیر کاوش پر نظر ثانی معروف محقق امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے فرمائی ہے، مزید انعام یہ ہوا کہ حضرت نے اپنے قیمتی کلمات کے ذریعہ کتاب کو سند واعتبار بھی عطا فرمایا ہے، مخدوم گرامی قدر جناب محترم رحیم الدین انصاری صاحب زید مجدہم، علم دوست بزرگ حبیب الدین صاحب، والد بزرگوار جناب محمد مظہر محی الدین صاحب مدظلہ اور اپنے دیگر بزرگ رشتہ دار واحباب کا بھی بندہ ممنون ہے کہ ان کی برکت سے یہ کتاب تیار ہوئی، اللہ تعالی ان تمام حضرات کو اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو عنداللہ وعند الناس مقبول فرمائے۔

۲۶/محرم ۱۴۳۴ھ
م ۱۱/ڈسمبر ۲۰۱۲

محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی عفی عنہ
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

کلماتِ بابرکت

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین قاسمی مدظلہم
صدر مفتی واستاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

فقہ حنفی جو قرآن و حدیث کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ ہے، اور جس میں نصوص کی رعایت دیگر مکاتب فقہیہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کے بیشتر علاقوں میں یہ فقہ امتِ مسلمہ کے درمیان رائج اور مقبول ہے اور اس کے مطابق عبادات و معاملات وغیرہ کو امتِ مسلمہ کی ایک معتد بہ تعداد عمل کرتی ہوئی آرہی ہے، لیکن کچھ دنوں سے ایک خاص طبقہ کی طرف سے فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھنے کو طریقۂ رسول ﷺ سے ہٹا ہوا طریقہ قرار دیکر امت میں ایک انتشار کی کیفیت پیدا کی جارہی ہے، اس پس منظر میں ضروری تھا کہ اس تلبیس اور پروپگنڈہ کو واضح کیا جائے اور فقہی تصریحات پر اکتفاء کرنے کے بجائے نصوص سے تمام مسائل کو مدلل کرکے امت کے سامنے پیش کیا جائے، اس اہم کام کو جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے ایک فیض یافتہ ہونہار فاضل و مفتی جناب مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین زاداللہ علمہ وفضلہ استاذ حدیث وفقہ — جو علمی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اور کئی کتابیں ان کے قلم سے بھی منظر عام پر آچکی ہیں — کے ذمہ کیا گیا، چنانچہ انہوں نے میری نگرانی میں بہت سلیقے سے یہ کام کیا ہے، مسائل کو نصوص سے مدلل کیا ہے، حوالہ جات کا غیر معمولی اہتمام کیا ہے، حدیث کی صحت وسقم اور اس کے درجہ کو بھی بیان کیا ہے، مسائل میں پائے جانے والے اختلاف کی نشاندہی بھی کی ہے، زبان عام فہم اور شستہ ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر عالم کے پاس ہو، ائمہ مساجد بھی اس سے فائدہ اٹھائیں، خصوصاً فتنوں کے اس دور میں ہر گھر میں اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے، مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین

۱/۲/۱۴۳۴ھ

محمد جمال الدین
دارالعلوم حیدرآباد

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ

صدر مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد و صاحبِ فتاوی قاسمیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم: اما بعد

جناب مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین صاحب مدظلہ کی کتاب بنام ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز'' سرسری طور پر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ماشاءاللہ تعالی موصوف نے ہر مسئلہ بحوالہ مدلل تحریر کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اللہ پاک موصوف کو مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے، یہ کتاب عوام وخواص کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی، لہذا موصوف حوصلہ افزائی کے مستحق ہے، اللہ پاک اس خدمت کو شرف قبولیت اور موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

۱۹/ رجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۷/ ۱/ اپریل ۲۰۱۷ء

نماز کا بیان

نماز کے لغوی معنی دعا کے ہیں، ارشاد ربانی ہے بلا شبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے۔ سورۃ توبہ:۱۰۳

اصطلاحی معنی: وہ عبادت جو مخصوص اقوال وافعال پر مشتمل ہو، جس کا آغاز تکبیر سے اور اختتام سلام پر ہوتا ہے۔

نماز کی اہمیت

نماز اسلام کا اہم ترین رکن ہے، یہ اسلام کا وہ ستون ہے جس کے بغیر وہ قائم نہیں رہ سکتا، قیامت کے روز بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز ہی کے متعلق باز پرس ہوگی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلی چیز جس کے متعلق بندے سے قیامت کے روز باز پرس ہوگی وہ نماز ہے، اگر وہ درست ہوگی تو بقیہ تمام اعمال درست ہوں گے، اور اگر وہ غلط ہوگی تو اس کے بقیہ تمام اعمال غلط ہوں گے۔(۱)

نمازوں کی تعداد

فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر انہیں کم کر کے پانچ کر دیا گیا، پھر آواز آئی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرا قول

(۱) طبرانی اوسط عن انس رضی اللہ عنہ: ۱۸۵۹ صحیح: صحیح و ضعیف الجامع الصغیر: ۴۳۳۸

اٹل ہے، آپ ﷺ کے لئے ان پانچ نمازوں میں پچاس نمازوں کا ثواب ہے(۱)

نماز کن پر فرض ہے؟

ہر عاقل و بالغ مسلمان پر نماز موت کے آنے تک فرض ہے، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین اشخاص غیر مکلّف ہیں، ایک سویا ہوا آدمی؛ یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے، دوسرا بچہ؛ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، تیسرا پاگل؛ یہاں تک کہ وہ باہوش ہو جائے۔(۲)

ارشاد ربانی ہے: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے ؛ یہاں تک کہ آپ (ﷺ) کو موت آجائے۔(۳)

نماز کی مشروعیت کے فوائد و حکم

بندوں کے درمیان نماز کو جاری کرنے میں بے شمار روحانی و جسمانی، شخصی و اجتماعی، فوائد و حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ روحانی فوائد تو یہ ہیں کہ نماز کے واسطے سے بندہ کا اپنے رب سے رشتہ استوار ہوتا ہے، اس کی رحمت و مغفرت کا وہ امیدوار اور اس کے الطاف و عنایات کا طلب گار رہتا ہے، اپنے مالک و مولی سے بندہ کا یہ جذباتی تعلق اس کی کامیابی و فلاح کا ضامن ہے، ارشاد ربانی ہے: بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔(۴)

جسمانی فوائد یہ ہیں کہ نماز ایک بہترین ورزش ہے، سستی، کاہلی اور بے عملی کے اس دور میں صرف نماز ہی ایک ایسی ورزش ہے کہ اگر اس کو صحیح طرز پر پڑھا جائے تو دنیا کے تمام دکھوں کا مداوا بن سکتی ہے، نماز کی ورزشیں جہاں بیرونی اعضاء کی خوشنمائی و خوبصورتی کا

(۱)سورۃ الحجر : ۹۹
(۲) بخاری : باب کیف فرضت الصلوات : ۳۴۹
(۳) ترمذی مع تعلیق الالبانی : باب فیمن لایجب علیه الحد ۱۴۲۳ صحیح
(۴)سورۃ مومنون: ۱۔۲

ذریعہ ہیں وہاں اندرونی اعضاء مثلاً دل، گردے، جگر، پھیپھڑے، دماغ، آنتیں، معدہ، ریڑھ کی ہڈی، گردن، سینہ، اور تمام قسم کے (GLANDS) کی نشونما کرتی ہیں بلکہ جسم کو سڈول اور خوبصورت بناتی ہیں۔

یہ ورزشیں ایسی ہیں جن سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور آدمی غیر معمولی طاقت کا مالک بن جاتا ہے اور ان سے چہرے کے نقش ونگار خوبصورت اور حسین نظر آتے ہیں۔(۱)

یوگا کے ماہرین نے نماز کو سانس کی مشق کا بالکل آسان طریقہ قرار دیا ہے، اس میں وہ تین مقام کو خاص طور پر بیان کرتے ہیں، ایک قیام اور اس میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا ارتکاز، دوسرا رکوع اور اس میں پاؤں کی جگہ نگاہ کا ارتکاز اور سجدہ میں سانس کی مشق اور سانس کا ارتکاز۔(۲)

شخصی طور پر نماز کے ذریعہ سے انسان کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کے دل ودماغ پراگندہ خیالات اور تشویش کن افکار سے پاک وصاف رہتے ہیں، ایک نمایاں قسم کا چین وسکون وہ اپنی زندگی میں محسوس کرتا ہے، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، اعتماد ویقین، وقار ومتانت، دانائی وبردباری، اوقات کی تنظیم وقدردانی، فواحش ومنکرات سے دوری جیسی اونچی اور کامیابی کی کلید صفات سے اپنے آپ کو مالا مال پاتا ہے۔

رسول پاک ﷺ فرماتے ہیں: میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان نماز میں رکھا گیا ہے۔ (۳) ارشاد خداوندی ہے: بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے۔(۴)

---

(۱)سنت نبوی اور جدید سائنس : ۴۰/۲

(۲)سنت نبوی : ۴۵/۲

(۳)نسائی مع تعلیق الالبانی : باب حب النساء : ۳۹۴۰ صحیح

(۴)سورۃ عنکبوت : ۴۵

اجتماعی طور پر نماز (باجماعت) اتحاد و مساوات، نظم وضبط، ربط وتعلق جیسے اہم انسانی اقدار کا کھلا سبق دیتی ہے، نماز باجماعت کے واسطے سے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے، عبادت کے ذوق وشوق، خیر کی جانب مسابقت اور پاکیزہ ماحول کے قیام میں تعاون ملتا ہے، نمازیوں کا اجتماع، خدا کی رحمت کو جوش میں لانے کا بھی نہایت موثر ذریعہ ہے، ایسے پاکیزہ مجمع پر رحمت خداوندی متوجہ ہوتی ہے، بسا اوقات مجمع میں کوئی ایسا فرد بشر ہوتا ہے، جس کے صدق واخلاص اور انابت وتوجہ کی برکت سے پورے مجمع کی قسمت سنور جاتی ہے، ایسے اہل اخلاص اور اہل دل کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والے کبھی محروم نہیں رہتے (۱)

تارک نماز کا حکم

جو شخص نماز کی فرضیت کا منکر ہو وہ تو کافر اور خارج از اسلام ہے؛ اس لئے کہ نماز کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، جو شخص محض کاہلی وسستی کی بنا پر نماز کو ترک کرتا ہے وہ فاسق وگنہگار ہے، ایسا آدمی اخروی و دنیوی دونوں قسم کی سزا کا مستحق ہے، بے نمازیوں کو کل قیامت کے دن نماز کو ترک کرنے کی وجہ سے دوزخ کی دہکتی آگ کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

سورہ مدثر: ۴۲-۴۳ میں ہے: تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، سورۃ ماعون: ۴-۵، میں ہے: تو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں)، بے نمازی کی دنیوی سزا کیا ہوگی؟

(۱) بخاری باب فضل ذکر اللہ عزوجل حدیث ۶۴۰۸

اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسے آدمی کو قتل تو نہیں کیا جائے گا؛ البتہ قید و بند میں ڈالدیا جائے گا، اور سخت تادیب کی جائے گی؛ یہاں تک کہ وہ تائب ہوکر نماز کا عادی ہوجائے یا اس حالت میں مرجائے۔

ارشاد نبوی ہے: کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہوتا ہے، (۱) شادی شدہ ہو اور زنا کیا ہو (۲) ناحق کسی جان کو قتل کیا ہو، (۳) اپنے دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوگیا ہو۔ (۱)

معلوم ہوا کہ محض نماز کو ترک کرنے سے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوجاتا؛ تا آنکہ وہ نماز کی فرضیت کا انکار کر کے دین ہی سے نکل جائے، تب اس کا قتل جائز رہتا ہے۔☆

(۱) بخاری: باب قول الله تعالی ان النفس بالنفس: ۶۸۷۸

☆ ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ) کے یہاں جو شخص بلا عذر کسی ایک نماز کو ترک کردے تو اسے تین دن توبہ کی مہلت دی جائے گی مرتد کی طرح، تین دن کے اندر توبہ نہ کرے تو پھر اسے قتل کردیا جائے گا؛ البتہ امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے یہاں قتل بطور سزا کے ہے اور امام احمدؒ کے یہاں کفر کے سبب سے ہے۔ الفقه الاسلامی ۱/ ۵۷۸ . ۵۷۹

اوقات نماز کا بیان

ارشاد خدوندی ہے: نماز اہل ایمان پر وقت معینہ کے ساتھ فرض ہے (سورۃ نساء: ۱۰۳) احادیث وآثار کی روشنی میں ہر وقت صلوۃ کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، ایک وقت جائز: یعنی وہ مکمل وقت جس کے اندر اندر نماز پڑھ لی جائے تو شرعاً وہ نماز ادا کہلاتی ہے، اور گر وہ وقت فوت ہو جائے تو نماز ذمہ میں قضاء ہو جاتی ہے، دوسرا وقت مستحب: یعنی کسی نماز کے مکمل وقت کا وہ حصہ جس میں نماز کا پڑھنا افضل اور شرعاً پسندیدہ قرار پاتا ہے۔

ذیل میں ہر وقتِ نماز کے بارے میں انہی دو حیثیتوں سے گفتگو کی جائے گی۔

نماز فجر

نماز فجر کا وقت جائز: صبح صادق (۱) سے طلوع آفتاب تک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے، (۲)

وقت مستحب: کسی قدر اجالا پھیل جانے کے بعد نماز فجر کا پڑھنا مستحب ہے (۳)

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، فجر کو اجالے میں

(۱) واضح ہو کہ صبح کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) صبح کاذب (ب) صبح صادق۔ صبح کاذب: مشرق میں افق پر بھیڑئے کی دم کی طرح لمبی سی روشنی ہوتی ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے، اس کے تھوڑی دیر بعد محرابی شکل میں پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہے جن کو صبح صادق کہتے ہیں، بعض ماہرین فلکیات اس کو اٹھارہ ڈگری پر بتاتے ہیں اور بعض پندرہ ڈگری پر، اسی صبح صادق کے وقت فجر کی نماز واجب ہوتی ہے، حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے: آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے بلال کی اذان اور نہ یہ صبح کی لمبی سفیدی یہاں تک کہ روشنی پھیل جائے۔ مسلم شریف: باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر: ۲۵۹۷ الشرح الثمیری: ۱/۱۰۸

(۲) مسلم: باب أوقات الصلوات الخمس ۱۴۱۹

(۳) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے

پڑھو اس لئے کہ اس میں اجر وثواب زیادہ ہے(۱)

حضرت رافع بن خدیج ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا: صبح کی نماز کو اتنی روشن کر کے پڑھو کہ لوگ اجالے کی وجہ سے اپنے نیزے کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ سکیں۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں: میں نے دو نمازوں کے سوا کبھی آپ ﷺ کو اپنے معمول کے وقت کے علاوہ پڑھتے نہیں دیکھا، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع فرمایا اور دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز اس کے معمول کے وقت سے پہلے، اندھیرے میں پڑھ لی۔(۳)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ معمول نبوی فجر کی نماز روشنی میں پڑھنے کا تھا، البتہ نماز فجر میں اتنی تاخیر کر دینا کہ کسی وجہ سے اعادہ کی صورت پیش آ جائے تو مسنون قرأت کی رعایت کے ساتھ وقت کے اندر اندر نماز کا اعادہ مشکل ہو جائے، مناسب نہیں(۴)

نماز ظہر

نماز ظہر کا وقت جائز: زوال آفتاب سے عصر کا وقت آنے تک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ظہر کی نماز کا اول وقت، زوال آفتاب ہے اور آخر وقت، عصر کی نماز کا وقت شروع ہونے تک ہے(۵)

امام ابوحنیفہ ؒ کے یہاں عصر کی نماز کا وقت دو مثل کے بعد سے شروع ہوتا ہے، پس اس سے

(۱) ترمذی :باب ماجاء فی الاسفار : ۱۵۴ حسن صحیح : امام ترمذی ؒ

(۲) مجمع الزوائد :باب وقت صلاۃ الصبح ۱۷۶ صحیح

(۳) مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس : ۳۱۷۶

(۴) فتح القدیر ۱/ ۱۹۹

(۵) مسلم باب اوقات الصلوات الخمس: ۱۴۲۰

پہلے تک کا وقت ظہر کا رہے گا۔☆

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ روایت ہے: حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورﷺ کے ساتھ سفر میں تھے تو مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپﷺ نے فرمایا: ٹھنڈا ہونے دو، پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپﷺ نے فرمایا: ٹھنڈا ہونے دو؛ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلے کا سایہ دیکھا، پھر آپﷺ نے فرمایا: سخت گرمی، جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہوتی ہے: پس جب سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔(۱)

بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپﷺ نے اس موقع پر نماز ظہر میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ ٹیلے کا سایہ ٹیلے کے مساوی ہو گیا تھا،(۲)

ٹیلہ کا سایہ علانیہ دکھائی دینے لگے یا اس کے برابر ہو جائے تو اس کے بالمقابل اونچی اور بلند چیزوں کا سایہ ایک مثل سے خاصا زیادہ ہو جاتا ہے، معلوم ہوا کہ ایک مثل کے نکل جانے کے باوجود ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، اور آپﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس وقت میں نماز ظہر ادا فرمائی تھی۔

ائمہ کی اختلاف کی وجہ سے احتیاط اس میں ہے کہ نماز ظہر مثل اول سے پہلے اور نماز عصر مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے۔(۳)☆

☆امام مالکؒ وشافعیؒ واحمد بن حنبل، امام ابو یوسف وامام محمدؒ کے یہاں عصر کی نماز کا وقت مثل اول کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، پس ان حضرات کے پاس نماز ظہر کا وقت اس سے پہلے پہلے تک ہے۔

(۱) بخاری شریف باب الابراد بالظهر فی السفر: ۵۳۹

(۲) بخاری باب الاذان للمسافر : ۶۲۹

(۳) رد المحتار ۱/۲/۳۷۲

☆ ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہو تو اس وقت جو تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس کو سایۂ اصلی اور فئ الزوال کہتے ہیں، اس کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو تو وہ ایک مثل سایہ کہلاتا ہے، مثلاً ایک آدمی کا قد ساڑھے پانچ فٹ ہے تو سایۂ اصلی کے علاوہ، سایہ ساڑھے پانچ فٹ تک چلا جائے تو ایک مثل ہو گیا اور سایہ اصلی کے علاوہ گیارہ فٹ تک سایہ لمبا ہو گیا تو دو مثل ہو گیا۔ الشرح الثمیری:۱/۱۱۰

وقت مستحب: گرمی کے زمانہ میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا اور سردی کے زمانہ میں جلد پڑھ لینا مستحب ہے، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب سخت سردی پڑتی تو نماز کو جلد ادا کر لیتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرتے۔(۱)

نماز عصر

نمازِ عصر کا وقت جائز: ظہر کا وقت ختم ہونے سے غروب آفتاب تک رہتا ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: عصر کا اول وقت اس کے آغاز سے سورج کے زرد پڑنے تک رہتا ہے (۲) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ عصر کا وقت مغرب کے آنے تک رہتا ہے (۳) رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: جس شخص نے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھ لی اسے عصر کی نماز مل گئی (۴)

وقت مستحب: عصر کی نماز کو قدرے تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے؛ لیکن اتنی تاخیر بھی مناسب نہیں کہ آفتاب زرد پڑ جائے، حدیث میں ایسی نماز کو منافق کی نماز قرار دیا گیا ہے،(۵)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ عصر کی نماز پڑھتے ہیں اس حال میں کہ سورج بلند رہتا ہے اور سفید رہتا ہے اس میں زردی آنے سے پہلے (۶) علی ابن شیبانؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پاس مدینہ آئے تو آپ ﷺ عصر کو

(۱) بخاری باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة : ۹۰۶
(۲)مسلم : باب اوقات الصلوات الخمس: ۱۴۲۰
(۳)مجمع الزوائد :باب وقت صلوة العصر : ۱۷۱۴ صحیح
(۴)بخاری : باب من ادرک من الفجر رکعة : ۵۷۹
(۵)مسلم : باب استحباب التبکیر بالعصر : ۱۴۴۳
(۶)ابوداؤد مع تعلیق الالبانی : باب فی المواقیت : ۳۹۴حسن

مؤخر کرتے تھے، جب تک سورج سفید ہوتا۔(۱)

نماز مغرب

نماز مغرب کا جائز وقت غروب آفتاب سے شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے، شفق وہ سفید روشنی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دیکھی جاتی ہے۔☆ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: مغرب کا اول وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور آخر وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے(۲)

اوقات صلوۃ کو بیان کرنے والی ایک روایت میں دن کی سفیدی پر جو آفتاب کے غروب ہونے کے بعد بھی افق پر نظر آتی ہے، شفق کا لفظ بولا گیا ہے(۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفق سفید روشنی ہی کا نام ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے(۴)

حضرت عمرؓ نے یہ سرکاری فرمان تحریر فرمایا تھا کہ: نماز عشاء افق کی سفیدی کے غائب ہونے کے بعد سے تہائی رات تک پڑھی جائے (۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ افق کی سفیدی ختم ہوجانے یعنی شفق ابیض کے ڈوبنے کے بعد نماز عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، اور اس سے پہلے پہلے مغرب ہی کا وقت ہے۔

---

(۱) ابوداؤد:باب فی وقت صلاۃ العصر : ۴۰۸ باب تعجیل العصر سکت عنه : الثمر الدانی ۱/۲۱۳

☆ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سفید روشنی سے پہلے تک نظر آتی ہے، پس ان کے یہاں سرخی کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور سفید روشنی کے ظاہر ہوتے ہی عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے (الفقه علی المذاهب الاربعه ۱/۱۸۴)

(۲) مسلم : باب اوقات الصلوات الخمس : ۱۴۱۹. ۱۴۲۰

(۳) المعجم الاوسط : ۶۷۸۷. مجمع الزوائد : ۱۶۸۶. حسن

(۴) منحة الخالق ۱/۲۴۶

(۵) مصنف عبدالرزاق :باب وقت العشاء الاخرة رجاله رجال الشیخین ۲۱۰۸ .السلسلة الضعیفیه ۱۴/ ۱۴۰

وقت مستحب: نماز مغرب کو غروب آفتاب کے ساتھ ہی پڑھ لینا مستحب ہے خواہ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا۔ حضرت سلمہ ؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز مغرب غروب آفتاب کے ساتھ ہی پڑھ لیا کرتے تھے(۱)

حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے، میری امت ہمیشہ خیر میں رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب تک وہ ستارے چمکنے تک مغرب کی نماز کو مؤخر نہ کرے(۲) ☆

نماز عشاء:

نماز عشاء کا جائز وقت شفق کے غائب ہونے کے وقت سے صبح صادق (نماز فجر کے شروع ہونے) تک ہے، متعدد احادیث میں ہے کہ عشاء کا وقت شفق کے غائب ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے(۳)

اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ رات دیر گئے مسجد تشریف لئے گئے، رات کا اکثر حصہ گذر چکا تھا، حاضرین مسجد پر بھی نیند کی کیفیت طاری ہوگئی تھی، آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، پھر فرمایا یہی اس نماز کا وقت ہے(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ عشاء کی نماز کا زیادہ سے زیادہ وقت کیا ہے، فرمایا: صبح صادق کا طلوع ہونا(۵) ☆

(۱)بخاری :باب وقت المغرب ۵۶۱

(۲)ابوداؤد :مع تعلیق الالبانی باب فی وقت المغرب : ۴۱۸. حسن صحیح

☆ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے البتہ امام شافعیؒ کا قول جدید اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مغرب کا وقت صرف اس قدر رہتا ہے، جتنے وقت میں، وضو، ستر پوشی، اذان واقامت اور پانچ رکعتوں کو انجام دیا جاسکتا ہے۔ الفقہ الاسلامی: ۱/ ۶۶۸

(۳)ترمذی تحقیق الالبانی باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ : ۱۵۱ صحیح .. صحیح ابن خزیمہ : باب کراھیة تسمیة العشاء عتمة : ۳۵۲

(۴) مسلم :وقت العشاء وتاخیر ھا : ۱۴۷۷،

(۵) السنن الکبری للبیھقی باب اٰخر وقت الجواز لصلاۃ العشاء : ۱۶۳۸ .صحیح : اثار السنن : ۱/ ۴۴

☆ یہی ائمہ ثلاثہ کا بھی مسلک ہے البتہ امام شافعیؒ کی ایک روایت کے مطابق عشاء کا وقت بس آدھی رات تک رہتا ہے اعلاء السنن ۲/ ۱۶

وقت مستحب: عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو عشاء کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک موخر کرنے کا حکم دیتا (۱) ☆

نماز وتر

نماز وتر کا جائز وقت عشاء کے بعد ہے اور آخر وقت صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے، حضرت خارجہ بن حذافہ کہتے ہیں: ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے، جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے، اس کو اللہ تعالی نے تمہارے لئے، نماز عشاء اور صبح صادق کے درمیانی وقت میں مقرر فرمایا ہے (۲)

وقت مستحب: جس کو تہجد پڑھنے کا شوق اور عادت ہو اور اسے یہ قوی امید ہو کہ وہ آخری رات میں بیدار ضرور ہو جائے گا تو اس کو آخری رات میں وتر پڑھنا چاہئے اس لئے کہ آخری رات کی نماز مقبول بارگاہ خداوندی ہوتی ہے اور یہ افضل ہے (۳)

فائدہ: ابر آلود دنوں میں نماز ظہر کو تاخیر سے اور نماز عصر کو اول وقت میں، اسی طرح مغرب کی نماز کو تاخیر سے اور نماز عشاء کو اول وقت میں پڑھ لینا مستحب ہے۔

---

(۱) ترمذی مع البانی : باب تاخیر صلاۃ العشاء والأخرۃ : ۱۶۷ صحیح

☆ امام مالکؒ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھ لینا مستحب ہے البتہ سخت گرمی میں ظہر کی نماز قدرے ٹھنڈک پڑنے پر پڑھنا بہتر ہے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے البتہ ظہر کی نماز کو گرم علاقوں میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح گرمی کے زمانے میں مسجد و مدرسہ کی وہ جماعت جس میں لوگ دور دور سے آ کر شریک ہوتے ہیں کچھ تاخیر سے کھڑی کرنا مستحب ہے، امام احمدؒ کا بھی تقریبا یہی مسلک ہے البتہ ان کے یہاں عشاء کی نماز میں بھی مصلیوں کی بشاشت کا خیال رکھتے ہوئے تہائی رات تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/ ۶۷۲ . ۶۷۳

(۲) المستدرک علی الصحیحین مع تعلیقات الذھبی : کتاب الوتر : ۱۱۴۸ صحیح

(۳) مسلم :باب من خاف ان لایقوم من اٰخر اللیل : ۱۸۰۲)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابر آلود دنوں میں نماز جلد پڑھ لیا کرو، اس لئے کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی تو اس کا عمل اکارت گیا (۱)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع سے مروی ہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بدلی کے دن نماز عصر کو جلد پڑھ لیا کرو۔ (۲) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بدلی کے دن میں دن کی نماز جلد پڑھ لیا کرو، اور مغرب کی نماز میں تاخیر کرو (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابر آلود دن ہو تو ظہر کی نماز میں تاخیر کرو اور عصر کی نماز میں عجلت کرو (۴) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے: ابر آلود دن میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھو اور عصر کی نماز جلد پڑھ لو اور مغرب کی نماز میں تاخیر کرو (۵) اس طریقہ کار میں لوگوں کو سہولت بھی ہے کہ ایک ہی دفعہ مسجد حاضر ہو کر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے دو دو نمازوں سے فارغ ہو کر مسجد سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کھڑی ہونے کے وقت مسجد میں ہوتے تو جب آپ ﷺ لوگوں کی تعداد کم دیکھتے تو بیٹھ جاتے پھر (لوگوں کے جمع ہونے کے بعد) نماز پڑھتے اور جب یہ دیکھتے کہ لوگ (پہلے ہی سے) جمع ہیں تو فوراً نماز پڑھتے (۶)

(۱) ابن ماجہ :باب میقات الصلوۃ فی الغیم : ۶۷۱ صحیح : .نیل الاوطار : باب ماجاء فی تعجیلھا ۱/۳۹۲

(۲)(فتح الباری: باب التبکیر بالصلوۃ ۲/۶۶ مرسل قوی : حافظؒ)

(۳)مراسیل ابوداؤد : ۱۳

(۴)فتح الباری :باب التبکیر بالصلوۃ ۲/۶۶

(۵) کتاب الأثار لابی یوسفؒ: باب افتتاح الصلوۃ : ۹۵

(۶) مستدرک مع تعلیقات الذہبی : باب فضل الصلوات الخمسۃ : ۷۲۴. صحیح

وہ اوقات جن میں ہر قسم کی نماز پڑھنا ممنوع ہے

تین اوقات ایسے ہیں جن میں کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ۔(۱) طلوع آفتاب کے وقت (۲) غروب آفتاب کے وقت (۳) استواء کے وقت یعنی جب سورج آسمان کے بیچوں بیچ ہو، ان اوقات میں نہ کوئی فرض نماز کی قضا جائز ہے نہ سنت نماز نہ نفل نماز۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے اور میت کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے: ایک جب سورج طلوع ہورہا ہو، یہاں تک کہ وہ بلند ہوجائے، دوسرے جب کہ وہ نصف النہار پر ہو اور تیسرے جب کہ وہ غروب ہونے کے لئے جھکے، یہاں تک کہ غروب ہوجائے (۱)

میت کو دفن کرنے سے مراد میت کی نماز جنازہ پڑھنا ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے (۲) بعض روایات سے جمعہ کے روز استواء شمس کے وقت نفل نماز کے پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن وہ سنداً کمزور ہیں، اس لئے یہ روایات، عمومی طور پر ان اوقات میں نماز پڑھنے سے ممانعت کرنے والی روایات کے معارض نہیں ہوسکتیں (۳)

فائدہ:

غروب آفتاب کے وقت اسی دن کی نماز عصر پڑھنی جائز ہے، ارشاد گرامی ہے: جس شخص نے غروب آفتاب سے قبل عصر کی ایک رکعت پڑھ لی اس نے نماز عصر کو پالیا۔(۴)

ان اوقات ممنوعہ میں جنازہ حاضر ہوجائے تو میت پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

---

(۱) مسلم : باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا : ۱۹۲۶

(۲) نصب الرایۃ : فصل فی الاوقات المکروھۃ ۱/۲۵۰

(۳)اعلاء السنن : ۲/۶۰

(۴) بخاری : باب من ادرک من الفجر رکعۃ : ۵۷۹

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے علیؓ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو(۱) نماز جب اس کا وقت آجائے (۲) جنازہ جب حاضر ہوجائے (۳) غیر شادی شدہ عورت جب اس کا مناسب جوڑا مل جائے (۱) ہاں جنازہ ان اوقات ممنوعہ سے پہلے ہی حاضر ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود نماز جنازہ ان اوقات ممنوعہ میں پڑھی تو یہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

وہ اوقات جن میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے

(۱) نمازِ فجر کے بعد آفتاب کے بلند ہونے تک۔

(۲) نمازِ عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: صبح کی نماز کے بعد سورج کے بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں اور عصر کے بعد آفتاب کے غائب ہونے تک کوئی نماز نہیں (۲) یہ روایت اگرچہ نوافل وفرائض دونوں کے سلسلہ میں عام ہے؛ مگر حضرت علیؓ کی ایک روایت کے پیش نظر اس ممانعت کو صرف نوافل کے ساتھ خاص مانا گیا ہے، باقی ان دو اوقات میں کوئی قضا نمازیں پڑھنا چاہتا ہے تو حضرت علیؓ کی روایت کی بنا پر جائز ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: عصر کی نماز کے بعد نماز نہ پڑھو؛ مگر یہ کہ سورج چمک رہا ہو (۳) اس سے مراد قضا نمازوں کی اجازت ہے البتہ نوافل کی نہیں ،ورنہ تو اس روایت اور ابوسعید خدریؓ کی روایت بالا میں خواہ مخواہ تعارض پیدا ہوجائے گا۔

عصر اور فجر کی نماز کے بعد طواف کے دوگانے (دو رکعت واجب) پڑھنا بھی مکروہ ہے،

---

(۱) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی : کتاب النکاح : ۲۶۸۶ صحیح

(۲) بخاری : باب لایتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس: ۵۸۶

(۳) ابو داؤد : مع تعلیق الالبانی : باب الصلاۃ بعد العصر : ۱۲۷۶ صحیح

حضرت معاذ بن عفراءؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے نماز عصر یا فجر کے بعد طواف فرمایا؛ مگر دوگانہ طواف نہیں پڑھی، جب اس کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے(۱)

حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ آپؓ نے نماز صبح کے بعد طواف کیا تو فوراً دوگانہ طواف نہیں پڑھی؛ بلکہ سواری پر سوار ہوگئے، پھر مقام ذی طوی پہنچ کر ان دو رکعتوں کو ادا کیا(۲)☆

(۳) مغرب سے قبل دو رکعت نماز پڑھنا

حضرت ابن عمرؓ سے غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا(۳)

مغرب کی نماز کی ادائیگی میں عجلت مطلوب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مغرب کی نماز غروب آفتاب کے ساتھ ہی پڑھ لو(۴) ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ،

---

(۱) طحاوی :باب الرکعتین بعد العصر ۱۸۱۷ صحیح : اعلاء السنن ۶۶/۲

(۲)مؤطا مالک : باب الصلوة بعد الصبح ۸۲۱. طحاوی :باب الصلوة للطواف بعد الصبح ۳۸۶۳)

☆ امام مالکؒ کے نزدیک ان پانچوں اوقات میں (غروب آفتاب، طلوع آفتاب، کھڑی دوپہر، بعد فجر، بعد عصر) صرف نوافل ممنوع ہیں (فرائض ممنوع نہیں) پھر پہلے تین اوقات میں ممانعت تحریمی ہے بعد کے دو اوقات میں تنزیہی ہے، امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے البتہ امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ جمعہ کے دن استواءِ شمس (کھڑی دوپہر) کے وقت نفل پڑھنا بلا کراہیت درست ہے، اسی طرح ان اوقات میں حرمِ مکہ میں بھی نفل نماز مکروہ نہیں ایسے ہی وہ نوافل جو کسی سابقہ سبب سے متعلق ہوں انہیں بھی ان اوقات میں ادا کرنا بلا کراہیت درست ہے جیسے نماز استسقاء وکسوف، تحیۃ المسجد تحیۃ الوضو، نماز جنازہ، دوگانۂ طواف، امام احمدؒ کے نزدیک ان تمام اوقات میں فرض نمازیں نیز دوگانۂ طواف بھی جائز ہے (الفقہ الاسلامی ۶۸۳/۱۔۶۸۵)

(۳)ابوداؤد :باب الصلوة قبل المغرب : ۱۲۸۶ .حسن .البدر المنیر ۲۹۲/۴

(۴)(طبرانی کبیر :۳۹۵۲صحیح .صحیح و ضعیف الجامع الصغیر : ۷۲۲۸)

حضرت صدیق اکبرؓ ، حضرت عمر فاروقؓ مغرب سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے (۱)

جب تمام لوگ مغرب کی نماز سے قبل نوافل پڑھنے کا اہتمام کرنے لگیں گے تو نماز مغرب کی ادائیگی میں تاخیر یقینی ہے، اسی طرح غیر معمولی اہتمام کی وجہ سے لوگوں کو اس کے مسنون ہونے کی غلط فہمی ہوسکتی ہے، اس لئے یہ شکل کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

ہاں ان دو رکعتوں کو سنت سمجھے بغیر اور نماز مغرب میں تاخیر کئے بغیر دو چار لوگ ان کو ادا کر لیتے ہیں تو کوئی قباحت نہیں، چنانچہ بعض صحابہؓ کا اس پر عمل رہا ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: مغرب سے قبل نماز پڑھو، تیسری دفعہ میں یہ اضافہ فرمایا کہ جس کا جی چاہے اور یہ اضافہ اس لئے فرمایا تا کہ لوگ اسے سنت نہ بنالیں (۲) ☆

(۴) خطبہ کے دوران نفل پڑھنا

خطیب جب خطبہ جمعہ کے لئے منبر پر آجائے تو سنت جمعہ یا تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہو تو امام کے فارغ ہونے تک نہ کوئی نماز ہے نہ کوئی بات چیت ہے (۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران اپنے ساتھی کو خاموش رہنے کا حکم دیا (اور توجہ سے جمعہ کا

(۱) امام محمد کتاب الآثار : ۱۴۴

(۲) بخاری : باب الصلوۃ قبل المغرب ۱۱۸۳

☆ امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب سے قبل دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب (سنت غیر مؤکدہ) ہے امام احمدؒ کے نزدیک محض جائز ہے سنت نہیں۔ الفقہ الاسلامی ۱ / ۶۸۶

(۳) مجمع الزوائد : باب فیمن یدخل المسجد والامام یخطب : ۳۱۲۰. حسن . اعلاء السنن ۷۸/۲

خطبہ سننے کی تعلیم کی) تب بھی تم نے لغو کام کیا (۱)

حالاں کہ ایک شرعی حکم کی طرف کسی کو توجہ دلانا اور شرعی حکم کی خلاف ورزی سے روکنا نہایت اہم چیز ہے، پھر یہ چند لمحوں کا کام ہے، جب جمعہ کے خطبہ کے دوران یہ بھی درست نہیں تو دیگر نوافل وسنن جو پہلے کام کے مقابلہ میں کم درجہ کے اور زیادہ دیر طلب ہیں، وہ کیوں کر درست رہیں گے۔

عبداللہ بن بسرؓ کہتے ہیں: ایک شخص جمعہ کے روز لوگوں کی گردن پھلانگتے ہوئے آ رہا تھا؛ حالاں کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، یہ صورتحال دیکھ کر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: بیٹھ جا، تو نے تکلیف دی اور دیر کردی (۲) یہاں اس روایت میں آپ ﷺ نے آنے والے کو تحیۃ المسجد یا سنت جمعہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ بیٹھ جانے کو کہا ہے، معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران یہ امور درست نہیں ہیں۔

صحاح میں ایک روایت اس کے برخلاف بھی ملتی ہے، حضرت سلیک غطفانیؓ ایک غریب صحابی تھے، وہ ایک دفعہ ایسے وقت مسجد میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوگئے تھے اور خطبہ کے لئے مکمل تیار تھے، وہ آکر بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے سلیکؓ! کھڑے ہوجا اور دو رکعت مختصر طریقہ پر پڑھ لے (۳)

نسائی کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نہایت خستہ حال جمعہ کے دن مسجد میں آیا آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ ﷺ نے ان صاحب سے پوچھا کیا تم نے دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لو پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کیلئے صدقہ اکھٹا کرنے کی ترغیب دی تو لوگ انہیں کپڑے دینے لگے (۴)

---

(۱) بخاری :باب الانصات یوم الجمعه : ۹۳

(۲) المستدرک مع تعلیقات الذهبی : کتاب الجمعة : ۱۰۶۱ صحیح

(۳)مسلم : باب التحیة والامام یخطب : ۲۰۶۱

(۴)نسائی مع تعلیق الالبانی : باب حث الامام علی الصدقة یوم الجمعة فی خطبته :۱۴۰۸ .حسن

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ دوران خطبہ بات چیت یا دیگر افعال کے کرنے کی گنجائش تھی، اس گنجائش کا قرینہ یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ میں نہ صرف اس خستہ حال صحابی کا دو رکعت پڑھنا مذکور ہے بلکہ لوگوں کی جانب سے ان پر صدقہ کرنا بھی مذکور ہے؛ حالانکہ دوران خطبہ اس طرح کے عمل کو کوئی جائز نہیں کہتا، معلوم ہوا کہ یہ شروع زمانہ کا واقعہ ہے، بعد میں متعدد ارشادات کے ذریعہ یہ گنجائش ختم کردی گئی۔

بعض روایات میں حضرت سلیکؓ کے واقعہ میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جتنی دیر وہ دو رکعت کی ادائیگی میں مشغول رہے، آپ ﷺ خطبہ دینے سے رکے رہے، ان کے نماز پڑھنے کے بعد ہی آپ ﷺ نے خطبہ کا آغاز فرمایا (۱) ظاہر ہے یہ ایک غیر معمولی قسم کا واقعہ ہے؛ اس لئے اس سے کسی خاص حکم کو ثابت کرنا مناسب نہیں ہے (۲)

---

(۱) اعلاء السنن: ۲/ ۸۸۔۹۱

(۲) امام مالکؒ کا بھی مسلک حنفیہ کے مطابق ہے امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک دورانِ خطبہ صرف دو رکعت تحیۃ المسجد ہلکے پھلکے طور پر پڑھنا بلا کراہیت درست ہے اور اگر جمعہ سے پہلے کی سنتیں بھی نہ پڑھی ہوں تو تحیۃ المسجد ہی کے ضمن بھی ان کی بھی نیت کرلی جائے۔ الفقه الاسلامی ۱/۲۸۷

اذان واقامت کا بیان

اذان کے لغوی معنی اعلان کرنا کے ہیں ،اور اصطلاح معنی مخصوص الفاظ کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کرنا ہے، راجح قول کے مطابق اذان کی مشروعیت ۱ھ میں ہوئی ہے۔

اذان کا آغاز

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے مروی ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کے طریقہ پر غوروفکر کیا تو بحالت نیند (خواب میں) میرے پاس میں ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لئے گھوم رہا تھا، میں نے اسے آواز دی اور کہا اے اللہ کے بندے کیا تم ناقوس بیچو گے،اس نے کہا تم اسے لے کر کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے، اس نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز کی رہنمائی نہ کروں؟ میں نے اس سے کہا: کیوں نہیں (ضرور کرو) اس پر اس نے کہا: تم یوں کہو ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' پھر اس نے اذان واقامت کے پورے کلمات بیان کیے، صبح ہوئی تو میں بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے (خواب میں) دیکھا تھا آپ ﷺ کو بتایا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے چاہا تو یہ بالکل سچا خواب ہوگا! تم بلال ؓ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو، میں انہیں وہ کلمات سنانے لگا اور وہ اذان دینے لگے۔ حضرت عمر ؓ نے اس اذان کو سنا اپنے گھر میں تو اپنی چادر گھسیٹے ہوئے پھرتی کے ساتھ نکلے اور سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساری تعریفیں اور خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں (۱)

(۱) (ابوداؤد :تحقیق الالبانی : باب کیف الاذان : ۴۹۹ صحیح)

اذان کا حکم

اس روایت سے اذان کے آغاز کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے اور نمازوں کے لئے اس کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے، البتہ سنت اذان اور دیگر سنتوں کے درمیان ایک اہم فرق ہے، اذان سنت ہونے کے علاوہ مذہب اسلام کی ایک پہچان اور کسی بستی کے مسلمان ہونے کا ایک بنیادی ذریعہ شناخت ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح تڑکے دشمن پر حملہ فرماتے تھے اور اس موقع پر اذان کی آواز پر خاص توجہ فرماتے اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ روک دیتے ورنہ حملہ آور ہو جاتے (۱) اسی بنا پر فقہاء کہتے ہیں: اگر کسی بستی والے اجتماعی طور پر اذان ترک کر بیٹھیں تو مسلمانوں کا حاکم ان سے قتال وجنگ کرے گا (۲)

اذان کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور پہلی صف میں کیا ثواب ہے اور وہ قرعہ ڈالنے کے سواء کوئی چارہ نہ پاتے تو ضرور قرعہ ڈالا کرتے (۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہو یا اپنے کھیت اور جنگل میں ہو پھر نماز کے لئے اذان کہو تو اذان دیتے وقت اپنی آواز بلند رکھو؛ اس لئے کہ جو بھی موذن کی آواز کو سنے گا چاہے وہ انسان ہو یا جن ہو یا کوئی اور مخلوق ہو وہ قیامت کے دن موذن کے حق میں گواہی دے گا (۴)

---

(۱) مسلم باب الامساک عن الاغارہ : ۸۷۳. حجة الله البالغة : ۲/۱۷

(۲) سعاية : ۲/۸

(۳) بخاری باب الاستهام فی الاذان : ۶۱۵

(۴) بخاری باب رفع الصوت بالنداء: ۶۰۹

ایک اور حدیث میں ہے، قیامت کے دن موذن حضرات سب سے اونچی گردن والے ہوں گے، یعنی نہایت سرخروی وسربلندی سے سرفراز ہوں گے(۱)

کن نمازوں کے لئے اذان واقامت مسنون ہے اور کن کے لئے نہیں

مردوں کے حق میں پانچوں فرض نمازوں اور نماز جمعہ کے لئے اذان واقامت کہنی مسنون ہے، زمانۂ رسالت سے آج تک امت کا عمل اس پر ہے، بقیہ نمازوں یعنی سنن، نوافل، وتر، عیدین، کسوف، استسقاء، جنازہ، تراویح وغیرہ کے لئے اذان واقامت نہیں ہے، اس لئے کہ ان نمازوں سے متعلق بے شمار احادیث وآثار موجود ہیں اور ان میں سے کسی میں بھی ان نمازوں کے لئے اذان واقامت کا کہنا منقول نہیں، بلکہ سنن ابوداؤد اور دیگر کتب احادیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے متعدد دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی نماز اذان واقامت کے بغیر پڑھی ہے(۲)

فرض نمازوں کے لئے اذان واقامت کی تفصیلات

ادا نمازوں کے لئے اذان واقامت کہنا

ادا نماز پڑھنے کی چار صورتیں ہوسکتی ہے، (الف) باجماعت اور مسجد میں (ب) باجماعت غیر مسجد (گھر یا بازار وغیرہ ہیں) (ج) تنہا مسجد میں (د) تنہا غیر مسجد میں۔

الف: مسجد والے حضرات اپنی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نمازوں کا اہتمام رکھیں، اگر اذان واقامت کو ترک کیا جاتا ہے تو وہ تارک سنت ٹھہریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے آج تک مسلمانوں کا اس پر عمل ہے، کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مسجد میں اذان واقامت کے بغیر ہی جماعت کر لی گئی ہو، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

---

(۱)مسلم : باب فضل الاذان : ۸۷۸

(۲)ابوداؤد مع تعلیق الالبانی : باب ترک الاذان فی العید : ۱۱۵۰ . حسن صحیح

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہدایت سے بھرپور سنتیں سکھلائی ہیں، ان میں سے ایک سنت مسجد میں نماز (باجماعت) پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہے (۱)

ب، ج، د: ان تینوں صورتوں میں اذان واقامت کا حکم اتنا تاکیدی نہیں ہے مسجدِ محلّہ کی اذان واقامت بھی کافی ہوسکتی ہے، تاہم اذان واقامت یا صرف اقامت کہہ لی جائے تو اچھا ہے؛ البتہ مسجد میں اپنی تنہاء نماز پڑھنے والا اذان واقامت کہنا چاہے تو آہستہ آواز سے اپنے آپ کہہ لے ورنہ تشویش کا ماحول پیدا ہوسکتا ہے، ذخیرہ نامی کتاب میں ہے کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہو جس میں مسجد والے جماعت کر چکے ہوں تو ایسا شخص بغیر جماعت کے تنہاء اذان واقامت کہے بغیر نماز پڑھ لے (۲)

حضرت اسودؒ وعلقمہؒ سے مروی ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر حاضر ہوئے، حضرت ابن مسعودؓ نے حاضرین سے فرمایا: کیا تمہارے ساتھیوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کھڑے ہوجاؤ اور نماز پڑھ لو، اس موقع پر ان حضرات نے اذان واقامت کے بغیر ہی نماز پڑھی (۳) حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں: ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مجھے اور اسودؒ کو اذان واقامت کے بغیر نماز پڑھائی، بسا اوقات وہ فرماتے: ہمارے لئے محلّہ کی اذان واقامت کافی ہے (۴) سفیان کہتے ہیں: ان حضرات کے لئے شہر کی اقامت کافی تھی ایک اور روایت میں خود ابن مسعودؓ کا فرمان ہے: شہر کی اقامت کافی ہوجاتی ہے (۵)

(۱) مسلم : باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدی : ۱۵۱۹)

(۲) السعایہ ۲/ ۳۴.۳۵

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ : باب من کان یقول یجزئہ ان یصلی بغیر اذان و لا اقامۃ : ۲۳۰۳ صحیح: اثار السنن ۱/ ۵۷

(۴) السنن الکبیر للبیھقی : باب الاکتفاء باذان الجماعۃ : ۱۹۸۶

(۵) مجمع الزوائد :باب فیمن صلی بغیر اذان : ۱۹۱۳ . مرسل صحیح : اعلاء السنن ۲/ ۱۳۷

اسی طرح قضاء نمازوں کی بھی یہی چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف): باجماعت اور مسجد میں (ب) باجماعت غیر مسجد میں (یعنی گھر یا کھلے میدان میں) (ج) تنہا مسجد میں (د) تنہا غیر مسجد میں

یہاں یہ بات واضح رہے کہ نمازوں کا قضاء ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے؛ اس لئے علی الاعلان اذان واقامت کہہ کر اس کو انجام دینا مناسب نہیں کیوں کہ اس راہ سے نمازوں کو قضا کرنے کی بُری مثالیں روز بروز قائم ہوتی چلی جائیں گی، ہاں اگر ایسا کوئی غیر معمولی عذر پیش آ گیا، جس کی بناء پر چار و ناچار پوری جماعت ہی کی نمازِ قضا ہو گئی تو اسے علی الاعلان ادا کرنا سنت سے ثابت ہے چاہے مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں (۱)

رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ایک دو موقع نمازوں کے قضاء ہو جانے کے بھی پیش آئے ہیں، حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے اتفاقی طور پر تمام رفقاء نماز فجر میں سو گئے پھر سورج کی گرمی کی تپش سے بیدار ہوئے اور اس مقام سے کچھ آگے بڑھے؛ یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو گیا، آپ ﷺ نے موذن کو حکم فرمایا تو اس نے اذان کہی، پھر آپ ﷺ نے فرض سے قبل دو رکعت سنت ادا فرمائی پھر موذن نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازوں سے روکے رکھا؛ یہاں تک اللہ کی مشیت کے مطابق رات کا کچھ حصہ بھی گذر گیا، پھر آپ ﷺ نے اس وقت حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، پھر آپ ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر

---

(۱) سعایہ : ۲/ ۱۰

(۲) ابوداؤد مع تعلیق الالبانی : باب فی من نام عن الصلوۃ : ۴۳۷ صحیح

اقامت کہی تو آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھائی، پھر حضرت بلالؓ نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز عشاء پڑھائی (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قضاء نمازوں کے لئے بھی اذان واقامت مسنون ہے، ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ متعدد نمازیں اگر قضاء ہوگئی ہوں تو ان میں سے پہلی قضاء نماز کے لئے اذان واقامت دونوں کہنی چاہئے اور بقیہ قضاء نمازوں میں محض اقامت پر اکتفاء کرلینا بھی درست ہے۔

قضاء نماز تنہاء پڑھی جارہی ہو تو اسے بھی ادا نماز کے طریقہ پر اذان واقامت کہہ کر پڑھنا اچھا ہے تاہم یہ خیال ضرور رہے؛ کہ اگر مسجد میں تنہا قضاء نماز پڑھنی ہو تو اذان واقامت دل ہی دل میں چپکے چپکے کہہ لے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص نماز سے سوجائے یا نماز پڑھنی بھول جائے پھر گھبرا کر نماز کی طرف کھڑا ہوجائے تو وہ اسے اسی طریقہ پر پڑھے، جیسے وہ اسے اپنے وقت میں پڑھا کرتا تھا (۲) علامہ زیلعیؒ شرح کنز میں فرماتے ہیں: ضابطہ یہ ہے کہ ہر فرض ادا ہو یا قضاء اس کے لئے اذان واقامت کہنی چاہئے خواہ تنہا پڑھے یا جماعت کے ساتھ (۳)

مسافر کے لئے اذان واقامت کا حکم

مسافر خواہ تنہا ہو یا مسافرین کی جماعت ہو، ان کے لئے اذان واقامت کہنا مسنون ومستحب ہے اور اذان واقامت ہر دو کو ترک کردینا مکروہ ہے، ہاں اذان ترک کر کے

(۱) نسائی تحقیق الالبانی : باب الاجتزاء لذلک کله باذان واحدة والاقامة لکل واحد ةمنهما : ۶۶۲ .صحیح لغیره. ترمذی : باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات : ۱۷۹ .اسناد لابأس به : نیل الاوطار :باب بیان انها الوسطی : ۱/۳۹۷

(۲)موطا امام مالک :باب النوم عن الصلوة : ۲۶

(۳)السعایه : ۲/۳۱

صرف اقامت پر اکتفاء کرنا بلا کراہت درست ہے، اس لئے کہ اذان کا مقصد اعلان اور غیر موجود لوگوں کو جمع کرنا ہے، حالت سفر میں چوں کہ تمام رفقاء حاضر ہی رہتے ہیں؛ اس لئے اذان ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)

حضرت مالک بن حویرث فرماتے ہیں: میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا ہم آپ ﷺ کے یہاں مقیم رہے، جب واپسی کا ارادہ ہوا تو نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا: جب نماز کا وقت آجائے تو اذان واقامت کہو پھر تم میں کا بڑا شخص امامت کرے۔(۲)

عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے: رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: پروردگار عالم اس چرواہے سے اظہار پسندیدگی فرماتے ہیں جو پہاڑ کی چوٹی کے آس پاس بکریاں چراتا ہے (پھر نماز کا وقت آنے پر) اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، پروردگار ارشاد فرماتے ہیں: میرے اس بندے کو دیکھو نماز کے لئے اذان واقامت کہتا ہے، وہ میرا خوف رکھتا ہے، میں نے میرے بندے کی مغفرت کردی اور اسے جنت میں داخل کیا (۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مسافر چاہے تنہاء ہو یا متعدد ہوں، ان کے لئے اذان واقامت کہنا پسندیدہ اور اچھا ہے۔

فائدہ

عورتوں پر اذان واقامت نہیں ہے، اسماء بنت بریدؓ کہتی ہیں: میں نے رسول پاک ﷺ کو فرماتے سنا: عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت ہے (۴)

(۱) سعایہ : ۲/ ۳۳

(۲) بخاری :باب من قال لیؤذن فی السفر موذن واحد: ۶۲۸. ۶۳۰

(۳) ابو داؤد تحقیق الالبانی : باب الاذان فی السفر : ۱۲۰۵

(۴) بیھقی : السنن الکبری للبیھقی وفی ذیلہ الجوھر النقی : باب لیس علی النساء اذان: ۱۹۹۷ .رفعه ضعیف . مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد . موقوف بسند صحیح : التلخیص الحبیر : باب الاذان : ۳۱۲

اذان و اقامت کے شرائط و آداب

الف: وقت کا داخل ہونا

باتفاق فقہاء وقت سے پہلے اذان دینا درست نہیں کہ یہ چیز مقصد اذان کے خلاف ہے اذان کا مقصد وقت کے آغاز کی خبر دینا ہے اور وقت سے قبل اذان دینا مغالطہ کا باعث ہے؛ اس لئے وقت سے پہلے اذان دینا منع ہے، اگر قبل از وقت اذان دے دی گئی ہے تو اعادہ ضروری ہے۔

البتہ اذان فجر کے بارے میں ائمہ ثلاثہ و امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ وہ وقت سے قبل بھی (رات کے اخیر نصف حصہ میں) درست ہے، ان بزرگان کا استدلال بعض ان روایات سے ہے، جن میں حضرت بلالؓ کا سحر کے وقت اذان فجر دینا منقول ہے، لیکن حق بات یہ ہے کہ اس اذان کا تعلق نماز فجر سے نہ تھا؛ بلکہ یہ اذان وقت تہجد و سحر کی اطلاع کے لئے ہوا کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ: بلالؓ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے؛ اس لئے کہ وہ رات کو اذان اس غرض سے دیتے ہیں کہ عبادت گذار حضرات لوٹ جائیں (یعنی کچھ دیر استراحت کرلیں تا کہ نماز فجر میں نشاط و چستی رہے) اور سونے والے حضرات بیدار ہو جائیں (اور تہجد ادا کریں یا روزہ کا ارادہ ہو تو سحری کھالیں) (۱) اذانِ مذکور فجر کے لئے نہ ہوا کرتی تھی اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس اذان کے علاوہ نماز فجر کے لئے علیحدہ طور پر اذان کہی جاتی تھی؛ بلکہ جس زمانے میں حضرت بلالؓ نماز فجر کے لئے جو اذان کہا کرتے تھے اس کے بارے میں انہیں رسالت مآب ﷺ کی جانب سے سخت تاکید تھی کہ وہ صبح صادق سے قبل اذان بالکل نہ کہیں۔

متعدد روایات میں ہے کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے یہ فرمایا تھا کہ اے بلالؓ صبح صادق سے قبل اذان نہ کہنا (۲)

(۱) بخاری باب الاذان قبل الفجر: ۶۲۱

(۲) صحیح و ضعیف ابو داؤد تحقیق الالبانی باب فی الاذان قبل دخول الوقت : ۵۳۴. حسن

ایک دفعہ حضرت بلالؓ نے غلط فہمی سے اذان فجر وقت سے پہلے ہی دے دی تھی تو آپ ﷺ نے بتا کید ان سے فرمایا کہ اسی اذان کے مقام پر جا کر اپنی غلطی کا اعلان کرو کہ بندہ نیند میں تھا۔ (جس کی وجہ سے اذان قبل از وقت کہہ دیا تھا) (۱)

ب: عربی زبان میں ہونا

الفاظ قرآنی کی طرح کلمات اذان واقامت بھی خدائی انتظام کے تحت پورے ضبط واحتیاط کے ساتھ بزبان عربی امت تک پہونچے ہیں۔ عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں فرشتے نے مکمل متوجہ کر کے کلمات اذان واقامت سنائے تھے اور عبداللہ بن زیدؓ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں بعینہ یہی کلمات دہرائے تھے، پھر آپ ﷺ کے حکم سے انہوں نے حضرت بلالؓ کے سامنے یہی کلمات سنانے شروع کئے اور حضرت بلالؓ ان کلمات کو سن سن کر اذان کہتے رہے (۲)

اس اہتمام سے معلوم ہوتا کہ اذان حقیقت میں وہی کہلاتی ہے جو مخصوص کلمات پر مشتمل ہو اگر ان کلمات میں ردو بدل کیا جاتا ہے یا ان کو فارسی یا کسی اور زبان میں ڈھالا جاتا ہے تو وہ شرعاً اذان نہیں کہی جاسکتی ہے (۳)

ج: اذان واقامت کے کلمات منقول ترتیب کے مطابق کہے جائیں، کلمات میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو دوبارہ ترتیب وار کہا جائے گا، اذان واقامت کے شروع ہونے سے آج تک ان کلمات میں ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

د: موذن مسلمان ہو، عاقل وباتمیز ہو

کافر اور بے عقل بچے کی اذان کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے کہ اذان کا مقصود وقت نماز کے شروع ہونے کی خبر دینا ہے، روایت میں ہے: اذان کے جاری ہونے سے قبل لوگ

(۱) ابوداؤد تحقیق الالبانی : باب فی الاذان قبل دخول الوقت : ۵۳۲ صحیح

(۲) ابوداؤد تحقیق الالبانی : باب کیف الاذان : ۴۹۹ صحیح

(۳) السعایہ : ۲/۱

نماز کا کوئی خاص وقت مقرر کر کے جمع ہو جایا کرتے تھے(۱) بعدازاں، اس کی جگہ اذان نے لے لی ، معلوم ہوا کہ اذان کا بنیادی مقصد اوقات نماز کے آغاز کی خبر دینا ہے، اور یہ لوگ (کافرو بےعقل بچہ) ایسے ہیں، جن کی خبر شرعاً نا قابل قبول ہے، پس ان کی اذان کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

ہ: فاسق اور دیگر غیر معتبر لوگوں کی اذان مکروہ ہے: ارشاد نبوی ہے: چاہئے کہ تمہارے بھلے لوگ تمہارے لئے اذان کہیں۔(۲) ایک اور ارشاد نبوی ہے، امام ضامن ہوتا ہے اور موذن بھروسہ مند ہوتا ہے، (کہ لوگ اوقات نماز کے معاملے میں اس پر بھروسہ کرتے ہیں)(۳)

عورت کا اذان کہنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ عورت کو اپنی آواز بلند کرنی پڑے گی جو شرعاً ممنوع وناپسندیدہ ہے، اسماء بنت بریدؓ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت (۴)

و: کلمات اذان کے حرکات وسکنات اور مدات میں بے قاعدگی کمی بیشی، اور گلوکاری کا سا طرز اختیار کرنا مکروہ ہے، حضرت ابن عمرؓ نے ایک موذن سے فرمایا تھا کہ قسم بخدا ! میں تجھ سے خدا کے واسطے بغض رکھتا ہوں؛ اس لئے کہ تو اذان میں گلوکاری کرتا ہے (۵) ہاں خالص خوش آوازی اور آواز میں عمدگی اذان اور قرأت قرآن میں مطلوب ہے۔

ز: اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر بلا عذر نکل جانا ممنوع ہے، حضرت ابو ہریرہؓ

---

(۱)بخاری:باب بدء الاذان :۶۰۴

(۲)ابوداؤد :باب من احق بالامامة:۵۹۰. سکت عنه

(۳)ترمذی باب ان الامام ضامن والموذن مؤتمن : ۲۰۷ سنده صحیح البانی

(۴)السنن الکبری للبیهقی ۱۹۹۷ تقدم تحقیقه

(۵)طبرانی کبیر : ۱۲۸۸۳. حسن : مجمع الزوائد : باب اجر المؤذن : ۱۹۰۹

ؒ کی موجودگی میں ایک شخص نے اس طرح کی حرکت کی تھی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی ہے(۱)

ح: دوران اذان گفتگو نہ کرنا

اذان کے درمیان گفتگو وکلام میں مشغول ہو جانا، اذان کے مقصد میں خلل پیدا کرتا ہے، اس لئے یہ طرز عمل درست نہیں، البتہ اگر کوئی ناگہانی صورت پیش آئی تو دوران اذان مختصراً گفتگو کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بارش والے دن اپنے موذن سے فرمایا: جب تم ''اشھد ان محمداً رسول اللہ '' کہہ چکو تو '' حی علی الفلاح'' نہ کہو بلکہ یوں کہو، لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، بعض لوگوں کو حضرت ابن عباسؓ کے اس طریقۂ عمل پر حیرت ہوئی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس طرح کا حکم مجھ سے بہترین شخصیت نے بھی دیا تھا، (میں نے دوران اذان یہ اعلان محض اس لئے کرایا کہ) مجھے یہ ناپسند معلوم ہوا کہ تم اس قدر بارش میں پانی اور کیچڑ میں چل کر آؤ۔(۲)

ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے موذن کے دوران اذان گفتگو کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا: نہ میں اس کو اس کا حکم دوں گا نہ منع کروں گا، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ: ہم تو یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ موذن اذان کے دوران گفتگو نہ کرے، لیکن وہ کچھ کلام کر لیتا ہے تو اس کی اذان میں نقص پیدا نہیں ہوگا، یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے(۳)

---

(۱)مسلم :باب النھی عن الخروج من المسجد اذا اذّن المؤذن : ۱۵۲۱

(۲)ابوداؤدتحقیق الالبانی : باب التخلف عن الجماعة فی اللیلة الباردة: ۱۰۶۸ صحیح

(۳)کتاب الآثار امام محمدالمؤذن یتکلم فی اذانه ۵۸

کلمات اذان

اذان کے کلمات کی تعداد پندرہ ہے، کیونکہ دربار رسول کے ہمہ وقتی موذن حضرت بلالؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ (جن کے خواب ہی کے ذریعہ اذان کا آغاز ہوا تھا) کی اذان کے کلمات پندرہ ہی ہیں،☆ البتہ فجر کی اذان میں " **حی علی الفلاح** " کے بعد دودفعہ " **الصلوة خیر من النوم** " کا اضافہ کرنا چاہئے (۱)

فائدہ: اذان واقامت کی تکبیرات اور بقیہ کلمات کوساکن پڑھنا چاہئے۔

روایت میں ہے کہ اذان جزم ہے اوراقامت بھی جزم ہے (۲) تکبیرات پر زبر بھی پڑھا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ زبر پڑھنے کی صورت میں اگرچہ اخیر کلمہ یعنی راء پر حقیقت میں سکون نہیں پڑھا جارہا ہے؛ مگر اس صورت میں بھی اخیر کلمہ کوسکون کے حکم میں رکھا گیا ہے۔

وہ اس طور پر کہ اللہ اکبر کی راء کوساکن مان کر ملاکر پڑھنے کی صورت میں اس پر بعد والے حرف کی حرکت (دوسرے اللہ اکبر کے ہمزہ کی حرکت) منتقل کی گئی ہے، گویا پہلے اللہ اکبر کی راء حکماً ساکن ہے (۳)

اذان کی سنتیں

(۱) موذن بلند وخوش آواز ہو، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی پہلی اذان کے لئے حضرت

☆ امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع سنت ہے ترجیع کا مطلب شہادتین کو پہلے پست آواز سے کہنا پھر بلند آواز سے دہرانا البتہ امام مالکؒ اس کے قائل ہیں کہ اذان کے شروع میں تکبیر چار دفعہ نہیں بلکہ دو ہی بار ہے اس اعتبار سے کلماتِ اذان امام مالکؒ کے نزدیک ۱۷ ہوں گے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ۱۹ ہو جائیں گے

. الفقہ الاسلامی ۱/۲۰۷ سبل السلام ۱/۱۸۵

(۱) ابو داؤد تحقیق الالبانی : باب کیف الاذن : ۵۰۰ صحیح

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ : التطریب فی الاذان : ۲۳۹۰

(۳) سعایہ : ۲/۱۴. ۱۵

بلالؓ کا انتخاب کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرمایا تھا، بلال ؓ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں (۱) حضرت ابومحذورہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوش آوازی کی بناء پر موذن مقرر فرمادیا تھا (۲)

(۲) بینا آدمی ہو، نابینا آدمی چوں کہ اوقات کے ضبط و پہچان سے معذور ہوتا ہے، اس لئے اس کو موذن بنانا مناسب نہیں، حضرت ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں: مجھے پسند نہیں کہ نابینا لوگ تمہارے موذن ہوں (۳)

البتہ نابینا آدمی اگر ایسا ہے جس کو نمازوں کے اوقات سے مطلع کرنے کے لئے افراد موجود ہوں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ موذن رسول تھے اور نابینا تھے، وہ اذان اسی وقت کہتے تھے جب لوگ انہیں آگاہ کرتے کہ وقت ہو چکا ہے (۴)

(۳) موذن باوضو و باطہارت ہو، ارشاد نبوی ہے: باوضو آدمی ہی اذان دے (۵) ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ اذان چوں کہ نماز سے متصل ہوا کرتی ہے؛ اس لئے آدمی باطہارت ہو کر ہی اذان کہے (۶)

معلوم ہوا کہ بے وضو ہونے کی حالت میں اذان کہنا مناسب نہیں، اور بے وضو اقامت کہنا تو اور زیادہ نامناسب عمل ہے اور بے غسل اذان واقامت کہنا تو سخت معیوب ہے۔ (۷)

(۴) قبلہ رخ ہو کر اذان کہی جائے، حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں فرشتے کے واسطے

---

(۱) ابوداؤد: باب کیف الاذان: ۴۹۹ حسن صحیح

(۲) نسائی تحقیق الالبانی: الاذان فی السفر: ۶۳۳ صحیح

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی اذان الاعمی: ۲۲۶۲ رجالہ ثقات: مجمع الزوائد: باب اذان الاعمی: ۱۹۰۶

(۴) بخاری: باب اذان الاعمی اذا کان لہ من یخبر ہ: ۶۱۷)

(۵) ترمذی: کراھیۃ الاذان بغیر وضوء: ۲۰۰ مرفوعاً ضعیف موقوفا صحیح البدر المنیر ۳/۳۹۱)

(۶) کنزالعمال: فی الاذان و الاقامۃ: ۲۰۹۷۶)

(۷) مراقی الفلاح: ۱/۸۴

سے جو اذان سکھلائی گئی تھی اس میں قبلہ رخ ہو کر ہی اذان کہنے کا تذکرہ ہے (١) اور یہی معمول شروع زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے۔

(۵) اذان حالت قیام میں دی جائے، رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور اذان کہو (٢) حضرت عطاء فرماتے ہیں: بے عذر بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے (٣)

(٦) دوران اذان انگلیاں کانوں میں دی جائیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو کانوں میں انگلیاں رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا یہ طریقہ بلند آوازی میں معاون ہے۔ (۴)

(۷) کلمات اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے جائیں اور ہر دو کلمات کے درمیان فصل کیا جائے،

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور اقامت کہو تو جلد جلد کہو (۵)

(٨) حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ میں چہرے کو دائیں جانب اور حی علی الفلاح، حی علی الفلاح میں چہرے کو بائیں جانب گھمایا جائے (٦)

(٩) اذان واقامت کے درمیان نماز کے وقت مستحب کی رعایت رکھتے ہوئے اتنا فاصلہ رکھا جائے کہ مصلیان مسجد اپنی ضروریات سے نمٹ کر جماعت میں حاضر ہو سکیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: اپنی اذان واقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ کھانے والا کسی

---

(١) ابو داؤد تحقیق الالبانی : باب کیف الاذان : ۵۰۷ صحیح

(٢) بخاری : باب بدء الاذان : ٦٠۴

(٣) السنن الکبری للبیهقی : باب الاذان راکباو جالسا : ١٩١٧

(۴) السنن الکبری للبیهقی باب وضع الاصبعین فی الاذنین : ١٩٣٠ صحیح : امام حاکم تغلیق التعلیق : باب هل یتتبع المؤذن فاه ها هنا ٢/٢٦٨

(۵) ترمذی : باب الترسل فی الاذان : ١٩۵ . المستدرک مع تعلیقات الذهبی : باب فضل الصلوات الخمسة : ٣٢٧ صرف ایک راوی مطعون ہے.

(٦) مسلم : باب سترة المصلی : ١١۴٧)

عجلت کے بغیر اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے اور ضرورتمند باطمینان اپنی ضرورت پوری کرلے(۱)

(۱۰) اذان پر اجرت نہ لی جائے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن العاصؓ سے فرمایا تھا: ایسے موذن کا تقرر کرو جو اذان پر اجرت نہ لیتا ہو(۲)

تاہم اگر موذن ایسا ہو کہ دیگر ذرائع سے ہونے والی آمدنی اس کے گذارہ کے لئے ناکافی ہو جس کی بنا پر وہ اذان پر اجرت لیتا ہے اور اس کا احساس یہ ہو کہ اگر اس کی آمدنی کفایت کے بقدر ہوتی تو وہ اذان پر اجرت نہ لیتا تو ایسے موذن کے بارے میں علماء کا خیال ہے کہ اس نے ایک عمل میں دو عبادتیں یکجا کرلی ہے، ایک تو اذان کی عبادت اور دوسرے اس کے ضمن میں اہل وعیال کی پرورش کی سعی ومحنت، ارشاد نبوی ہے: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے(۳)

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ جس نے اذان کہی وہی اقامت بھی کہے، زیاد بن حارث صدائیؓ کہتے ہیں: مجھے آپ ﷺ نے فجر کی اذان کہنے کا حکم فرمایا: میں نے اذان کہی، پھر بلالؓ نے اقامت کہنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان صدائی بھائی نے اذان کہی ہے اور جو اذان کہے وہی اقامت بھی بولے(۴) تاہم اذان کوئی اور کہتا ہے اور اقامت کوئی اور تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، اسلام کی اذان اول حکم نبوی ﷺ سے حضرت بلالؓ نے کہی تھی اور اقامت خود صاحب خواب عبداللہ بن زیدؓ نے کہی تھی(۵)

---

(۱) المستدرک : باب فضل الصلوات الخمسة : ۷۳۲

(۲) ابوداؤد تحقيق الالبانی :باب اخذ الاجر على التاذين : ۵۳۱ صحيح

(۳) شامی : ۲۱۲/۳

(۴) ابن ماجه تحقيق محمد فواد الباقی : باب السنة فی الاذان : ۷۱۷ صالح . سكت عليه ابوداودؒ

(۵) الدراية : ۱۱۵/۱

اذان واقامت کا جواب دینا

اذان واقامت کے کلمات سن کران کواسی طرح دہرانا مسنون ہے؛البتہ " حی علی الصلوۃ " اور" حی علی الفلاح " کے جواب میں " لا حول ولا قوۃ الا باللہ ' کہنا چاہئے،محقق ابن ہمامؒ کا رجحان اس جانب ہے کہ " حی علی الصلوۃ " " حی علی الفلاح " کے جواب میں انہی کلمات کودہرانے کے بعد " لاحول لا قوۃ الا باللہ " پڑھنا چاہئے کہ اس صورت میں دونوں طرح کی احادیث پر عمل ہوجاتا ہے،کیوں کہ بعض احایث میں یہ مضمون ہے کہ جب تم موذن کواذان کہتے ہوئے سنوتو جیسے وہ کہہ رہا ہےتم بھی اسی طرح کہو(۱)جس کا تقاضا یہ ہے کہ " حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح " کے جواب میں انہی کلمات کودہرالینا چاہئے،اس کے برخلاف حضرت عمرؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہﷺ نے" حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح " کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ " کا تذکرہ فرمایا(۲)اقامت میں " قد قامت الصلوۃ " کے جواب میں سننے والا" أَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا " کہے۔(۳)**اذان کے بعدرسول اللہﷺ پردرود پڑھے پھریہ دعاپڑھے۔**

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًاالوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوْدًاالَّذِیْ وَعَدْ تَّهٗ(۴) اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.(۵)

اے اللہ!اے اس مکمل پکاراور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمدﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطافرمااورانہیں مقام محمود عطافرما جس کا تونے ان سے وعدہ کیاہے،بےشک تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(۱)بخاری باب مایقول اذا سمع المنادی : ۶۱۱(۲)مسلم: باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۸۷۶
(۳)ابو داؤد : باب ما یقول اذا سمع الاقامۃ : ۵۲۸.سکت عنه
(۴) بخاری : باب الدعاء عند الند اء:۶۱۴(۵)السنن الکبری للبیهقی : باب مایقول اذا فرغ من ذلک : ۲۰۰۹ : تفرد بها محمد بن عوف الطائی وهو ثقة : مسند احمد تحقیق شعیب ارنؤوط : ۱۴۸۱۷

احادیث میں اس درود ودعا کا فائدہ عظیمہ یہ بتلایا گیا ہے کہ اس عمل کی برکت سے روز قیامت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔

اقامت کا بیان

اقامت کے کلمات کی تعداد سترہ ہے، حضرت ابومحذورہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ نے مجھ کو اقامت کے سترہ کلمات سکھلائے (۱) موذن رسول اللہ ﷺ حضرت بلالؓ نیز عبداللہ بن زید کی اذان واقامت دودو کلمات پر مشتمل ہوا کرتے تھے یعنی ایک ہی جیسی ہوا کرتی تھی (۲) ☆

دوران اقامت قوم کب کھڑی ہو؟

احادیث سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ قوم کو امام کی آمد سے قبل کھڑے نہیں ہونا چاہئے ، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے: جب نماز قائم کی جانے لگے تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو کھڑے مت ہو (۳)

ایک دفعہ حضرت علیؓ مسجد کی طرف نکلے، دیکھا کہ لوگ کھڑے ہو کر آپؓ کا انتظار کررہے ہیں، اس پر آپؓ نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے؟ میں تم کو حیرت زدہ کھڑے ہوئے دیکھ رہا ہوں (۴)

---

(۱) ترمذی تحقیق الالبانی : الترجیع فی الاذان : ۱۹۲ . صحیح

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ :من کا ن یشفع الاقامۃ: ۲۱۵۱ . طحاوی : باب الاقامۃ کیف ھو : ۸۲۴ صحیح : آثار السنن ۱ / ۵۲

☆ کلماتِ اقامت امام مالکؒ کے نزدیک ۱۰ ہیں، ان کے نزدیک سوائے تکبیر کے ہر کلمہ کو، اقامت میں ایک بار کہنا ہے اور امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک کلماتِ اقامت کی تعداد گیارہ ہے ان کے یہاں تکبیر کے علاوہ قدقامت الصلوۃ کے کلمات کو بھی دوبار کہنا ہے اور باقی کلمات کو ایک بار۔ الفقہ الاسلامی ۱ / ۶۹۱ وما بعدھا

(۳) بخاری : باب متی یقوم الناس : ۶۳۷

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ : باب فی القوم یقومون اذا اقیمت الصلوۃ : ۴۱۱۷

فقہاء حنفیہ نے اس بارے میں جو تفصیل لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر امام وموذن اور مصلی حضرات مسجد میں صف بندی کئے بیٹھے ہوئے ہیں تو مستحب یہ ہے کہ مکبر جب حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو امام اور قوم کھڑی ہو جائے پھر جب مکبر قد قامت الصلوۃ کہنے لگے تو امام رکعت باندھ کر نماز شروع کر دے، اس لئے کہ مکبر نماز کھڑی ہو چکنے کی خبر دے رہا ہے اور یہ خبر مکمل معنوں میں سچی اسی صورت میں کہلائے گی جب کہ امام نے واقعۃً اس بول کے ختم ہونے سے پہلے پہلے نماز شروع کر دی ہو اور اگر اقامت کے موقع پر امام موجود نہیں اور وہ مصلیوں کے پیچھے سے آرہا ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ وہ جیسے جیسے صفوں سے آگے بڑھ رہا ہے ویسے ویسے وہ صف والے کھڑے ہوتے چلے جائیں (۱)

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا

جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں عام حنفیہ کا رجحان یہ ہے کہ دل ہی دل میں جواب دیا جائے، زبان سے نہ کہے، کیوں کہ حدیث میں ہے: جب امام خطبہ کے لئے نکل جائے تو نہ کوئی نماز کی گنجائش ہے نہ کلام کی۔

تاہم اگر زبان سے جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دے دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں، حضرت معاویہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ آپؓ نے جمعہ کے روز منبر پر بیٹھ کر اذان ثانی کا جواب کہا تھا (۲) مفتی رضاء الحق صاحب فرماتے ہیں کہ: احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اذان کا جواب دینا سنت ہے اور جمعہ کی اذان ثانی بھی اذان ہونے میں برابر ہے؛ لہذا اس کا جواب دینا بھی سنت ہوگا (۳)

---

(۱) سعایہ : ۲/ ۳۶

(۲) بخاری : باب یؤذن الامام علی المنبر اذا سمع النداء: ۹۱۴

(۳) فتاوی دار العلوم زکریا ۲/ ۵۴۵

شرائط نماز سات ہیں

(۱) بدن کا پاک ہونا (۲) کپڑے کا پاک ہونا

(۳) جگہ کا پاک ہونا (۴) ستر عورت ہونا

(۵) قبلہ رخ ہونا (٦) نیت کرنا

(۷) نماز کا وقت ہونا

شرائط نماز

شرائط نماز سات ہیں: (۱) بدن کا پاک ہونا (۲) کپڑے کا پاک ہونا (۳) جگہ کا پاک ہونا (۴) ستر عورت ہونا (۵) قبلہ رخ ہونا (۶) نیت کرنا (۷) نماز کا وقت ہونا

(۱) **بدن کا پاک ہونا**، نجاست حکمی سے بدن کے پاک ہونے کا مطلب بے وضو اور جنبی نہ ہونا ہے، ارشاد ربانی ہے: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور سر پر مسح کرلو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر کے پاک ہو جاؤ۔(۱)

حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر شروع کرر ہے تھے اچانک اپنے دست مبارک سے لوگوں کو اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو (اتنا اشارہ کرکے آپ ﷺ تشریف لے گئے) پھر اس حال میں آئے کہ آپ ﷺ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اخیر میں فرمایا: میں بھی انسان ہوں، مجھے جنابت لاحق ہوگئی تھی (۲)

ارشاد نبوی ہے کہ اللہ تعالی اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جسے حدث لاحق ہوگیا ہو یہاں تک کہ وہ وضو کرلے (۳) بدن کے ایک حصہ یعنی عضو مخصوص پر مذی کے لگ جانے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے، کہ عضو مخصوص کو دھولیا جائے اور وضو کرلیا جائے (۴) مستحاضہ کے بارے میں فرمان نبوی ہے: خون کو دھولے پھر اس کے بعد نماز پڑھے۔(۵)

---

(۱) مائدہ : ۶
(۲)ابو داؤد تحقیق الالبانی : باب فی الجنب یصلی بالقوم : ۲۳۴ صحیح
(۳)مسلم باب وجوب الطهارة للصلوة : ۵۵۹
(۴)بخاری باب غسل المذی و الوضوء منه : ۲۶۹
(۵)(بخاری :باب غسل الدم : ۲۲۸)

(۲) کپڑے کا پاک ہونا اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ (۱)

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھ لوں جن سے اپنی بیوی کے پاس جاتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! مگر یہ کہ تم ان میں کوئی نجاست پاؤ تو اسے صاف کرلو (۲) خون حیض کے بارے میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: جب تم عورتوں میں سے کسی کے کپڑے کو خون حیض لگ جائے تو وہ اس کو ناخن وغیرہ کے ذریعہ صاف کرے پھر اس کو پانی کے ذریعہ دھوئے پھر اس میں نماز پڑھ لے (۳)

فقہاء نے اس شرط کے بہت سے ذیلی مسائل مستنبط کئے ہیں، ہر مسئلہ کی روح یہی ہے کہ نمازی کا کپڑا پاک رہے، اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز نہ پڑھے، یہاں بغرض وضاحت چند فروعی مسائل ذکر کئے جاتے ہیں:

الف: نمازی کے بدن کے کپڑے کا کوئی کنارہ یا اس کے عمامہ کا کوئی گوشہ نجاست وگندگی پر پڑا ہوا ہو تو حکم یہ ہے کہ اگر اس کنارہ یا گوشے کا تعلق مصلی کے بدن اور سر سے اتنا قوی ہے کہ اس کے حرکت کرنے سے وہ کنارہ وگوشہ بھی حرکت کرنے لگتا ہے تو ایسا مصلی ناپاک کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنے والا قرار پائے گا (۴)

ب: ناپاک کپڑا نمازی کے سر کے اوپر لٹکا ہوا ہے، اس طور پر کہ وہ جب کھڑا ہوتا ہے تو وہ لٹکا ہوا کپڑا اس کے کندھے پر آجاتا ہے تو ایسا آدمی ناپاک کپڑے کو اپنے کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنے والا کہلائے گا (۵)

---

(۱) مدثر : ۴
(۲) ابن ماجه تحقيق الالباني : باب الصلاة في الثوب: ۵۴۲
(۳) بخاری باب غسل الدم ۲۲۷
(۴) هنديه : ۱/ ۶۰
(۵) هنديه ۱/ ۶۳

ج: کوئی گدّا ایسا ہے جس میں ناپاک روئی بھری ہوئی ہے، البتہ اوپر کا کپڑا دونوں جانب سے پاک ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک ایسے کپڑے میں نماز درست ہے اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں درست نہیں، (۱)

(۳) **جگہ کا پاک ہونا:** کپڑوں کی طرح جگہ کا بھی نمازی سے قوی تعلق ہوتا ہے، جب کپڑوں کی پاکی کا حکم سورۃ مدثر کی آیت :۴ سے ثابت ہوا تو جگہ کی پاکی کا حکم بھی اس کے ذریعہ معلوم ہوگیا، رسول اللہ نے گوبر خانے میں، جانوروں کی ذبح گاہ اور اونٹوں کے باڑ میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۲) فقہاء کرام نے اس شرط کی روشنی میں بہت سارے مسائل اخذ کئے ہیں: جن میں سے چند یہ ہیں:

الف: کوئی شخص ایک ایسے فرش یا چادر پر نماز پڑھ رہا ہے جس کے ایک حصہ پر نجاست لگی ہوئی ہے تو حکم یہ ہے کہ اگر اس کے قدموں اور سجدوں کی جگہ پاک ہے تو نماز ہوجائے گی ورنہ نہیں (۳)

ب: کوئی شخص باریک کپڑا ناپاک زمین پر بچھا کر نماز پڑھتا ہے تو حکم یہ ہے کہ اگر وہ کپڑا استر پوشی کے لائق ہے کہ اگر اسے پہن لیا جائے تو اعضاء مستورہ نظر نہیں آئیں گے، تو ایسے کپڑے کو ناپاک زمین پر بچھا کر نماز پڑھنے والا ناپاک جگہ پر نماز پڑھنے والا نہیں کہلائے گا (۴)

ج: کوئی شخص جوتے چپل پہن کر ناپاک جگہ پر نماز پڑھتا ہے تو حکم یہ ہے کہ اگر وہ انہیں اتارے بغیر ہی ناپاک جگہ پر ٹھہر کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ وہ براہ

---

(۱) فتاوی خانیہ : ۱/۲۴

(۲) ابن ماجہ تحقیق الالبانی : باب المواضع التی تکرہ فیھا الصلاۃ : ۷۴۶. ضعیف. صحح الحدیث ابن السکن و امام الحرمین فینظر فی تصحیحھما . فتح الغفار کتاب الصلاۃ ۵/۸۴

(۳) ھندیہ : ۱/۶۲

(۴) سعایہ : ۲/۶۱

راست ناپاک جگہ پر اپنے قدموں کو رکھنے والا قرار پائے گا اور اگر وہ جوتے چپل اتار دے پھر ان پر اپنے قدموں کو رکھے تو اس کی نماز درست ہوگی اور یہ اس طرح ہے کہ جیسے کوئی پاک کپڑے کو ناپاک زمین پر بچھا کر نماز پڑھ رہا ہو(۱)

(۴) ستر عورت ہونا: نماز میں اعضاء مستورہ کا چھپانا مرد وعورت کے ذمہ فرض ہے بلا عذر برہنہ ہونے کی حالت میں نماز درست ہی نہیں ہوتی، اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتے ہیں: اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو(۲) باتفاق مفسرین یہاں زینت سے مراد کپڑے اور ستر پوشی کی غرض سے ان کا پہننا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ بالغہ عورت کی نماز ڈوپٹہ اوڑھے بغیر قبول نہیں کی جاتی (۳)

ستر پوشی کے حدود

الف: مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے، یعنی گھٹنا تو ستر میں داخل ہے ناف داخل نہیں، حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھٹنا ستر میں سے ہے(۴) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کا حصہ آدمی کے ستر میں سے ہے(۵)

حدیث اول سے معلوم ہوا کہ گھٹنا ستر کا حصہ ہے اور حدیث ثانی سے معلوم ہوا کہ ناف ستر کا حصہ نہیں۔ مرد کے لئے نماز میں اس کے علاوہ باقی حصہ بدن کا چھپانا فرض اور ضروری نہیں ہے، تاہم پیٹ اور مونڈھوں کے کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا شائستگی اور آداب نماز کے خلاف ہے اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

---

(۱) السعایہ : ۶۱/۲

(۲) اعراف : ۳۱

(۳)ترمذی باب ماجاء لاتقبل صلوۃ المرأۃ الا بخمار ۳۷۷. حسن امام ترمذی

(۴)(دارقطنی :باب حد العورۃ التی یجب سترها ۹۰۱ .ضعیف صالح للاعتضاد . اعلاء ۱۵۸/۲)

(۵) دارقطنی:باب حد العورۃ : ۸۹۹.۹۰۰ مسند احمد : مسند عبد اللہ بن عمروؓ تحقیق شعیب الارنؤوط:۶۷۵۶. حسن

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے (اس طور پر کہ) اس کے کندھے پر کپڑا کا کوئی حصہ نہ ہو(۱) ایک جگہ اور ارشاد ہے: جب کپڑا کشادہ ہو تو اسے بدن پر خوب اچھی طرح لپیٹ لو اور اگر تنگ اور چھوٹا ہو تو اس کو تہبند کے طور پر پہن لو(۲) آزاد عورت کا مکمل بدن سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے ستر میں داخل ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: عورتیں اپنی زینت نہ ظاہر کریں، مگر جو خود بخود ظاہر ہو جائے (یعنی چہرہ اور ہتھیلی) (۳) رئیس المفسرین حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: چہرہ اور ہاتھ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے وہ عورت میں داخل نہیں ہے، (۴)

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے فرمایا: اے اسماء! عورت جب بالغہ ہو جائے تو اس کے لئے زیب نہیں دیتا کہ اس (کے جسم) سے سوائے اس کے اور اس کے کوئی اور چیز نظر آئے اور آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا(۵)

راجح قول کے مطابق عورت کا قدم بھی ستر میں داخل نہیں ہے، اسلئے کہ قدم بھی چہرے اور ہتھیلیوں کی طرح چلنے پھرنے کے دوران خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں، ان کو چھپانے کا حکم مشقت کا باعث ہے اور مشقت میں ڈالنا شریعت کا مزاج نہیں، ارشاد ربانی ہے: اور اس نے تم پر دین میں کوئی مشقت اور تنگی نہیں رکھی (۶)

---

(۱) بخاری : باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه: ۳۵۹

(۲) بخاری :باب اذا کان الثوب ضیقا : ۳۶۱

(۳) سورۃ النور : ۳۱

(۴) السنن الکبری للبیهقی : باب ماتبدی المرأة من زینتها : ۱۳۹۲۱ . مصنف ابن ابی شیبه : باب فی قوله تعالی ولایبدین زینتهن : ۱۷۲۸۱ صحیح . سلسلة الاثار الصحیحه : ۴۱۷

(۵) ابوداؤد تحقیق الالبانی : باب فیما تبدی المرأة من زینتها : ۴۱۰۶. صحیح

(۶) سوره حج : ۷۸

ہاں نماز کی حالت میں قدم بھی ڈھنکے رہیں تو بہتر اور مستحب ہے، حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: کیا عورت تہبند کے بغیر محض کرتے اور ڈوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں جب کہ کرتا اتنا لمبا ہو کہ دونوں قدموں کی پشت کو ڈھانک لے (۱) (۲)

اعضاء ستر میں سے کسی عضو کا چوتھائی حصہ تین تسبیح پڑھنے کی مدت کے بقدر نماز میں کھلا رہا تو نماز درست نہیں ہوتی جیسے مرد کے عضو مخصوص کا یا کولہے کا، یا ران کا یا عورت کے پیٹ یا پیٹھ یا ہاتھ کا چوتھائی حصہ کھلا رہ گیا ہو تو نماز درست نہ ہوگی، کیوں کہ شریعت کے بہت سارے احکام میں چوتھائی حصہ کو مکمل حصہ کے قائم مقام رکھا گیا ہے مثلاً سر کے چوتھائی حصہ پر مسح کرنے والا شرعاً سر کا مسح کرنے والا کہلاتا ہے، حالت احرام میں کسی نے سر کا چوتھائی حصہ مونڈ لیا تو اس پر مکمل سر کے بال مونڈنے کا جرمانہ لازم ہوتا ہے، حالت احرام سے باہر نکلنے کے لئے مناسک حج وعمرہ کی تکمیل کے بعد کوئی شخص بجائے مکمل سر کے بال مونڈنے کے چوتھائی حصہ کے بال مونڈ لیتا ہے تو وہ شرعاً احرام سے باہر آجاتا ہے اور حلال ہوجاتا ہے، ان نظائر کی روشنی میں فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ اعضاء ستر میں سے کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہ گیا تو گویا مکمل عضو برہنہ رہ گیا اور ستر پوشی کے خدائی اور نبوی حکم پر عمل نہیں ہوسکا، پس نماز نہیں ہوگی، البتہ اگر کسی کے پاس کپڑا بالکل موجود نہیں ہے اور نہ وہ اس کی فراہمی پر قادر ہے تو ایسا شخص برہنہ ہی نماز پڑھ لے گا، ہاں بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کہ اشارہ سے نماز کی ادائیگی کرے، حضرت ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں: جو آدمی کشتی میں نماز پڑھے یا جو ننگا نماز پڑھے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے (۳)

---

(۱) المستدرک مع تعلیقات الذھبی :باب التامین : ۹۱۵. صحیح

(۲) نوٹ: عورت کے ستر کی یہ تفصیل نماز کے اعتبار سے ہے، غیر نماز میں فقہاء کرام نے زمانہ کے بگاڑ کے وجہ سے عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو بھی چھپانے کا حکم دیا ہے۔ معارف القرآن: سورۃ نور و سورہ احزاب

(۳) مصنف عبد الرزاق :باب صلاۃ العریان : ۴۵۶۵ صالح ومعتبر : اعلاء السنن ۱۶۲/۲

فائدہ: بیرون نماز جس طرح انسان کا اپنے جسم سے کوئی پردہ نہیں اسی طرح اندرون نماز بھی انسان کے بدن کا کوئی حصہ اس کے حق میں ستر نہیں، پس اگر دوران نماز نمازی کی نگاہ کرتے یا جبہ کے شگاف سے خود اپنے ستر پر پڑ جائے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ اس کا اہتمام ہو کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی صورت میں آدمی اچھی طرح گھنڈی یا کانٹا لگالے تاکہ یہ نوبت پیش نہ آئے اور نماز کا خشوع متأثر نہ ہو، حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: ہاں اس کو گھنڈی لگالو اگرچہ کانٹے کے ذریعہ کیوں نہ ہو(۱) اسی طرح ستر پوشی کے باوجود اٹھنے کے وقت یا بیٹھنے کے وقت نیچے کی جانب سے ستر کا کوئی حصہ کسی کو نظر آجائے تو اس سے بھی نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

سہل بن سعد الساعدی سے مروی ہے کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور لباس وگذارہ کی تنگی کی وجہ سے جیسے تیسے تہبند باندھ لیا کرتے تھے، (اس صورتحال کی بنا پر نماز میں شریک ہونے والی) عورتوں سے کہدیا گیا کہ اپنے سروں کو اس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک کہ مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں(۲)

اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ اور یوم آخرت پہ ایمان رکھتی ہے وہ اپنے سر کو، مردوں کے اپنے سروں کو اٹھانے تک نہ اٹھائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان عورتوں کی نظر مردوں کے اعضاء مستورہ پر پڑ جائے (۳)

ٹوپی کا مسئلہ مرد کے لئے نماز میں سر ڈھکنا اگرچہ لازم نہیں لیکن بلا کسی عذر کے محض سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا خلاف ادب اور مکروہ ہے (۴) نبی کریم ﷺ نے کبھی

---

(۱) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی باب التامین : ۹۱۳ صحیح) نوٹ: بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ بحالتِ نماز اپنا ستر دیکھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے اس سے احتیاط کی ضرورت ہے (فتاوی دارالعلوم زکریا ۲/۱۰۳)

(۲) بخاری: باب اذا کان الثوب ضیقا : ۳۶۲

(۳) ابو داؤد تحقیق الالبانی : باب رفع النساء اذا کن مع الرجال روو سھن من السجدة : ۸۵۱ صحیح

(۴) کتاب المسائل ۱/۲۵۹)

ننگے سر نماز نہیں پڑھی، عام حالات میں اور نماز کے موقع پر ٹوپی پہننا احادیث و آثارِ صحابہ اور تعاملِ سلف سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے (۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ رسول ﷺ ٹوپی پہنا کرتے تھے عمامہ کے نیچے بھی اور عمامہ کے بغیر بھی (۲) علامہ ابن قیمؒ نے نقل فرمایا کہ کبھی آپ علیہ السلام عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنا کرتے تھے (۳) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اکثر اوقات اپنے سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے (۴) حضرت ابوقرصافہؓ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے مجھے ٹوپی پہنائی اور فرمایا اسے پہنے رکھنا (۵) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ٹوپیاں پہنے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پڑھا کرتے تھے (۶) قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے (۷) علامہ زاہد الکوثری فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ سے بے عذر سر کھلا رکھنا کہیں ثابت نہیں، لہذا نماز میں سر کھلا رکھنے کو سنت قرار دے کر نبی ﷺ کی اقتدا کیسے کی جاسکتی ہے، یہ تو عیسائیوں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی عبادت میں سروں کو کھلا رکھتے ہیں (۸)

(۵) قبلہ رخ ہونا، ارشاد ربانی ہے: جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ بیت اللہ کی طرف نماز میں کرو (۹) جو شخص کعبۃ اللہ کے روبرو نماز پڑھ رہا ہے اس کے لئے کعبۃ اللہ ہی کی طرف رخ کرنا ضروری ہے

---

(۱) مجمع الزوائد ۵/ ۱۲۱۔ دار الریان

(۲) رویانی وابن عساکر بسند ضعیف بحوالہ مرقاۃ المفاتیح: کتاب اللباس، ۴۳۳۳

(۳) زاد المعاد، ۱/ ۱۳۵، فصل فی ملابسہ

(۴) شعب الایمان، فصل فی اکرام الشعر: ۶۴۶۴

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی: کتاب الجیم، باب جذرۃ بن خیشۃ

(۶) مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یسجد لا یخرج یدیہ: ۱۵۷۱

(۷) غنیۃ الطالبین ۱/ ۱۳

(۸) مقالات الکوثری ۱۷۳۔ فتاوی دار العلوم زکریا ۲/ ۱۸۷۔ ۱۸۸

(۹) البقرہ: ۱۱۵

اور جو شخص کعبۃ اللہ کا براہ راست مشاہدہ کرنے والا نہیں ہے اس کے لئے کعبۃ اللہ کی سمت کی طرف رخ کر لینا کافی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کا قبلہ کعبۃ اللہ ہے اور حدود حرم میں رہنے والوں کا قبلہ مسجد الحرام ہے اور حرم قبلہ ہے مشرق و مغرب میں بسنے والی میری امت کے تمام اہل زمین کا (۱)

قبلہ کی طرف رخ کرنے میں کوئی خطرہ و خوف ہو یا قدرت نہ ہو تو پھر جس رخ پر قدرت حاصل ہو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی جائے، اسی طرح کی مجبوری کی صورت میں یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے تو جدھر بھی چہرہ کرو وہاں اللہ ہے (۲)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے جب نماز خوف کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ اس کا طریقہ بیان کرتے پھر کہتے اگر خوف بے حد زیادہ ہو تو پیروں پر کھڑے کھڑے یا سواری کی حالت ہی میں نماز پڑھ لو، قبلہ کی طرف رخ کر کے یا کسی اور جانب رخ کر کے، نافع کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی اس کو کہا ہے۔ (۳)

قبلہ کا پتہ نہ چلے اور کوئی آدمی بھی نہ ہو جس سے قبلہ معلوم کیا جا سکے تو وہ اندازہ قائم کرے گا اور جدھر دل کا رجحان ہوا اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیگا، پھر بالفرض نماز کے بعد معلوم ہوا کہ غلط رخ پر نماز پڑھی ہے تب بھی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، نماز ہو گئی، اس لئے کہ اس کی وسعت میں جتنا تھا وہ کر گزرا ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، ہم لوگوں پر بادل چھا گئے، ہم نے قبلہ معلوم کرنے کی غرض سے اندازہ قائم کیا اور قبلہ کے سلسلہ میں ہم مختلف ہو گئے، ہم میں سے ہر آدمی نے علیحدہ رخ پر نماز پڑھی، ہر ایک نے اپنے سامنے ایک خط کھینچی تا کہ اپنی جگہیں اور سمتیں معلوم رہیں، صبح ہوئی تو ہم نے

---

(۱) السنن الکبری للبیھقی : باب من طلب باجتهاده جهة الكعبة : ۲۲۳۴ ضعیف : امام بیهقیؒ

(۲) سورة البقرة : ۱۱۵ . تفسیر طبری ۲/۵۳۰

(۳) بخاری : باب قوله فان خفتم فرجالا او رکبانا : ۴۵۳۵

ان جگہوں پر نظر کی، پتہ چلا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ رخ پر نماز پڑھی ہے، پھر ہم نے اس کا آپ ﷺ سے تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری نمازیں جائز ہوگئی ہیں (۱)

اندازہ قائم کر کے نماز پڑھنے کی صورت میں دوران نماز اندازہ بدل گیا اور کسی اور سمت پر قبلہ ہونا ظاہر ہوا تو نماز ہی میں اس سمت کی طرف اپنا رخ پھیر لیا جائے اور اسی حالت میں نماز مکمل کر لی جائے۔ صحابہ کرامؓ نے بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ بدل جانے کی صورت میں یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا (۲)

(۶) **نیت کرنا:** نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (۳) رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے آج تک تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عبادات مقصودہ میں نیت ضروری ہے۔ (۴)

مقتدی ہو تو اسے امام کی اقتداء کی نیت کرنا بھی ضروری ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے تو تم اس کے خلاف نہ کرو (۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتداء کرنی چاہیئے اور اس کی مخالفت نہ کرنی چاہیئے، اقتداء کی نیت میں یہی ہوتا ہے کہ مقتدی اپنے امام کی اتباع کا عہد کرتا ہے۔

(۷) **نماز کا وقت ہونا:** ارشاد خداوندی ہے: بے شک اللہ تعالی نے مومنوں پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی ہے، (۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے: جس طرح حج کا وقت مقرر ہے اسی طرح نمازوں کا وقت بھی مقرر ہے (۷)

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی : باب الاختلاف فی القبلة عند التحری : ۲۳۲۵. حسن : ارواء الغلیل : ۲۹۱ . ۱/۳۲۳

(۲) بخاری : باب التوجه نحو القبلة : ۳۹۹

(۳) بخاری: باب کیف کان بدء الوحی : ۱

(۴) السعایه : ۲/ ۷۰

(۵) مسلم : باب ائتمام الماموم بالامام : ۹۵۷

(۶) سورۂ نساء :۱۰۳)

(۷) تفسیر ابن کثیر سورة النساء :۱۰۳

فرائض نماز چھ ہیں

(۱) تکبیر تحریمہ کہنا (۲) قیام کرنا

(۳) قرأت کرنا (۴) رکوع کرنا

(۵) ہر رکعت میں دو سجدے کرنا (۶) قعدہ اخیرہ کرنا۔

نماز کے فرائض

فرائض نماز چھ ہیں(۱) تکبیر تحریمہ کہنا: (۲) قیام کرنا (۳) قرأت کرنا (۴) رکوع کرنا (۵) ہر رکعت میں دو سجدے کرنا (۶) قعدہ اخیرہ کرنا۔

(۱) تکبیر تحریمہ کہنا:

تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کے درج ذیل تین دلائل ہیں:

(الف) ارشاد خداوندی ہے: اور آپ اپنے پروردگار کی تکبیر کہئے (۱) اس آیت میں تکبیر کہنے کا حکم ہے اور حکم خداوندی وجوب وفرضیت کو ثابت کرتا ہے، نماز کے باہر بالاتفاق تکبیر کے واجب ہونے کا کوئی قائل نہیں، اس لئے اس تکبیر سے تکبیر تحریمہ مراد ہے(۲)

ارشاد نبوی ہے: نماز کا تحریمہ تکبیر کہنا ہے۔(۳)

(ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کہنے پر عمر تمام پابندی فرمائی ہے، کبھی کسی ایک نماز میں اس کو ترک نہیں فرمایا، ایسی پابندی اہل اصول کے نزدیک فرضیت اور وجوب کو ثابت کرتی ہے۔

(ج) تکبیر تحریمہ کے ضروری ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہے بغیر نماز میں داخل ہونا ممکن نہیں اور یہ درجہ فرض کا ہے۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک اللہ اکبر کے علاوہ ہر ایسے ذکر سے جو تعظیم خداوندی پر دلالت کرتا ہے، نماز کا آغاز کرنا درست ہے گو کراہت سے خالی نہیں۔

---

(۱) مدثر : ۳
(۲) السعایه ۱۰۵/۲
(۳) ترمذی تحقیق الالبانی : باب ما جاء أن مفتاح الصلاة الطهور : ۳ – حسن صحیح

دلیل: ارشاد ربانی: اوراس نے اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی (۱) اس آیت میں ذکر اسم خداوندی سے مراد، نماز میں داخل ہونے سے قبل اللہ کا نام لینا ہے، پس جیسے لفظ اللہ اکبر کہنے والے کو اللہ کا نام لینے والا کہا جاتا ہے، اللہ اجل یا اللہ اعظم جیسے تعظیمی اسماء کہنے والے کو بھی اللہ کا نام لینے والا کہا جاتا ہے؛ لہٰذا ان جیسے الفاظ سے بھی تکبیر تحریمہ معتبر ہو جائے گا۔

حضرت ابوالعالیہؒ سے پوچھا گیا کہ سابقہ انبیاء اپنی نمازوں کا آغاز کن کلمات سے کیا کرتے تھے تو جواب دیا کہ توحید، تسبیح وتہلیل کے ذریعہ۔ (۲)

امام شعبیؒ سے منقول ہے اللہ کے جس نام کے ذریعہ بھی تو نماز کو شروع کردے تیرے لئے کافی ہے۔ (۳) ☆

(۲) قیام کرنا

نماز میں قیام کے فرض ہونے پر اجماع امت ہے۔

ارشاد ربانی ہے: اور تم اللہ کے لئے خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے رہو (۴) اس آیت میں قیام کا حکم ہے اور حکم خداوندی وجوب وفرضیت کو ثابت کرتا ہے، نماز کے باہر کسی موقع پر قیام فرض نہیں، معلوم ہوا کہ یہ حکم نماز ہی میں قیام کے واجب ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔

(۱) سورة الاعلی : ۷۵

(۲) مصنف ابن ابی شیبه : باب ما یجزئ من افتتاح الصلاة : ۲۴۷۸- سکت علیه المحقق محمد عوامه

(۳) مصنف ابن ابی شیبه : باب ما یجزئ من افتتاح الصلاة : ۲۴۷۹- سکت علیه المحقق محمد عوامه

☆ امام مالکؒ وامام احمدؒ کے نزدیک اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور ذکر کے ذریعہ نماز منعقد نہیں ہوتی اور امام شافعیؒ کے نزدیک اللہ اکبر کے علاوہ ''اللہ الاکبر'' ''اللہ الجلیل الاکبر'' کے ذریعہ بھی نماز کا آغاز کیا جاسکتا ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ''اللہ الاکبر'' اور ''اللہ الکبیر'' کے ذریعہ بھی نماز کو شروع کیا جاسکتا ہے۔ (المغنی : ۲/۳۰۸، الفقه علی المذاهب الاربعة : ۱/۳۳۲، الفقه الاسلامی وادلته : ۲/۱۰، بدائع الصنائع : ۲/۲۲ ، کتاب میں مذکور مسلک امام ابوحنیفہ وامام محمدؒ کا ہے۔

(۴) سورة البقرة : ۲۳۸

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا، میں نے نبی ﷺ سے نماز کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، کھڑے ہو کر نماز ادا کرو، اگر کھڑے نہ ہو سکتے ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ نہ سکتے ہو تو لیٹ کر پہلو پر نماز پڑھو۔(۱)☆

(۳) قرأت کرنا

ارشاد ربانی ہے: ﴿فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ''اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے''(۲) یہاں اصولی اعتبار سے لفظ ''مَـا'' عام ہے، جو ہر آسان حصۂ قرآن کو اپنے عموم کے تحت شامل کر رہا ہے چاہے وہ سورۃ فاتحہ ہو یا کوئی اور حصۂ قرآن ہو؛ لہٰذا اس قرآنی حکم کی رو سے نماز میں مطلق قرأت کرنا (مکمل قرآن میں سے جہاں سے آسان معلوم ہو) فرض قرار پایا۔

ایک صحابیؓ کو نماز سکھلاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جائے تو تکبیر کہو پھر قرآن میں سے جو بآسانی تمہارے ساتھ ہو (تمہیں یاد ہو) وہ پڑھ لو پھر رکوع کرو۔(۳)

اس حدیث میں قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی تعلیم کے موقع پر بجائے سورۃ فاتحہ یا کوئی اور خاص سورت پڑھنے کا حکم دینے کے، قرأت کے معاملہ کو مصلی کی سہولت وصوابدید پر چھوڑ دیا اور مصلی کو جو آسانی لگے وہ پڑھنے کا حکم دیا، اس طرز تلقین وتعلیم سے پتہ چلتا ہے کہ اصل فرض یہی ہے، باقی سورۃ فاتحہ کو پڑھنا فرض نہیں؛ بلکہ اس کا درجہ فرض سے کم تر ہے۔

---

(۱) بخاری : باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب : ۱۱۱۷

(۲) المزمل : ۲۰

(۳) بخاری : باب وجوب القراءة للإمام : ۷۵۷

☆ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اور سورۃ فاتحہ کے پڑھنے تک ہی قیام فرض ہے اور اس سے زیادہ مقدار مسنون ہے۔ (موسوعة فقهيه: ۱۰۷/۳۴)

نماز میں مطلق قرأت کے فرض ہونے کے مضمون کو ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے قرأت کئے بغیر نماز نہیں ہوتی۔(۱) ☆

فائدہ: جس شخص کو کچھ قرآن یاد نہیں اور نہ وہ فی الحال کوئی آیت یاد کرنے پر قادر ہے جیسے کافر تھا ابھی ابھی مسلمان ہوا ہے یا نابالغ تھا اور ابھی ابھی بالغ ہوا ہے اور ادھر نماز کا وقت ختم ہونے جارہا ہے تو ایسا آدمی قرأت کے بجائے تسبیح اور تحمید وغیرہ پر اکتفاء کرسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں قرآن کے کسی حصہ کو بھی یاد رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا؛ اس لئے آپ ﷺ مجھے کوئی متبادل چیز سکھلا یئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سبحان الله والحمد لله ولااله الّا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم کہہ لیا کرو" (۲)

(۴) رکوع کرنا:

رکوع کے فرض ہونے پر اجماع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! رکوع کرو۔(۳)

رکوع کے لغوی معنی محض جھکنے کے ہیں، شرعاً کسی قدر سر اور پشت جھکانے کا نام رکوع ہے، ارشاد ربانی ہے: "اور رکوع کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ" (۴)، نیز ارشاد ہے: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے" (۵) پس رکوع کا فرض تو محض قیام سے کسی قدر جھکنے کے ذریعہ ادا ہو جاتا ہے؛ البتہ جھکانے کا کمال یہ ہے کہ ہاتھ

(۱) مسلم شريف :باب وجوب قراءة الفاتحة : ۹۰۸
(۲) أبوداؤد : تحقيق الالبانى : باب ما يجزئ الأمي : ۸۳۲ – حسن
(۳) الحج : ۷۷
(۴) البقرة : ۴۳
(۵) المرسلت : ۴۸

☆ یہی امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے اور بعض اہل علم کا مسلک بھی یہی ہے۔(المغنی : ۳۳۶/۲، نووی شرح مسلم : ۱۲۸/۲)

گھٹنوں تک پہنچ جائیں، اور کامل رکوع کی کیفیت یہ ہے کہ سر، پشت اور سرین ایک سیدھ میں ہوں، پنڈلیاں اور ران سیدھے ہوں، کہنیاں، پہلوؤں سے علیحدہ ہوں، ہتھلیاں، گھٹنوں کو مظبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں اور انگلیاں کھلی ہوئی ہوں۔(۱)

(۵) ہر رکعت میں دو سجدے کرنا:

ہر کعت میں دو سجدے کرنا بالا جماع فرض ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو'' (۲)

سجدہ کے لغوی معنی: عاجزی وانکساری کی آخری حد اختیار کرنا۔

سجدہ کے شرعی معنی: ماتھے کو زمین پر ٹیک دینا۔

سجدہ کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں زمین سے لگ جائیں۔

نبی ﷺ کا سجدہ اسی انداز کا ہوا کرتا تھا، روایت ہے کہ: جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو اپنی ناک اور پیشانی زمین سے لگا دیتے۔(۳)

سجدہ کا یہ طریقہ کہ صرف پیشانی زمین سے لگائی جائے ناک نہ لگائی جائے، جائز تو ہے مگر پسندیدہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پیر (۴) اس سے معلوم ہوا کہ ناک لگائے بغیر صرف پیشانی پر سجدہ کرنے سے بھی سجدہ ادا ہو جاتا ہے؛ البتہ بے عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان کی کسی خاتون کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہی ہیں (مگر سجدہ میں) اپنی ناک زمین پر نہیں رکھتی ہیں،

(۱) السعایہ: ۲/۱۱۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۲/ ۸۴۱

(۲) سورۃ الحج: ۷۷

(۳) ترمذی: باب السجود علی الجبھۃ والأنف: ۲۷۰ – حسن صحیح امام ترمذی

(۴) بخاری: باب السجود علی سبعۃ أعظم: ۸۰۹

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کی بندی! اپنی ناک زمین پر رکھ؛ اس لئے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جو اپنی پیشانی کے ساتھ اپنی ناک کو زمین پر نہیں رکھتا (۱)

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو سجدہ میں اپنی ناک بھی لگا دو اور اگر نہ چاہو تو نہ لگاؤ، حضرت عامرؒ سے اس شخص کے بارے میں جو سجدہ میں ناک نہیں لگاتا، یہ منقول ہے کہ اس کا سجدہ درست ہو جاتا ہے۔(۲)

بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا نہیں ہوتا، احادیث سے پیشانی اور ناک پر یا صرف پیشانی پر سجدہ کا جواز تو معلوم ہوتا ہے، مگر صرف ناک پر اکتفاء کرنے کا کہیں ذکر نہیں ملتا، تاہم چوں کہ ناک بھی چہرہ ہی کا ایک حصہ ہے اور بعض احادیث میں چہرہ کو اعضاءِ سجدہ سے شمار کیا گیا۔(۳) اس لئے بوقت مجبوری سجدہ کی یہ شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔

حضرت محمد بن سرینؒ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو ناک پر سجدہ کرتا ہے؟ ابن سرینؒ نے جواب دیا: کیا تم قرآن میں یہ آیت پڑھتے نہیں کہ وہ سجدہ میں تھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (بنی اسرائیل:۱۰۹)۔(۴)

حضرت طاؤسؒ سے ناک پر سجدہ کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: کیا وہ چہرہ کا معزز ترین جزو نہیں ہے؟(۵)

احادیث کی رو سے سجدہ میں دو قدموں، دو گھٹنوں اور دونوں ہتھیلیوں کو بھی زمین سے لگا دینا کامل طور پر سجدہ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے؛ البتہ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے مقابلہ میں قدموں کا بحالت سجدہ زمین سے لگائے رکھنا زیادہ ضروری ہے کہ اس کے بغیر سجدہ

(۱)سننِ دار قطنی :باب وجوب وضع الجبهة والأنف : ۱۳۳۳ ، ضعیف : امام دار قطنی ، مصنف عبد الرزاق : باب سجود الأنف : ۲۹۸۱ – صحیح
(۲)مصنف ابن أبي شيبة : من رخص في ترک السجود على الأنف : ۲۷۱۳ – ۲۷۱۵ ، سکت علیه المحقق محمد عوامه .
(۳)نسائی تحقیقی الالبانی : باب علی کم السجود : ۱۰۹۴ – صحیح
(۴)تهذیب الآثار للطبری : ۲۲۴۲
(۵)مصنف ابن أبي شيبة : فی السجود على الجبهة والأنف : ۲۷۰۷ – سکت علیه المحقق محمد عوامه

نہیں کہلاتا، کھیل تماشہ اور کرتب بن جاتا ہے؛ حالاں کہ حکم سجدہ کرنے کا ہے۔(۱)☆

(۶)قعدہ اخیرہ کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر رسول اللہ نے تشہد سکھلانے کے بعد ارشاد فرمایا: جب تم یہ کہہ لو یا اس کو (قعدہ کو) پورا کرلو تو تم نے اپنی نماز پوری کرلی، اب اگر کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہوجاؤ اور اگر یوں ہی بیٹھے رہنا چاہو تو بیٹھے رہو۔(۲)

واضح ہو کہ تشہد کا پڑھنا بالاجماع قعدہ ہی میں مشروع ہے، قعدہ کے علاوہ نماز کے اندر کوئی اور جگہ تشہد پڑھنے کا محل نہیں؟ اس لئے حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم نے قعدہ میں تشہد بھی پڑھ لیا یا صرف قعدہ ہی کیا تو دونوں صورتوں میں تمہاری نماز ہوگئی، اس لحاظ سے قعدہ اخیرہ کا اصل ہونا اور نماز کی تکمیل کا اس پر موقوف ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کے ایک اثر سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں : جب آدمی تشہد کے بقدر بیٹھ جائے پھر وضو توڑ دے تو اس کی نماز ہوگئی۔(۳) پس اس مرفوع اور موقوف روایت کو ارشاد خداوندی: '' اقیموا الصلوۃ ''(۴) تم نماز قائم کرو' کے اجمال کی تشریح مان کر قعدہ اخیرہ کو فرض قرار دیا جائے گا۔☆

---

(۱) السعایہ : ۲/ ۱۱۷ – ۱۲۰

☆ سجدہ میں ناک، دونوں قدم، دونوں گھٹنوں اور دونوں ہتھیلیوں کا رکھنا امام مالکؒ کے نزدیک سنت ہے، امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک واجب اور رکن ہے (، موسوعة فقهية : ۲۷/ ۶۶ . ۶۹)

(۲)ابوداؤد : باب التشهد : ۹۷۲ ، مسند أحمد : مسند عبد الله بن مسعود : تحقيق شعيب الارنؤوط : ۴۰۰۶ – اسناده صحيح رجاله ثقات رجال الصحيح

(۳)السنن الكبرى للبيهقي : باب فرض التشهد : ۲۹۳۸ – صالح معتبر : مرقاة المفاتيح : باب التشهد : ۲/ ۵۷۷

(۴)البقرة : ۴۳

☆امام مالکؒ کے نزدیک صرف ایک جانب سلام پھیرنے کے لئے بیٹھنا فرض ہے اس سے زیادہ بیٹھنا سنت ہے اور امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا اور کم از کم '' اللهم صل على محمد '' پڑھنا اور اتنی دیر بیٹھنا رکن ہے۔

(الفقه الاسلامي وادلته : ۲/ ۸۵۰ ، الموسوعة : ۲۷/ ۶۹ . ۷۰)

واجبات نماز چھ ہیں

(۱) سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورۃ کا پڑھنا (۲) جہری اور سرّی قرأت کرنا

(۳) تعدیل ارکان کرنا (۴) قعدہ اولی میں بیٹھنا

(۵) دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا (٦) ارکان کو ترتیب سے ادا کرنا

واجبات نماز

صاحبِ بدائع ملک العلماء علامہ کاسانی (المتوفی ۵۸۷ھ) کے بقول نماز کے اصل واجبات کُل چھ ہیں

(۱) سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورہ (۲) جہری نمازوں میں جہر اور سرّی نمازوں میں سر (۳) تعدیلِ ارکان (۴) قعدہ اولی (۵) تشہد (۶) ترتیب افعال (۱)

تاہم متعلقات اور جزوی صورتوں کے اعتبار سے یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے، بعض فقہاء نے لاکھوں لاکھ امکانی صورتوں کی طرف اشارہ کیا ہے؛ مگر ان میں سر کھپانا ضیاعِ وقت ہے، **قال الشامی بحثاً: اکثرھا صور عقلیة کما یظھر ذلک لمن اراد ضیاع وقته (۲)**

(۱) سورۃ فاتحہ اور ضمِ سورۃ کا پڑھنا

سورۂ فاتحہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ نماز ناقص ہے (۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ کی قرأت نہیں کی تو وہ ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے۔ (۴)

یہاں ان دو روایات میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے پر نماز کو باطل وفاسد نہیں قرار دیا گیا، معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کی قرأت کا درجہ فرضیت ورکنیت سے کم کا ہے اور وہ درجہ وجوب کا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۱/۳۹۴-۴۰۰

(۲) شامی زکریا ۲/۱۶۹-بحوالہ کتاب المسائل ۱/۲۹۵

(۳) ابن ماجه تحقیق الالبانی: باب القرأة خلف الامام : ۸۴۰. حسن صحیح

(۴) مسلم : باب وجوب القرأة فی کل رکعة :۹۰۷

سورہ فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ اس سے کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کہ کتاب اللہ میں مطلق قرأت کو فرض بتلایا گیا ہے، سورۃ فاتحہ کی تخصیص نہیں کی گئی ہے، اب اگر ان احادیث سے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض ثابت کیا جاتا ہے تو قرآنی حکم نظر انداز ہو جاتا ہے، اس لئے سورۃ فاتحہ کو فرض تو نہیں واجب کہا جائے گا اور مطلق قرأت فرض رہے گی۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں یہ مضمون بیان ہوا کہ ہے: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حنفیہ اوپر بیان ہوئی تفصیل کی روشنی میں کہتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں نماز کے نہ ہونے سے مراد کامل طریقہ پر نماز کا نہ ہونا ہے یہ مطلب نہیں کہ بالکل ہی نماز نہیں ہوتی، جیسے یہی مفہوم تمام حضرات ائمہ ان درج ذیل احادیث کا لیتے ہیں: مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز نہیں ہوتی، مگر مسجد ہی میں، اس شخص کا وضو نہیں ہوتا جس نے (وضو کے شروع میں) اللہ کا نام نہ لیا ہو، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ کے ذریعہ مدینہ منورہ میں یہ منادی کروائی کہ قرآن کے بغیر نماز نہیں ہوتی، (یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا ضروری ہے) خواہ سورۂ فاتحہ اور کچھ زائد ہی ہو۔(۱)

حدیث مذکور کا طرزِ بیان، اس جانب مشیر ہے کہ نماز میں اصل مطلوب تو قرآن کا پڑھنا ہی ہے، باقی سورۂ فاتحہ اور مزید کچھ آیات (ضم سورہ) کا پڑھنا اصل حکم پر عمل کرنے کی ایک شکل ہے، خود اصل حکم نہیں، یہی وجہ ہے کہ ضم سورہ کے پڑھنے کو کوئی بھی

(۱)　أبوداؤد: باب من ترک القراءة في صلاته: ۸۱۹ – حسن: فتح الملهم: ۲/۲۰

فرض اور رکنِ اصلی کا درجہ نہیں دیتا، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا بھی یہ درجہ نہ ہو؛ کیوں کہ سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ دونوں ایک ہی سلسلۂ کلام میں واقع ہوئے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ نہ ہی سورۂ فاتحہ اصل رکن ہے اور نہ ہی ضم سورہ؛ بلکہ رکنِ اصلی اور فرضِ حقیقی کہیں سے بھی قرآن کی چند آیات پڑھ لینا ہے۔(۱) ☆

ضمِ سورۃ: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی (کامل طریقہ پر) جس نے سورہ فاتحہ اور (اس کے ساتھ) کوئی سورۃ نہ پڑھی ہو۔(۲) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے: ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم سورۃ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو (وہ بھی پڑھیں)۔(۳)

نوٹ: فرض نمازوں کی صرف پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ کرنا واجب ہے، باقی رکعتوں میں نہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہ ضم سورۃ کرنا' فرض نمازوں کے علاوہ باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کا پڑھنا واجب ہے۔

حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھا کرتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ان دونوں حضرات نے ارشاد فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرو اور بعد کی دو رکعتوں میں تسبیح پڑھ لیا کرو۔(۵) ☆

---

(۱) فتح الملهم : باب وجوب قراءة الفاتحة : ۲/۲۰
☆ یہی امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے اور بعض اہل علم کا مسلک بھی یہی ہے۔(المغنی : ۲/۳۳۶، نووی شرح مسلم : ۲/۱۲۸)
(۲) أبو داؤد : تحقيق الالبانی : باب من ترک القراءة في صلاته : ۸۲۰ – صحيح
(۳) أبو داؤد : تحقيق الالبانی : ۸۱۸ – صحيح
(۴) بخاری : باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب : ۷۷۶
(۵) مصنف ابن أبي شيبة : من كان يقول : سبح في الأخريين ولا تقرأ : ۳۷۶۳ – ۳۷۶۴ – سكت عليه المحقق محمد عوامه، مصنف عبد الرزاق : باب كيف القراءة في الصلاة : ۲۶۵۶ – صحيح، إعلاء السنن : ۳/۱۳۴
☆ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورۃ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کا پڑھنا مسنون ہے: الفقہ الاسلامی: ۲/۸۸۲

فائدہ (۱) قرأت کے لئے فرض کی پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا واجب ہے حضرت علیؓ سے منقول ہے: (فرض کی) پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا (گویا) بعد کی دو رکعتوں میں قرأت کرنا ہے (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے فتوی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرأت کے لحاظ سے بعد کی دو رکعتیں اصیل نہیں؛ چنانچہ ان حضرات نے بعد کی دو رکعتوں میں مصلی کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو قرأت کرے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھ لے۔ (۲) ☆

فائدہ (۲) نمازِ وتر میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے

رسول اللہ ﷺ نے نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کے عمل پر خاص پابندی فرمائی ہے، متعدد روایات میں نبی ﷺ کے اس معمول کا ثبوت ملتا ہے۔ (۳)

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ دعائے قنوت کے بغیر نماز وتر نہیں ہوتی، (۴) انہی کا ایک اور ارشاد ہے کہ رکوع سے قبل دعائے قنوت کا پڑھنا نماز وتر میں رمضان اور غیر رمضان میں واجب ہے۔ (۵) نماز کے باقی اذکار مثلاً: تعوذ و ثنا کے مقابلے میں دعائے قنوت کو نماز سے خاص ربط و تعلق ہے یہی وجہ ہے کہ دعائے قنوت کو مکمل نماز وتر کی طرف منسوب کر کے کہا جاتا ہے: ''قنوت وتر'' اس تعلقِ خاص کا تقاضا یہ ہے کہ دعائے قنوت کا

---

(۱) تبيين الحقائق : ۱/۱۰۵
(۲) مصنف ابن أبي شيبه : ۳۷۶۳، تقدم تحقيقه قريباً
☆ امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک فرض کی اخیر دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ واجب نہیں جمہور علماء وائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (شرح مسلم للنووی : ۲/ ۱۲۸، التمهيد الابن عبد البر : ۲۰ / ۱۹۳. ۱۹۴) (الفقه على المذاهب الاربعة : ۱/۳۴۵)
(۳) ان روایات کی تفصیل اور ان کا درجۂ صحت معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو : (فتح القدير : ۱/۳۷۴. ۳۷۵)
(۴) مصنف ابن أبي شيبة : باب من قال لا وتر إلا بقنوت : ۷۰۳۳ – صحيح : الأحاديث والآثار الواردة فى قنوت الوتر : ۱/۳۷
(۵) كتاب الآثار لامام محمد: باب القنوت في الصلاة : ۲۱۰ – صحيح : آثار السنن : ۲/۱۷

درجہ اور اذکارِ نماز کے مقابلہ میں کچھ بڑھا ہوا ہو پس تعوذ وثناء کا درجہ نماز میں سنت ہونے کا ہے تو دعائے قنوت کا درجہ وجوب کا ہوگا۔(۱)☆

(۲) جہری اور سری قرأت کرنا

جہری نمازوں میں جہری اور سری نمازوں میں سری قرأت کرنا واجب ہے، زمانۂ رسالت سے آج تک اسی طریقہ پر پوری امت کا عمل چلا آرہا ہے، گویا یہ چیز اجماعِ امت سے ثابت ہے، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: یہ چیز ایسی ہے جس میں کسی متعین نص کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۲)

علامہ اکمل الدین بابرتیؒ تائید میں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر نماز میں قرأت کرنی ہے، تو جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سنایا ہے، ہم نے بھی تم کو سنایا اور جہاں آپ ﷺ نے ہم سے چھپایا ہم نے بھی تم سے چھپایا(۳)☆

(۳) تعدیلِ ارکان کرنا

رکوع اور سجدہ کو اطمینان سے ادا کرنا بھی واجب ہے، ارشاد خداوندی ہے: اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو۔(۴)

---

(۱) تبیین الحقائق : ۱/۱۰۶

☆ فجر کی نماز کے قومہ میں اور ماہ رمضان کے نصف اخیر میں وتر کی نماز میں قنوت پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی سنت ہے جس کے ترک سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور سال کے باقی ایام میں نماز وتر کے اندر قنوت پڑھنا صرف جائز ہے (الفقه علی المذاهب الاربعة : ۱/۳۶۶ ، الموسوعة: ۳۴/ ۶۴) امام مالکؒ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت پڑھنا مستحب ہے اور وتر میں قنوت پڑھنا مشروع نہیں ہے (الموسوعة : ۳۴/ ۵۸. ۶۴) امام احمدؒ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت مشروع نہیں اور نماز وتر میں مسنون ہے۔(الموسوعة: ۳۴/۵۸. ۶۴)

(۲) فتح القدیر : ۱/ ۲۸۳

(۳) بخاری : باب القراءة في الفجر : ۷۷۲۔ عنایه : ۱/۲۸۳

☆ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ سنت ہے، اس کی خلاف ورزی کرنے سے سجدہ سہو بھی لازم نہیں ہوتا، البتہ امام مالکؒ سے سجدہ سہو لازم ہونا منقول ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱/۳۶۵

(۴) الحج : ۷۷

رکوع کے معنی ہیں: جھکنا اور سجدہ کے معنی ہیں: پست ہونا یا ماتھے کو زمین پر ٹیک دینا، حکم خداوندی اسی قدر ہے؛ اس لئے محض جھکنے اور ماتھا زمین پر ٹیک دینے سے حکم خداوندی پر عمل ہوجائے گا اور فرض کی ادائیگی ہوجائے گی؛ البتہ رکوع اور سجدہ میں کم از کم ایک تسبیح کے بقدر رکے رہنا واجب اور ضروری ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، کچھ دیر بعد ایک اور صاحب داخل ہوئے اور جلد جلد نماز پڑھ لی، پھر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب دیا اور فرمایا: جاؤ جاؤ پھر نماز پڑھو؛ کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ صاحب واپس اپنی جگہ پر آئے اور پہلے جیسی نماز پڑھے تھے ویسی ہی نماز پڑھی پھر نماز ختم کر کے آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جاؤ پھر نماز پڑھو کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، تین دفعہ یہی صورت پیش آتی رہی، بالآخران صاحب نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، براہ کرم آپ ﷺ مجھ کو (نماز کے درست و مکمل طریقہ کی) تعلیم کیجئے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان لگے وہ پڑھ لو پھر رکوع کرو یہاں تک کہ خوب اطمینان سے رکوع کرو پھر رکوع سے اٹھ جاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہوجاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ میں خوب اطمینان کرلو پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور اپنی پوری نماز میں یہی کیفیت برقرار رکھو۔(۱)

طحاوی اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ: آپ ﷺ نے اخیر میں یوں فرمایا: تم جب اس طریقہ کے مطابق نماز پڑھ لو تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی اور اگر تم

(۱) بخاری : باب أمر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا يتم ركوعه بالإعادة : ۷۹۳

نے کچھ کمی کی تو تم نے وہ کمی اپنی نماز سے کر لی۔(۱)☆

فائدہ: قومہ اور جلسہ کرنا واجب ہے

رکوع سے اٹھنے کے بعد سیدھے کھڑے ہونا اور سجدہ سے اٹھنے کے بعد سیدھے بیٹھ جانا بھی واجب ہے۔(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے راویت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی اس آدمی کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع اور سجدے کے درمیان اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔(۳)

قومہ اور جلسہ پر نبی ﷺ نے مکمل پابندی فرمائی ہے۔(۴)☆

(۴) قعدہ اولی میں بیٹھنا (۵) دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ (قعدہ میں) التحیات پڑھو ۔(۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے ایک اور روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھا، تشہد ایسے سکھلایا جیسے آپ ﷺ مجھے

(۱) ابو داؤد: تحقیق الالباني: باب صلاة من لا يقيم صلبه: ۸۵۶ – صحيح – ☆اس راویت کی بنا پر دو وجہوں کے پیش نظر تعدیل ارکان کو فرض نہیں قرار دیا جا سکتا: (الف): یہ خبر واحد ہے اگر اس سے تعدیل ارکان کو فرض قرار دیا جاتا ہے تو کتاب اللہ کے حکم کو نظر انداز کرنا لازم آتا ہے جو مناسب اور درست بات نہیں، مناسب طریقہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کے حکم کی رو سے مطلق رکوع اور سجدہ کو فرض رکھا جائے اور تعدیل ارکان کو واجب! (ب): خود روایت کا اخیر حصہ یہ بتلاتا ہے کہ تعدیل ارکان کا درجہ فرض اور رکن کا نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس حصہ میں یہ فرمایا کہ اگر تم نے کچھ کمی کی تو تم نے وہ کمی اپنی نماز سے کی، یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تعدیل ارکان میں کمی کوتاہی کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کو بھی نماز کا نام دیا ہے، اگر تعدیل ارکان کا درجہ فرضیت کا ہوتا تو ایسے عمل پر سرے سے نماز کا لفظ ہی بولا نہ جاتا۔(فتح القدیر:۱/ ۲۶۲)

(۲) طحطاوی علی المراقي، ص: ۲۴۹

(۳) مسند احمد: تحقيق شعيب الأرنؤوط: ۱۰۸۱۲ – حسن

(۴) فتح القدير: ۱/ ۲۶۲

☆ائمہ ثلاثہ وامام ابو یوسف کے نزدیک تعدیل ارکان او رقومہ وجلسہ کرنا فرض ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱/۳۵۲_۳۵۹

(۵) بخاری: باب التشهد في الآخرة: ۸۳۱

قرآن کی کوئی سورت سکھلا رہے ہوں، پس فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھ جائے تو چاہیے کہ کہے التحیات للہ الخ۔(۱)

ان دو روایتوں میں نبی ﷺ نے حکم کے طور پر تشہد پڑھنے کو فرمایا اور نبی ﷺ جس چیز کا حکم فرمادیں اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے؛ اس لئے تشہد کا پڑھنا واجب اور ضروری ہے۔تشہد کے واجب ہونے کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ: تم لوگ تشہد کو سیکھو کیوں کہ تشہد کے بغیر نماز (مکمل) نہیں ہوتی،(۲) پھر تشہد پڑھنے کی جگہ چوں کہ قعدہ ہی ہے اس لئے تشہد پڑھنے کی خاطر قعدہ اولی میں بیٹھنا بھی واجب ٹھہرا۔☆

فائدہ(۱) قعدہ اخیرہ میں بھی تشہد پڑھنا واجب ہے، وہ روایات جن میں تشہد پڑھنے کا حکم موجود ہے ان میں قعدہ اولی اور قعدہ اخیرہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا؛ اس لئے ہر دو قعدوں میں تشہد کا پڑھنا واجب ہوا، البتہ قعدہ اخیرہ کو ہر صورت میں ضروری قرار دیا گیا اور نماز کے پورا ہونے کو اس پر موقوف رکھا گیا ہے، جب کہ قعدہ اولی کو بھولے سے ترک کرنے پر نبی ﷺ نے صرف سجدہ سہو پر اکتفاء فرمایا تھا، نماز دہرائی نہیں تھی۔(۳) معلوم ہوا کہ قعدہ اولی کے مقابلے میں قعدہ اخیرہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔☆

---

(۱)مسلم : باب التشهد في الصلاة : ۹۲۸

(۲)مسند البزار : مسند عبد الله بن مسعود : ۱۵۷۱ – حسن ، مجمع الزوائد : باب التشهد والجلوس : ۲۸۴۹

☆ قعدہ اولی کرنا اور اس میں تشہد پڑھنا امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے، امام مالکؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی سنت ہے جس کے ترک سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے (الفقه على المذاهب الاربعة : ۱/۳۶۲.۳۶۶)

(۳)بخاری : باب ما جاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة : ۱۲۲۴

☆ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا امام مالکؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔(الفقه على المذاهب الاربعة : ۱/۳۵۵،۳۵۶،۳۶۵ ، الموسوعة ۲۷/۶۹)

فائدہ(۲) لفظ سلام کے ذریعہ نماز کو ختم کرنا واجب ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کبھی آدمی کو سلام پھیرنے سے قبل حدث آ گیا ہو؛ حالاں کہ وہ اپنی نماز کے آخر (قعدہ) میں بیٹھ چکا ہے تو اس کی نماز درست ہوگئی۔(۱) طحاوی کی روایت میں ہے کہ: اس کی نماز مکمل ہوگئی پھر وہ نماز کی طرف نہ لوٹے (۲)

حضرت علیؓ سے مروی ہے: جب آدمی تشہد کے بقدر بیٹھ جائے پھر وضو توڑ دے تو اس کی نماز پوری ہوگئی (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم یہ کہہ لو (قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ لو) یا اس کو (قعدہ کو) پورا کر لو تو تم نے اپنی نماز پوری کر لی۔(۴)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد لفظ سلام بولے بغیر محض اپنے اختیار سے نماز سے باہر ہوجانے کے عمل سے نماز پوری ہوجاتی ہے، تاہم بعض دوسری روایات میں نماز سے باہر آنے کا ذریعہ سلام کو قرار دیا گیا ہے،(۵) اس لئے حنفیہ نے لفظِ سلام کے ذریعہ نماز سے خارج ہونے کو واجب بتلایا ہے۔(۶) ☆

(۶) ارکان کو ترتیب سے ادا کرنا

نبی ﷺ نے ہمیشہ ترتیب وار ارکان کو ادا فرمایا ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) ترمذی : الرجل يحدث في التشهد : ۴۰۸ – حسن ، مرقاة المفاتيح : ۱۰۰۸ – ۳/۷۷
(۲) طحاوی : باب السلام في الصلاة هل هو من فرضها أو من سننها : ۱۶۳۸ ، لهٰذا الحديث طرق ، مرقاة المفاتيح : ۱۰۰۸
(۳) السنن الكبرى للبيهقي : باب فرض التشهد : ۲۹۳۸ – صالح معتبر : مرقاة المفاتيح : باب التشهد : ۲/۵۷۷
(۴) مسند أحمد : تحقيق شعيب الأرنؤوط : ۴۰۰۶ – صحيح
(۵) ترمذی : باب ما جاء في تحريم الصلاة و تحليلها : ۲۳۸ – حسن : امام ترمذی
(۶) طحطاوی علی المراقی : ۲۵۱
☆ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لفظ سلام کے ذریعہ نماز کو ختم کرنا فرض ہے ورنہ نماز باطل ہوجائے گی (الفقہ علی المذاهب الاربعة : ۱/۳۵۷)، پھر امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک ایک ہی سلام ضروری ہے، دوسرا سنت اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں ضروری ہے۔(الموسوعة ۲۷/۱۷)

تم اس طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔(۱)

فائدہ: اعمال کی درجہ بندی میں واجب کی اصطلاح حنفیہ کی اپنی قائم کردہ ہے، بقیہ ائمہ کے (۲) یہاں فرض اور نفل کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں؛ لیکن حنفیہ اس کے درمیان واجب کا درجہ دیتے ہیں، یعنی: جس کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوا ہو جس کا رتبہ، فرضیت کو ثابت کرنے والی دلیل سے فروتر ہو، فرضیت کا ثبوت تو ایسی دلیل سے ہوتا ہے جو اپنے ثبوت وسند کے اعتبار سے بھی قطعی ویقینی ہو اور اپنے معنی ومدلول پر دلالت کرنے کے اعتبار سے بھی قطعی اور بے غبار ہو، اگر ان دو اعتبارات میں سے کسی ایک میں خلل ہو، یعنی یا تو دلیل کے ثبوت وسند میں خلل ہو یا دلیل کے اپنے معنی ومفہوم پر دلالت کرنے میں کچھ قصور ہو تو وجوب کا درجہ نکل آتا ہے اور اگر مذکورہ دونوں اعتبارات میں سے ہر ایک میں کمی اور خلل ہے تو پھر سنیت واستحباب کا درجہ سامنے آتا ہے۔(۳) حضرت شیخ شعرانی شافعیؒ فرطِ عقیدت سے کہتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ پر اللہ کی رحمت ہو انہوں نے فرض اور واجب کے درمیان اصطلاحی فرق قائم کرکے بڑی اہم گتھی کو سلجھایا ہے، اور ہر دلیل کو اس کا مناسب مقام دیا ہے، یہ حضرت امامؒ کا ایسا کارنامہ ہے جس پر خود صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والتسلیم آفرین فرماتے۔(۴) نماز کے باب میں بھی احناف کے یہاں فرائض، واجبات اور سنن ومستحبات تینوں کا تصور ملتا ہے جب کہ دیگر ائمہ کے یہاں فرائض کے علاوہ صرف سنن ومستحبات کا، واجبات کی ان کے پاس کوئی مستقل اصطلاح نہیں پائی جاتی ہے۔

---

(۱) الموسوعة : ۲۷/۲/۷

(۲) البتہ صرف حج کے باب میں شوافع اور مالکیہ واجب کا درجہ تسلیم کرتے ہیں اور حنابلہ حنفیہ کی طرح نماز کے باب میں بھی واجبات کے قائل ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ حنابلہ کے یہاں واجب کا عمداً ترک نماز کو باطل کردیتا اور بھول کر ترک سجدہ سہو کو واجب کرتا ہے۔(الفقه على المذاهب الاربعة :۱/۳۶۰-۳۶۲)

(۳) فتح الملهم :۲/۲۹۹

(۴) فتح الملهم : ۲/۱۹

سنن نماز

تکبیر تحریمہ کی سنتیں

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت سیدھا کھڑا ہونا یعنی سر کو پست نہ کرنا

(۲) دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا

(۳) ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا

(۴) دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی طبعی حالت پر رکھنا

(۵) پہلے ہاتھ اٹھانا پھر تکبیر تحریمہ کہنا

(۶) تکبیر کے اعراب وحرکات میں مد نہ کرنا

قیام کی سنتیں

(۷) قیام کے وقت پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھنا

(۸) دونوں قدموں کے درمیان مناسب وموزوں فاصلہ رکھنا

(۹) داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھنا

(۱۰) چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر پہنچے کو پکڑنا

(۱۱) درمیانی تین انگلیوں کو کلائی پر رکھنا

(۱۲) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

(۱۳) ثنا پڑھنا

(۱۴) تعوذ پڑھنا

(۱۵) تسمیہ پڑھنا

(۱۶) آہستہ آمین کہنا

(۱۷) قرأت مسنونہ کرنا

(۱۸) پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل کرنا

(۱۹) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا

(۲۰) تجوید کے ساتھ قرأت کرنا

رکوع کی سنتیں

(۲۱) رکوع کی تکبیر کہنا

(۲۲) دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا

(۲۳) پکڑنے میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا

(۲۴) ہاتھوں کو پہلوں سے علیحدہ رکھنا

(۲۵) پیٹھ کو سیدھی رکھنا

(۲۶) سر اور سُرین کو برابر رکھنا

(۲۷) تین دفعہ تسبیح پڑھنا

(۲۸) تسمیع (**سمع الله لمن حمده**) وتحمید (**ربنالک الحمد**) کہنا

سجدہ کی سنتیں

(۲۹) سجدہ کی طرف تکبیر کہتے ہوئے منتقل ہونا

(۳۰) سجدہ میں پہلے دونوں گھٹنوں کو رکھنا

(۳۱) پھر دونوں ہاتھوں کو رکھنا

(۳۲) پھر چہرہ یعنی ناک پھر پیشانی کو رکھنا

(۳۳) دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا

(۳۴) سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے الگ رکھنا

(۳۵) پہلوؤں کو بازوؤں سے الگ رکھنا

(۳۶) کہنیوں کو زمین سے الگ رکھنا

(۳۷) سُرین کو ایڑیوں سے دور رکھنا

(۳۸) سجدہ میں تین دفعہ تسبیح کہنا

(۳۹) سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر کہنا

جلسہ کی سنتیں

(۴۰) دوسجدوں کے درمیان قعدہ کی طرح بیٹھنا

(۴۱) دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں پہلے سر اٹھانا پھر ہاتھ پھر گھٹنے

(۴۲) اٹھنے میں زمین کا سہارا نہ لینا

(۴۳) جلسہ استراحت نہ کرنا

قعدۂ اولی کی سنتیں

(۴۴) دائیں پیر کو کھڑا رکھنا اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا

(۴۵) دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا

(۴۶) تشہد ابن مسعودؓ پڑھنا

(۴۷) تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا

قعدہ اخیرہ کی سنتیں

(۴۸) قعدہ اخیرہ میں قعدہ اولی کی کیفیت ہی پر بیٹھنا

(۴۹) قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا

(۵۰) دعائے ماثورہ پڑھنا

(۵۱) دہنی طرف سے سلام کی ابتداء کرنا

(۵۲) سلام میں امام کو مقتدیوں، فرشتوں اور صالح جنات کی نیت کرنا

(۵۳) مقتدی کو امام، فرشتوں اور صالح جنات اور مقتدیوں کی نیت کرنا

(۵۴) منفرد کو صرف فرشتوں کی نیت کرنا

(۵۵) دوسرے سلام کی آواز کو پہلے سلام کی آواز سے پست رکھنا

سنن نماز

تکبیر تحریمہ کی سنتیں

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت سیدھا کھڑا ہونا یعنی سر کو پست نہ کرنا

حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اعتدال کے ساتھ کھڑے ہوتے (۱)

(۲) دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور انہیں کانوں کے مقابل میں رکھا۔ (۲)

حضرت مالک بن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھاتے۔ (۳)

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھاتے کہ آپ ﷺ کے انگوٹھے کانوں کے برابر میں آجاتے (۴)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے تکبیر کہی پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے مقابل میں کیا (۵)

بعض روایات میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ بھی ملتا ہے، مگر اس کی شکل یہ ہوتی تھی

---

(۱) ترمذی باب وصف الصلوۃ: ۳۰۴ حسن صحیح)

(۲) مسلم : باب وضع یده الیمنی علی الیسری : ۹۲۳

(۳) مسلم : باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین : ۸۹۲

(۴) مسند أحمد : ۱۸۷۰۲ -سند کے صرف ایک راوی میں ضعف ہے اور باقی رواۃ ثقہ ہیں اور بخاری و مسلم کے رجال ہیں -تحقیق شعیب الأرنؤوط

(۵) المستدرک مع تعلیقات الذهبي:باب التامین : ۸۲۲ - صحیح

کہ پہنچے یا ہتھیلیاں کندھوں کے برابر میں ہوتے ، انگوٹھے کانوں کی لَو کے مقابل میں ہوتے اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپری حصے کے برابر میں ہوتے ، چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں : میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ کندھوں کے برابر میں آگئے اور اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر میں فرمایا۔(۱) فقہاء شافعیہ میں سے امام نوویؒ اور فقہاء حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمامؒ نے اس طریقہ کی تائید کی ہے۔(۲)

کسی عذر کی وجہ سے کانوں تک ہاتھ اٹھانا دشوار ہوجائے مثلاً : سردی کی وجہ سے ہاتھ لحاف کے اندر ہوں اور لحاف سے باہر ہاتھ نکالنا دشوار ہو تو لحاف کے اندر ہی اندر سے کندھوں تک ہاتھ اٹھالئے جاسکتے ہیں ؛ چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا ، (نماز کے موقع پر) میں نے آپ ﷺ کو تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھاتے دیکھا پھر آئندہ سال جب میں آیا تو صحابہ کرام کے جسموں پر چادریں اور لمبی لمبی ٹوپیاں تھیں تو وہ اپنے ہاتھ سینوں (کندھوں) تک ہی اٹھا رہے تھے۔(۳)

(۳) ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرنے لگے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے(۴)

---

(۱)ابوداؤد: باب رفع اليدين في الصلاة : ۷۲۴ – معتبر و مقبول : إعلاء : ۱۸۲/۲

(۲)نووی شرح مسلم : ۱۱۹/۲ ، فتح القدير : ۲۸۲/۱

(۳)طحاوی :باب رفع اليدين فی افتتاح الصلاة : ۱۱۷۰ ، ابوداؤد: تحقيق الالبانی : باب رفع اليدين في الصلاة : ۷۲۸ – صحيح

(۴) المعجم الاوسط للطبرانی:۱۸۰۱ـ قال الهيثمی وفيه عمير بن عمران وهو ضعيف مجمع الزوائد:۲۵۸۹باب رفع اليدين فی الصلوة)

(۴) دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی طبعی حالت پر رکھنا

انگلیوں کو نہ موڑے ہوئے رکھنا نہ انگلیوں کو باہم ملائے رکھنا اور نہ ہی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا اہتمام کرنا بلکہ ان کو اپنی فطری حالت پر رہنے دینا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں (کی انگلیوں) کو دراز کرتے ہوئے اٹھاتے۔(۱) ملا علی قاریؒ کہتے ہیں: صرف رکوع کی حالت میں انگلیاں گھٹنے پر کھلی رکھنا اور اس کے برخلاف صرف سجدہ کی حالت میں انگلیاں باہم ملائے رکھنا مستحب ہے، باقی صورتوں میں (تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کے اٹھانے کے وقت اسی طرح قعدہ میں ہاتھوں کو زانو پر رکھنے کے وقت) انگلیاں اپنی طبعی حالت پر رہنی چاہئے (۲) حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رکوع فرماتے تو ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھتے اور جب سجدہ فرماتے تو انگلیاں ملا لیتے۔(۳)

(۵) پہلے ہاتھ اٹھانا پھر تکبیر تحریمہ کہنا

رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر تکبیر کہتے (۴) ☆

---

(۱) ترمذی : تحقیق الالبانی : باب فی نشر الأصابع عند التکبیر : ۲۴۰ – صحیح

(۲) مرقاۃ المفاتیح : باب صفة الصلاة : ۸۰۱

(۳) المعجم الکبیر للطبراني : ۱۷۴۹۵ – مجمع الزوائد : باب صفة الصلاة والتکبیر فیها : ۲۸۰۷ – اسناده حسن

(۴) مسلم : باب استحباب رفع الیدین : ۸۸۹

☆ ویسے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں مزید دو طریقے ثابت ہیں: اول: رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے ابو داؤد :تحقیق الالباني : باب رفع الیدین في الصلاة : ۷۲۵ – صحیح. یعنی تکبیر تحریمہ کہنے اور ہاتھ اٹھانے کے عمل کا آغاز و اختتام ساتھ ساتھ ہوا کرتا تھا۔ البحر الرائق: ۳/ ۲۱۱

دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو تکبیر کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ ابو داؤد :تحقیق الالباني : باب رفع الیدین في الصلاة : ۷۲۶ – صحیح

اکثر مشائخ احناف نے اسی طریقے کو اختیار کیا اور وجہ یہ بیان کی کہ ہاتھ اٹھانا گویا ماسوی اللہ سے دستبرداری اور غیر اللہ کی نفی کا اشارہ ہے اور اللہ اکبر کہنا، اللہ تعالی کی بڑائی وکبریائی کو ثابت کرنا ہے اور اصولاً نفی، اثبات پر مقدم ہوتی ہے؛ اس لئے پہلے ہاتھ اٹھا لئے جائیں پھر تکبیر تحریمہ کہی جائے۔(۱)

فائدہ: تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور موقع پر رفع یدین کرنا احناف کے یہاں مسنون نہیں، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو حضورؐ کی طرح نماز پڑھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی تو صرف پہلی بار (آغاز نماز میں) رفع یدین کیا (۲)

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آغاز نماز کے لئے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے (۳)

حضرت علقمہؒ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی یہ حضرات صرف آغاز نماز ہی میں رفع یدین کرتے تھے (۴)

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں: میں حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں کیا، (۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو مونڈھوں تک اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جانا چاہتے اور

(۱)الهداية : ۱/۴۷

(۲)ترمذی : تحقیق الالبانی : باب ما جاء أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يرفع إلا في أول مرة :۲۵۷ – حسن امام ترمذی ، صحیح – البانی

(۳)أبو داؤد : باب من لم يذكر الرفع عند الركوع : ۷۵۰ – حسن: إعلاء السنن : ۸۵/۳

(۴)سنن الكبرى للبيهقي : باب من لم يذكر الرفع إلا عند الافتتاح : ۲۶۳۶، مسند أبي يعلى : ۵۰۳۹ – إسناده جيد : إعلاء : ۶۸/۳

(۵)طحاوی : باب التكبير للركوع : ۱۲۵۵ – صحيح – آثار السنن : ۱۰۸/۱

رکوع کے بعد سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے (۱) حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعلیؓ وعبداللہ بن مسعودؓ، اہل مدینہ واہل کوفہ صرف تکبیر تحریمہ کے موقع پر ہی رفع یدین کیا کرتے تھے باقی کسی اور جگہ نہیں کرتے تھے۔ (۲)

ابواسحاق کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے اصحاب صرف تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا کرتے تھے، پھر دوبارہ کہیں رفع یدین نہ کرتے ،(۳) ☆

تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کرنا بھی صحیح ومستند روایات سے ثابت ہے، مثلا:

۱) آغاز نماز اور رکوع کے بعد۔ (۴)

۲) آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد۔ (۵)

۳) آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد دوسری رکعت کے بعد۔ (۶)

۴) آغازِ نماز، رکوع کے وقت، رکوع سے سر اٹھانے کے وقت، سجدے کے وقت، سجدے سے سر اٹھانے کے وقت۔ (۷)

۵) اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جاتے ہوئے۔ (۸)

---

(۱)مسند حمیدی : ۶۱۴ ، سنده هكذا : حدثنا الحميدى : قال ثنا الزهري قال : أخبرني سالم بن عبد الله عن أبيه قال : وهو سلسلة الذهب : نخبة الفكر : ۳۶

(۲)التعليق الممجد مع موطا محمد : باب افتتاح الصلاة : ۱۰۴ ، نيل الفرقدين : ۲۲

(۳)مصنف ابن أبي شيبة : باب من كان يرفع يديه : ۲۴۵۶۱ – صحيح : آثار السنن : ۱/۱۰۹

☆امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام احمدؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھنے کے بعد بھی رفع یدین کرنا مسنون ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ان مواقع کے علاوہ قعدہ اولی سے کھڑے ہونے کے بعد بھی رفع یدین کرنا مسنون ہے۔۔الفقہ الاسلامی : ۲/ ۱۷۸،فتح الملهم : ۲/۱۱

(۴)موطا امام مالک : باب افتتاح الصلوة : ۱۶۸

(۵)بخاری : باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع : ۷۳۵ – ۷۳۶

(۶)بخاری : باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين : ۷۳۹

(۷)نسائی تحقيق الالبانی : باب رفع اليدين للسجود : ۱۰۸۵ – صحيح

(۸)ابن ماجة تحقيق البانی : باب رفع اليدين إذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع : ۸۶۵ صحيح

۶) دوسجدوں کے درمیان۔(۱)

تاہم مجموعی روایات کو پیش نظر رکھنے سے اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ رفع یدین کے عمل میں بتدریج نسخ واقع ہوتا رہا ہے؛ البتہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نسخ کا سلسلہ کہاں تک چلتا رہا، امام بیہقیؒ کی ایک روایت اگرچہ یہ بیان کرتی ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکوع سے پہلے و بعد میں رفع یدین کا عمل رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے تک باقی رہا، (۲) مگر یہ روایت حد درجہ ضعیف؛ بلکہ موضوع ہے اور اس کی سند کے بعض رواۃ جھوٹے اور من گھڑت احادیث بنانے والے ہیں (۳) اس لئے اس مسئلہ میں کسی حتمی اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ تعاملِ صحابہ بالخصوص حضراتِ خلفاء راشدین کے طرز عمل کو دیکھا جائے، اور سابقہ تفصیل سے یہ عیاں ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا عمل ترک رفع یدین پر تھا اور یہ حضرات کرام صرف تکبیر تحریمہ کے موقع پر ہی رفع یدین کیا کرتے تھے، پس تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز کے دیگر مقامات میں رفع یدین کرنا بہتر و پسندیدہ نہیں۔

(۶) تکبیر کے اعراب وحرکات میں مدنہ کرنا

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ تکبیر میں جزم ہے (۴)

جزم کے معنی فقہاء ومحدثین کے بیان کے مطابق مدنہ کرنا ہے۔(۵)

---

(۱) جزء رفع اليدين للبخاری : ۱۰۱ – صحیح : آثار السنن : ۱/۱۰۳

(۲) معرفة السنن والآثار : رفع اليدين عند الافتتاح والركوع ورفع الرأس من الركوع : ۸۱۳

(۳) آثار السنن مع التعليق الحسن : ۱/۱۰۰ – ۱۰۱

(۴) مصنف عبد الرزاق : باب متى يكبر الإمام : ۲۵۵۳ ، ترمذی : باب ما جاء إن حذف السلام سنة : ۲۹۷

(۵) تحفة الاحوذی: ۱/۳۲۹

قیام کی سنتیں

(۷) قیام کے وقت پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھنا

حضرت ابو حمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھتے تھے(۱)

(۸) دونوں قدموں کے درمیان مناسب وموزوں فاصلہ رکھنا

قدم نہ ایک دوسرے سے چپکے ہوئے ہوں نہ دونوں کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ ہو کہ بھدا پن معلوم ہو، حضرت ابن عمرؓ کا عمل یہ تھا کہ وہ اپنے قدموں کے درمیان نہ بہت زیادہ فاصلہ رکھتے تھے نہ ایک دوسرے کو ملاتے تھے بلکہ دونوں کے درمیان اور معتدل فاصلہ رکھتے تھے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں: دونوں قدموں کو صف بستہ قریب قریب اور سلیقہ سے رکھنا سنت ہے۔(۳)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ نمازی کے دونوں قدموں کے مابین ہاتھ کی چار انگلیوں کے بقدر فاصلہ ہو کہ یہ حالت خشوع سے زیادہ قریب ہے۔(۴)

(۹) داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھنا

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں: صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنے سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔(۵)

---

(۱) بخاری باب فضل استقبال القبلة تعليقاً)
(۲)مصنف عبدالرزاق: باب التحريک في الصلاة : ۳۳۰۰– صحيح
(۳)أبوداؤد : باب وضع اليمنى على اليسرى : ۷۵۴ – حسن : خلاصة الأحكام : ۱/ ۳۵۷
(۴)شرح ابوداؤد للعينی : باب وضع اليمنى على اليسرى : ۳/۳۵۴
(۵)بخاری :باب وضع اليمنى على اليسرى : ۷۴۰

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ قیام میں بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ ﷺ نے ان کے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا، (۱) حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت، پہنچے اور کلائی پر رکھا۔ (۲)

(۱۰) چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر پہنچے کو پکڑنا

(۱۱) درمیانی تین انگلیوں کو کلائی پر رکھنا

قبیصہ بن ھلبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو نماز پڑھاتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ (۳)

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت، پہنچے اور کلائی پر رکھا۔ (۴)

ان دونوں روایتوں کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہنچے، کلائی پر رکھنا اور پکڑنا مکمل سنت طریقہ ہے۔☆

(۱۲) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: نماز میں (دائیں) ہتھیلی کو (بائیں) ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے، (۵)

---

(۱)ابو داؤد: تحقیق الالبانی : باب وضع الیمنی علی الیسری : ۷۵۵ – حسن
(۲)نسائی : تحقیق الالبانی : باب موضع الیمین من الشمال في الصلاۃ : ۸۸۹ – صحیح
(۳) ترمذی : باب وضع الیمین علی الشمال : ۲۵۲ – حسن – امام ترمذیؒ
(۴)نسائی : تحقیق الالبانی : باب موضع الیمین من الشمال في الصلاۃ : ۸۸۹ – صحیح
(۵)أبوداؤد: باب وضع الیمنی علی الیسری : ۷۵۴ – حسن: إعلاء السنن : ۲/۱۹۳ ، مصنف ابن أبي شیبة تحقیق محمد عوامه : باب وضع الیمین علی الشمال : ۳۹۶۶ – له شاهد صحیح

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں صحابی جب کسی بات کو سنت کہیں تو اس سے حضور ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے۔(۱)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔(۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: آدمی نماز میں اپنے سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔(۳)

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: قیام میں ناف کے نیچے یا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں کوئی قوی حدیث موجود نہیں ہے اس لئے اس معاملہ میں عرف و عادت کو معیار بنایا جائے گا اور عرف و عادت یہی ہے کہ شاہان دنیا کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑے ہونے کے وقت ہاتھ ناف کے نیچے ہی باندھے جاتے ہیں پس احکم الحاکمین کے دربار میں تعظیم کی یہ روش اختیار کرنا عین مصلحت و ادب ہوگا۔(۴)

حاصل کلام: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت، پہنچے اور کلائی پر رکھے پھر سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کے ذریعہ بائیں ہاتھ کی کلائی کو حلقہ بنا کر پکڑ لے۔☆

(۱۳) ثنا پڑھنا: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے تو یوں پڑھتے:

(۱)تدريب الراوي : النوع السابع الموقوف : ۱/۱۸۸

(۲)مصنف ابن ابی شیبه مع تعلیقات شیخ عوامه :باب وضع اليمين على الشمال : ۳۹۵۹ – وهذا إسناد صحيح

(۳)مصنف ابن ابی شیبه :باب وضع اليمين على الشمال : ۳۹۶۰ – إسناد حسن – آثار السنن : ۱/۱/۷

(۴)فتح القدير : ۱/۲۴۹، ☆امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سینے سے کسی قدر نیچے، بائیں جانب (قلب کی طرف) قدرے مائل کر کے ہاتھ باندھ مسنون ہے، امام مالکؒ کے نزدیک قیام میں ہاتھ نہ باندھنا افضل ہے لیکن اگر کوئی باندھنا چاہے تو اسی طریقہ پر باندھے جو امام شافعیؒ کے یہاں ہے .(الفقه الاسلامی : ۲/۸۷۴، اعلاء السنن : ۲/۱۹۳)

" سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلاَ اِلٰهَ غَیْرُکَ " (۱)

بعض روایات میں"وَتَعَالٰی جَدُّکَ "کے بعد "وَجَلَّ ثَنَاءُ کَ "کے الفاظ بھی منقول ہیں ،(۲) ایسے ہی متعدد احادیث میں تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ شروع کرنے سے قبل، ثنا کے علاوہ اور بھی بہت سے اوارد وادعیہ وارد ہوئے ہیں تاہم فقہاء حنفیہ نے اُنہیں دو وجوہات کے پیش نظر نوافل اور نماز تہجد پر محمول کیا ہے(i) نماز سے متعلق معروف ومشہور روایات میں ان دعاؤں کا ذکر موجود نہیں (ii) نیز بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ کا ان دعاؤں کو نوافل میں پڑھنے کا معمول تھا۔(۳)

فائدہ: نماز جنازہ چوں کہ حمد وثنا اور درود ودعا ہی پر مشتمل ہوتی ہے؛ اس لئے "وجل ثناء ک " کا اضافہ کرنا، اس میں مناسب اور پسندیدہ ہے۔(۴)

(۱۴)تعوذ پڑھنا

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ سول اللہ ﷺ قرأت سے قبل " اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھا کرتے تھے۔(۵)

حضرت اسودؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی تو تکبیر کہی پھر ثنا پڑھی پھر"اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھا۔(٦)

---

(۱)أبوداؤد :تحقيق الالبانى : باب من رأى الاستفتاح بسبحانک اللهم : ۷۷٦ صحيح

(۲)مسند الفردوس : لأبي شجاع الديلمي : ۸۱۹ – سكت عليه ابن الهمام في فتح القدير : ۲۹۰/۱

(۳)نسائی تحقيق الالبانى : نوع آخر من الذكر والدعاء بين التكبير والقراءة : ۸۹۸– صحيح – السعاية : ۱٦۳/۲

(۴)طحطاوى على المراقى :۳۰۷

(۵)مصنف عبد الرزاق: باب متى يستعيذ : ۲۵۸۹ – وللحديث شواهد يقوى بعضها بعضا : فتح الغفار : ۱۰۹/۵ – صحيح : مختصر أرواء الغليل : ۶۹/۱

(٦)مصنف ابن ابى شيبه : باب في التعويذ كيف هو ؟ ۲۴۷۰– صحيح – أرواء الغليل : ۴۹/۲

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے اور نماز شروع کرتے تو فرماتے: ''سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ'' پھر کہتے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ'' (۱)

معلوم ہوا کہ رات کی نمازوں اور نوافل میں اس طرح کے اضافے مسنون ہیں۔

(۱۵) تسمیہ پڑھنا

حضرت نعیم المجمر کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا پھر سورۃ فاتحہ پڑھی، فاتحہ کے ختم پر آمین کہی، لوگوں نے بھی آمین کہا، پھر جب جب سجدہ کیا تو اللہ اکبر کہا قعدہ اولی سے کھڑے ہونے کے وقت بھی اللہ اکبر کہا اور جب سلام پھیرا تو یوں فرمایا کہ قسم بخدا میری نماز تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہے۔ (۲)

اس روایت سے اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ سورۃ فاتحہ سے قبل تسمیہ مسنون ہے، اور کئی روایات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ امام کے حق میں تسمیہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے، چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے سرور دو عالم ﷺ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے، ان بزرگوں میں سے کسی سے میں نے بآواز بلند بسم اللہ نہیں سنی؛ (۳)

اس لئے سابقہ روایت کے اس جملہ: کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا''

---

(۱) ترمذی تحقیق الالبانی : باب ما یقول عند افتتاح الصلاة : ۲۴۲ – صحیح

(۲) السنن الکبری للبیهقي : باب افتتاح القراءة في الصلاة ببسم الله الرحمن الرحیم : ۲۴۹۱ – إسناده صحیح وله شواهد – ناشر : دائرة المعارف

(۳) نسائی : تحقیق الالبانی : باب ترک الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم : ۹۰۷ – صحیح

کی محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ نعیم راوی شاید حضرت ابو ہریرہؓ کے بالکل نزدیک کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے تھے جس کی بناء پر انہوں نے حضرتؓ کے بسم اللہ پڑھنے کو باوجود پست آواز ہونے کے سن لیا یا ممکن ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے بآواز بلند ہی بسم اللہ پڑھا تھا؛ لیکن اس غرض سے کہ لوگوں کو یہ پتہ چلے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنا بھی سنت ہے کیوں کہ اس زمانے کے امراء نے سستی اور اپنی سہولت کی خاطر نماز کے بعض اذکار و افعال میں تخفیف کر دی تھی۔(۱)

فائدہ: تعوذ و تسمیہ قرأت قرآن کے تابع ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے، جب تم قرآن پڑھنے لگو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو شیطان مردود سے (۲) مقتدی کے لئے چوں کہ قرأت کرنا ممنوع ہے اس لئے وہ تعوذ و تسمیہ بھی نہیں پڑھے گا۔☆

(۱۶) آہستہ آمین کہنا

امام، مقتدی، منفرد، سب کے لئے سورۃ فاتحہ کے ختم پر آہستہ آمین کہنا مسنون ہے، حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی ، جب " **غیر المغضوب علیھم و لا الضالین** " پڑھا تو آہستہ سے آمین کہا۔(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم دیتے تو فرماتے کہ امام سے آگے نہ بڑھو جب وہ "**اللہ اکبر**" کہے تو "**اللہ اکبر**" کہو اور جب "**و لا الضالین**" کہے تو "آمین" کہو۔(۴)

---

(۱) فتح الملھم : ۳۶/۲

(۲) سورۃ النحل: ۹۸

☆ امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے فوری بعد ثنا اور تعوذ و تسمیہ پڑھے بغیر سورۃ فاتحہ کا آغاز کرنا مسنون ہے بقیہ ائمہ کے یہاں سراً ان کا پڑھنا مسنون ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں تسمیہ کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ ملا کر جہراً پڑھنا مسنون ہے۔(الفقہ الاسلامی :۲/ ۸۷۵-۸۷۸)

(۳) المستدرک مع تعلیقات الذهبي : باب قراء ات النبي صلی الله علیه وسلم : صحیح علی شرط البخاري ومسلم : امام حاکمؒ و ذهبيؒ ۔ إسناده صحیح : آثار السنن : ۹۶/۱

(۴) مسلم: باب النهي عن مبادرة الإمام : ۹۵۹

اس حدیث سے صراحۃ تو آمین آہستہ کہنا نہیں معلوم ہوتا؛ البتہ یہ ہدایت کہ جب امام ''ولاالضالین'' کہے تو تم آمین کہو، اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ امام '' آمین'' کے لفظ کو آہستہ ادا کرے گا۔(۱)

حضرت ابووائلؒ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ و علیؓ تعوذ، تسمیہ اور آمین زور سے نہیں کہا کرتے تھے (۲) امام طبریؒ فرماتے ہیں: صحابہ کرام اور تابعین عظام کی زیادہ تعداد آمین آہستہ کہتی تھی۔(۳) آہستہ آمین کہنے کی افضلیت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عطاؒ کے بقول آمین ایک دعا ہے (۴) اور دعا کا ادب قرآن پاک میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ عاجزی وانکساری کے ساتھ اور خفیہ طور پر ہو (۵) پس آمین کو آہستہ اور خفیہ طور پر کہنا منشأ قرآنی کے مطابق بھی ہے۔☆

---

(۱) آثارالسنن : ۱/۹۵

(۲) طحاوی : باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم في الصلاة : ۱۲۰۸ - إسناده ضعيف : آثار السنن : ۱/۹۹

(۳) إعلاء السنن : ۲/ ۲۲۳

(۴) بخاری تعليقا : باب جهر الامام بالتأمين

(۵) الأعراف: ۵۵

☆ یہی امام مالکؒ کا بھی مسلک ہے امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک بلند آواز سے آمین کہنا افضل ہے۔ الفقه الاسلامی : ۲/ ۸۸۰

فائدہ: بعض حضرات بے تحاشہ بلند آواز سے آمین کہنے پر اصرار کرتے ہیں اور دلیل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ''غير المغضوب عليهم ولا الضالين '' کہتے تو'' آمین '' کہتے ، یہاں تک کہ صفِ اول والے اس کو سن لیتے ، پھر اس سے مسجد بھی گونج اٹھتی ؛ (ابن ماجۃ : باب الجہر بآمین : ۸۵۳) حالاں کہ یہ روایت سند ومتن دونوں اعتبار سے نا قابل حجت ہے، اس کی سند میں ایک راوی بشیر بن رافع ہیں، جن پر امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ جیسے ائمہ جرح وتعدیل نے کلام کیا ہے اور ابن حبان نے تو ان پر وضعِ حدیث تک کی بات کہی ہے، پھر سننِ ابوداؤد اور مسندِ ابویعلی میں یہ روایت اخیر جملے (مسجد اس سے گونج اٹھتی تھی) کے بغیر آئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہ کی اس روایت کا کوئی متابع بھی نہیں ہے، متن کے اعتبار سے خامی یہ ہے کہ ابن ماجہ کی روایت کا اخیر اور ماقبل اخیر جملہ باہم متعارض ہیں کہ ماقبل اخیر جملہ سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ صرف صفِ اول والے آمین کی آواز کو سن لیتے تھے، اور اخیر جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری مسجد گونج اٹھتی تھی۔ (التعليق الحسن : ۱/ ۹۴)

(۱۷) قرأت مسنونہ کرنا

حالت سفر میں: حسب موقع قرأت کی مقدار میں کمی بیشی کرنا سنت نبوی سے ثابت ہے، اگر عجلت کا موقع ہو تو مختصر سورتیں پڑھ کر نماز پوری کی جا سکتی ہے، نبی ﷺ سے حالت سفر میں عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۃ تین پڑھنا (۱) نماز فجر میں معوذتین پڑھنا ثابت ہے (۲) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (۳) اور اگر اطمینان وسکون میسر ہو تو قدرے طویل قرأت کرنا اچھا ہے حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ دوران سفر، نماز فجر کی ہر رکعت میں سورۃ ''حجرات'' سے ابتدائی دس سورتوں میں سے کوئی ایک سورت پڑھا کرتے تھے۔ (۴)

حالت اقامت میں: فجر وظہر کی نماز میں طویل قرأت کرنا، عصر وعشاء میں متوسط مقدار میں قرأت کرنا اور مغرب میں مختصر قرأت کرنا مسنون ہے، بحالت اقامت پانچ نمازوں میں نبی ﷺ سے جو قرأت منقول ہے ان کی تفصیل اس طرح ہے:

نماز فجر: ساٹھ تا سو آیتوں کی تلاوت فرماتے۔ (۵)

سورۃ '' ق '' اور اس جیسی سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ (٦)

نماز ظہر: پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس تیس آیتوں کے بقدر تلاوت فرماتے (۷)

---

(۱) بخاری : باب الجهر في العشاء : ٧٦٧

(۲) أبو داؤد تحقيق الالبانی : باب في المعوذتين : ١٤٦٤ - ١٤٦٥ - صحيح

(۳) مصنف ابن أبي شيبة : من كان يخفف القراءة في السفر : ٣٧٠٤٠ - سكت عليه المحقق محمد عوامه

(۴) موطا مالک : باب القراءة في الصبح : ١٨٥ - موطا محمد مع التعليق الممجد : باب القرائة في الصلاة في السفر : ٢٠١

(۵) مسلم : باب القراءة في الصبح : ١٠٥٩

(٦) مسلم : باب القراءة في الصبح : ١٠٥٥

(۷) ابو داؤد تحقيق الالبانی : باب تخفيف الأخريين : ٨٠٤ - صحيح

واللیل جیسی سورتیں پڑھا کرتے،(۱) سورۃ بروج وطارق جیسی سورتیں پڑھا کرتے۔(۲)

نمازعصر: پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں پندرہ پندرہ آیتوں کے بقدر تلاوت فرماتے۔(۳)

واللیل جیسی سورتیں پڑھا کرتے۔(۴)

سورۃ بروج وطارق جیسی سورتیں پڑھا کرتے۔(۵)

نمازمغرب: سورۃ کافرون وسورۃ اخلاص تلاوت فرماتے،(۶)

قصار مفصل (مختصر سورتیں) پڑھا کرتے۔(۷)

نمازعشاء: نبی ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا: سورۃ الشمس، سورۃ اللیل، سورۃ الاعلی سورۂ العلق (جیسی سورتیں) پڑھا کرو۔(۸)

نبی ﷺ نے نماز عشاء میں اوساط مفصل پڑھنے کی تلقین فرمائی۔(۹)

پانچ نمازوں میں ان کے علاوہ اور بھی سورتوں کا تلاوت کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے لیکن قرأت کا عام معمول تفصیل بالا کے مطابق تھا، اسی معمول نبوی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو یہ ہدایت نامہ لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، نماز

---

(۱)نسائی تحقیق الالبانی : باب القراءة في الركعتين الأوليين من صلاة العصر : ۹۷۹ – حسن صحيح – ۹۸۰ – صحيح

(۲)حواله سابق

(۳)أبو داؤد تحقيق الالبانى : باب تخفيف الأخريين : ۸۰۴ – صحيح

(۴)أبو داؤد تحقيق الالبانى : باب قدر القراءة في صلاة الظهر والعصر : ۸۰۶ – صحيح – ۸۰۵ – حسن صحيح

(۵)حواله سابق

(۶)ابن ماجه : باب القراءة في صلاة المغرب : ۸۳۳ – صحيح – عمدة القارى : باب القراءة في المغرب : ۶/۲۵

(۷)نسائی تحقيق الالبانى : باب القراءة في المغرب بقصار المفصل: ۹۸۳ – صحيح

(۸)مسلم : باب القراءة في العشاء : ۱۰۶۹

(۹) بخارى : باب إذا طول الإمام : ۷۰۱

عشاء میں اوساط مفصل اور نماز فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو(۱) طوال مفصل سورۃ ''ق'' (۲) تا سورۃ بروج، اوساط مفصل سورۃ بروج تا سورۃ لم یکن (۳) اور قصار مفصل سورۃ لم یکن تا سورۃ ناس۔(۴) کہلاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس سرکاری خط میں نماز ظہر وعصر کی قرأت کا ذکر آیا ہے، تاہم اوپر ذکر کردہ راویات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کی قرأت بھی نماز عشاء کے مانند ہے، البتہ نماز ظہر کے بارے میں احادیث مختلف ہیں، بعض راویات میں نماز ظہر میں قرأت مسنونہ کی مقدار وہ آئی ہے جو نماز فجر کی ہے یعنی ساٹھ آیتیں اور بعض میں نماز ظہر وعصر کی قرأت یکساں آئی ہے؛ اس لئے نماز ظہر کے سلسلہ میں امام، اپنے مقتدیوں کے احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے ،ان دو معمول نبوی میں سے جسے چاہے اختیار کرسکتا ہے۔(۵)

فائدہ: ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھنا مستحب ہے تاہم اگر کوئی اس کے خلاف کرے تب بھی کوئی مضائقہ و گناہ نہیں۔

حضرت ابوالعالیہؒ کہتے ہیں: مجھ سے اس شخصیت نے یہ حدیث بیان کی ہے جس نے براہ راست نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر سورت کے لئے مستقل رکعت ہے(٦)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں کامل سورت کا پڑھنا اچھا ہے تاہم نبی ﷺ سے

---

(۱)مصنف عبد الرزاق : باب ما يقرأ في الصلاة : ٢٦٧٢ وفى معنى أثر عمر ما رواه النسائى مرفوعاً بإسناد صحيح : باب القراءة في المغرب بقصار المفصل : ۹۸۳ – تحفة الأحوذي : باب ما جاء في القراءة في الصبح –

(۲)مسند احمد : مسند اوس بن حذيفةؓ : ١٩٠٤٣ – صحيح أو حسن : إعلاء السنن : ۳۷/۴

(۳) إعلاء السنن : ۳۸/۴

(۴)فتح الباري : باب الجهر في المغرب : ۲۵۰/۲ – حسن أو صحيح – إعلاء : ۳۷/۴

(۵)اعلاء السنن ۲۴/۴

(٦)طحاوى : باب جمع السور في ركعة : ٢٠٢٩– ٢٠٣٠ – مسند أحمد : حديث من سمع النبي صلى الله عليه وسلم : تحقيق شعيب الأرنؤوط : ٢٠٥٩٠ – إسناده صحيح

کبھی کبھار اس کے برخلاف عمل بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سورۃ کو دو رکعتوں میں تقسیم فرمایا تھا۔(۱) جس سے اس صورت کا جائز ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک قرآن پاک میں سورتوں کی ترتیب وحی خداوندی اور حکم نبوی کے موافق ہے، مصحف عثمانی میں باجماع صحابہ سورتوں کی وہی ترتیب برقرار رکھی گئی تھی؛ اس لئے نمازوں میں قرآن پاک اسی ترتیب کے مطابق پڑھنا چاہئے، اس کی خلاف ورزی کرنا کہبعد والی سورت کو پہلی رکعت میں اور پہلے والی سورۃ کو دوسری رکعت میں پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو الٹا قرآن پڑھتا ہے، فرمایا: وہ اوندھے والٹے دل والا آدمی ہے۔(۲)

(۱۸) پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل کرنا

مسنون یہ ہے کہ دوسری رکعت، قرأت کے اعتبار سے پہلی رکعت کے مقابلے میں مختصر ہو حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ضم سورۃ پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت لمبی کرتے تھے اور دوسری رکعت (اس کے مقابلے میں) مختصر اور عصر میں بھی (اسی طرح) سورہ فاتحہ اور ضم سورۃ پڑھا کرتے تھے اور آپ ﷺ فجر کی پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے اور دوسری کو مختصر۔(۳)

سنن ابوداؤد میں حضرت ابوقتادہؓ ہی سے یہ اضافہ بھی منقول ہے کہ ہم یہ خیال کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اس طرز عمل سے یہ چاہتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں(۴)

---

(۱)نسائی : تحقيق الالبانی : باب القراء ة في المغرب : ۹۹۱ – صحيح
(۲)طبرانی كبير : ۸۷۵۵ ، سند جيد : الاتقان في علوم القرآن : ۱۴۳۲
(۳)بخاری : باب القراء ة في الظهر : ۷۵۹
(۴) ابوداؤد:تحقيق الالبانی : باب ما جاء في القراء ة في الظهر : ۸۰۰ – صحيح

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلے میں طویل کرنا، امام محمدؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں مسنون ہے اوراس کی دلیل حدیث بالا ہے، ایک قول کے مطابق احناف کے یہاں اس رائے پر فتوی بھی ہے، خلاصہ میں اسے پسندیدہ رائے سے تعبیر کیا گیا ہے اور علامہ ابن ہمامؒ کا رجحان بھی اسی کی جانب ہے۔(۱)

(۱۹) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا

فرض نمازوں میں پہلی دو رکعت کے بعد والی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے پر اکتفاء کرنا مسنون ہے، حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر وعصر کی اخیر دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔(۲) اخیر کی ایک یا دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ فرض کی اخیر دو رکعتوں میں قرأت ہی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ان دونوں حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرو اور اخیر والی دو رکعتوں میں تسبیح پڑھ لو۔(۳)

(۲۰) تجوید کے ساتھ قرأت کرنا

حکم خداوندی کی رو سے انتہائی ضروری اور لازم ہے، ارشاد ربانی ہے اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً" (۴)

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ترتیل درحقیقت حروف کی با تجوید ادائیگی اور اوقاف کی شناخت کا نام ہے۔(۵)

---

(۱)فتح الملهم : ۲/۷۷

(۲)بخاری :باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب : ۷۷۶

(۳)مصنف ابن ابی شیبه : من كان يقول يسبح في الأخريين ولا يقرأ : ۳۷۶۳ – ۳۷۶۴ – مصنف عبد الرزاق : باب كيف القراءة في الصلاة : ۲۶۵۶ – صحيح : إعلاء السنن : ۳/۱۳۴

(۴)المزمل : ۴

(۵)النشر في القراءات العشر : ۱/۲۲۵ ، منار الهدى في بيان الوقف والابتدا : ۱/۹ ، الاتقان في علوم القرآن : ۱۱۲۲ – بغير سند

رکوع کی سنتیں

(۲۱) رکوع کی تکبیر کہنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ جھکنے، اٹھنے، بیٹھنے، کھڑے ہونے کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ بھی ۔(۱)

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں: امت مسلمہ تکبیرات انتقالات کے سنت ہونے پر متفق ہے (۲)☆

(۲۲) دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا

(۲۳) پکڑنے میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا

(۲۴) ہاتھوں کو پہلوں سے علیحدہ رکھنا

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہیتے خادم حضرت انسؓ سے یوں فرمایا: اے بیٹے! جب رکوع کروتو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھواور انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھواور ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھو۔(۳)

حضرت ابوحمیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس انداز سے رکھے کہ گویا کہ آپ ﷺ ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو قوس بنالیا اوران کو پہلوؤں سے علیحدہ رکھا۔(۴)

---

(۱)ترمذی :باب التکبیر عند الرکوع والسجود : ۲۵۳ – حسن صحیح – امام ترمذی

(۲)السعایۃ: ۲/ ۱۷۶ ☆تکبیرات انتقالات کہنے کا موقع کیا ہے اس بارے میں علماء کی تین رائے ہیں: (۱) پہلے تکبیر کہی جائے پھر رکن کی طرف منتقل ہو (۲) تکبیر کہتے ہوئے رکن کی طرف منتقل ہو (۳) رکن کی طرف جھکتے ہوئے تکبیر کا آغاز ہو اور رکن کی طرف منتقل ہونے پر تکبیر کا اختتام ہو، احادیث کی رو سے دوسرے طریقہ کی زیادہ تائید ہوتی ہے کیوں کہ عمل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے بغیر اس تفصیل کے کہ تکبیر کا آغاز جھکنے کی ابتداء پر اور اختتام جھکنے کے مکمل ہونے پر ہوا کرتا تھا۔(السعایہ ۲/ ۱۷۸)

(۳)مسند ابو یعلی : شریک عن أنسؓ : ۳۶۲۴، سند کے ایک راوی ضعیف ھیں ، مجمع الزوائد : باب الغسل من الجنابۃ : ۱۴۷۰

(۴)ترمذی :باب ما جاء أنه یجافي یدیه عن جنبیه في الرکوع : ۲۶۰ – حسن صحیح – امام ترمذي

(۲۵) پیٹھ کو سیدھی رکھنا

(۲۶) سر اور سُرین کو برابر رکھنا

حضرت وابصہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع فرماتے تو اپنی پیٹھ کو نہایت سیدھی رکھتے حد یہ کہ اگر پشت مبارک پر (بالفرض) پانی انڈیلا جاتا تو وہ ٹھہر جاتا ہوتا (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب آپ ﷺ رکوع فرماتے تو نہ سر کو اٹھاتے نہ جھکائے رکھتے بلکہ درمیانی حالت پر رکھتے (۲)

(۲۷) تین دفعہ تسبیح پڑھنا

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اسے چاہئے کہ تین دفعہ " **سبحان ربی العظیم** " کہے اور یہ کم از کم درجہ ہے (یعنی تکمیل سنت کا اولین درجہ ہے) اور جب سجدہ کرے تو اسے تین دفعہ " **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** " کہنا چاہئے اور یہ کم از کم درجہ ہے۔ (۳)

تسبیح پڑھنے میں سنت کا اعلیٰ درجہ گیارہ گیارہ دفعہ پڑھنا ہے، سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے:

حضرت انسؓ نے ارشاد فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو اس نو جوان (عمر بن عبد العزیزؒ) سے زیادہ نماز نبوی سے مشابہت رکھتا ہو۔ سعیدؒ کہتے ہیں ہم نے ان کے رکوع و سجود کا اندازہ دس دس تسبیحات سے لگایا (۴)

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے: یقیناً اللہ طاق اور یکتا ہے اور طاق ہی کو پسند فرماتا ہے (۵)

---

(۱) سنن ابن ماجه : تحقيق الالباني : ۸۶۲ – صحيح

(۲) مسلم : باب ما يجمع صفة الصلاة : ۱۱۳۸

(۳) ترمذی : باب ما جاء في التسبيح في الركوع والسجود : ۲۶۱ . صالح الاحتجاج : مرعاة المفاتيح : ۸۸۷

(۴) نسائی تحقيق الالباني : عدد التسبيح في السجود : ۱۱۳۵ – حسن

(۵) مسلم : باب فی اسماء الله تعالی : ۶۹۸۵

ملا علی قاری نقل فرماتے ہیں: ان دو روایات کے ملانے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ سنیت کا اعلی درجہ گیارہ گیارہ دفعہ کہنا ہے (۱) تاہم امام کو ان مواقع پر مقتدیوں کے احوال کی رعایت کرنا نہایت ضروری ہے اگر وہ رکوع وسجود میں اتنی تاخیر کرنے سے اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے ہوں تو امام تین دفعہ تسبیح کہنے پر اکتفاء کرے (۲) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے کہ امام کے لئے پانچ دفعہ تسبیح کہنا مستحب ہے۔(۳)

(۲۸) تسمیع (سمع الله لمن حمده) وتحمید (ربنالک الحمد) کہنا

(الف) تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے تسمیع وتحمید دونوں کہنا مسنون ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے وقت بھی تکبیر کہتے پھر جس وقت رکوع سے پشت کو اٹھاتے تو کہتے **سمع الله لمن حمده** پھر کھڑے ہونے کی حالت میں **ربنالک الحمد** کہتے۔(۴)

(ب) امام کے لئے بھی آیا تسمیع وتحمید دونوں مسنون ہیں یا صرف تسمیع؟ اس بارے میں علماء احناف کے دو نقطۂ نظر ہیں،

صاحبینؒ کے نزدیک دونوں مسنون ہیں، دلیل یہی اوپر والی روایت ہے جس کا تعلق بظاہر امامت ہی سے ہے، امام طحاویؒ، امام فضلیؒ، اور متأخرین کی ایک بڑی جماعت اس رائے کی موید ہے یہی امام شافعیؒ واحمدؒ کا بھی مسلک ہے۔(۵) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام کے لئے تسمیع پر اکتفاء کرنا مسنون ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، جب امام **سمع الله لمن حمده** کہے تو **اللهم ربنالک الحمد** کہو(۶)

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۸۸۳ – ۲/۵۵۷
(۲) السعاية: ۲/۱۸۳
(۳) ترمذی: باب التسبيح في الركوع والسجود: ۲۶۱
(۴) بخاری: باب التكبير إذا قام من السجود: ۷۸۹
(۵) اعلاء السنن ۳/۱۱، الفقه الاسلامی ۲/۸۹۱
(۶) بخاری: باب فضل اللهم ربنا لک الحمد: ۷۹۶

یہاں اس روایت میں امام اور مقتدی دونوں کا دائرہ کار تقسیم کردیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ امام کو یہ دونوں اذکار جمع کرنے چاہئے نہ مقتدی کو، عام متون احناف : میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے(۱)

(ج) مقتدی کے لئے صرف تحمید پر اکتفاء کرنا مسنون ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب امام **سمع الله لمن حمده** کہے تو تم **ربنالک الحمد** کہو۔(۲) ☆اس جیسی متعدد روایات میں مقتدی کا وظیفہ صرف تحمید بتلایا گیا ہے اور اس کے برخلاف ایسی کوئی روایت موجود نہیں جس سے مقتدی کے لئے تسمیع وتحمید کا جمع کرنا معلوم ہوتا ہو۔☆

---

(۱)اعلاء السنن ۳/۱۱ ، الفقه الاسلامی ۲/۸۹۱

(۲)بخاری :باب ایجاب التکبیر وافتتاح الصلاۃ : ۷۳۳

☆ فائدہ: روایات میں تحمید کے مختلف الفاظ وصیغے وارد ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱)ربنالک الحمد (بخاری: باب التکبیر إذا قام من السجود : ۷۸۹) ربنا ولک الحمد (بخاری: باب التکبیر إذا قام من السجود : ۷۸۹) (۳) اللھم ربنا لک الحمد (بخاری: باب فضل اللھم ربنا لک الحمد (۴) اللھم ربنا ولک الحمد (بخاری: باب ما یقول الإمام ومن خلفه إذارفع رأسه من الرکوع : ۷۹۵) ان میں سے جو صیغہ چاہے تحمید کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے۔

فائدہ: رکوع وسجدہ، قومہ وجلسہ میں صحیح روایات کے حوالے سے بہت سارے اذکار ودعائیں بھی وارد ہوئی ہیں، امام شافعیؒ انہی روایات کے پیش نظر امام، مقتدی، منفرد، مفترض ومتنفل ہر ایک کے لئے ان کا پڑھنا مسنون قرار دیتے ہیں، جب کہ احناف ان دعاؤں کو نوافل پر محمول کرتے ہیں یا یہ کہتے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی بیان جواز کے لئے فرائض میں انہیں پڑھا ہے، امام طحاویؒ کا خیال ہے کہ ان اذکار وادعیہ کو رکوع وسجود میں پڑھنے کا معمول اس زمانے میں تھا جب کہ رکوع اور سجدہ کی تسبیح مقرر نہیں ہوئی تھی لیکن جب **فسبح باسم ربک العظیم** (سورۂ واقعہ ۹۶) اور **سبح اسم ربک اعلی** (سورۂ اعلی:۱)

ان آیات کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کی تسبیح مقرر کرنے کا حکم فرمایا جس کے ساتھ ہی رکوع وسجود میں ان اذکار ودعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ منسوخ ہوا۔(طحاوی : باب ما ینبغی أن یقال في الرکوع والسجود : ۱۴۱۷ ، السعایه: ۲/۱۹۰۔۱۹۱)

فائدہ: قومہ میں ہاتھ باندھ لینے چاہیئے یا اپنی حالت پر کھلے چھوڑ نا چاہیئے، اس بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے، امام ابوحفصؒ، علامہ حلوانیؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ ہاتھ کھلے چھوڑ نا چاہیئے، جب کہ قاضی ابوعلی نسفیؒ، شیخ اسماعیل الزاہدؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ قومہ میں بھی قیام کی طرح ہاتھ باندھ لینے چاہیئے، اصل بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی صریح حدیث موجود نہیں، جس کی بناء پر علماء نے قیاس کا سہارا لیا ہے۔

پہلی جماعت کہتی ہے چونکہ قومہ میں قیام کی طرح کوئی چیز پڑھنا نہیں ہے، اسلئے ہاتھ باندھنا بھی نہیں ہے، دوسری جماعت کہتی ہے چونکہ قومہ میں تسمیع وتحمید مسنون ہے، اسلئے ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے، علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں: اگر قومہ میں طویل ذکر کرنے کا ارادہ ہو - جیسے بعض روایات میں نوافل کے قومہ میں طویل طویل اذکار منقول ہیں- تو ہاتھ باندھ لینا چاہیئے، ورنہ ہاتھ نہ باندھے، اسلئے کہ لمحہ بھر کیلئے ہاتھ باندھنا پھر کھولینا بے فائدہ ہے(۱)

سجدہ کی سنتیں

(۲۹) سجدہ کی طرف تکبیر کہتے ہوئے منتقل ہونا

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے دنیا سے پردہ فرمانے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز رہی،(۲)

(۳۰) سجدہ میں پہلے دونوں گھٹنوں کو رکھنا

(۳۱) پھر دونوں ہاتھوں کو رکھنا

(۳۲) پھر چہرہ یعنی ناک پھر پیشانی کو رکھنا

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) السعایۃ: ۲/۱۵۷. بدائع الصنائع: ۱/۴۶۹، سنن الصلوۃ
(۲) موطامالک: باب افتتاح الصلاۃ: ۱۶۴

سجدہ فرماتے تو دونوں ہاتھوں کے رکھنے سے قبل گھٹنوں کو رکھتے (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھے اور اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے (۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: سجدہ کے لئے جھکنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے، ہاتھوں پر سبقت کرتے تھے۔(۳)

حضرت عمرؓ سے بھی سجدہ میں جانے کا یہی طریقہ ثابت ہے، (۴) حضرت ابراہیم نخعیؒ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ ٹیکتا ہے پھر گھٹنے رکھتا ہے حضرت ابراہیم نخعیؒ نے جواب دیا: ایسا کام ناواقف انسان ہی کرسکتا ہے۔(۵)

(۳۴) دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنے چہرہ کو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے۔(۶)

حضرت وائل حجرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سجدہ فرمایا یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے انگوٹھوں کو کانوں کے پاس میں دیکھا۔(۷)

---

(۱)ترمذی :باب في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود : ۲۶۸ – حسن غريب امام ترمذی ، حسن : آثار السنن : ۱/۱۱۷

(۲)مصنف ابن أبي شيبة : باب في الرجل إذا انحط إلى الركوع أي شيئ يقع منه قبل إلى الأرض : ۱/۲۷۷ – له شاهد من حديث وائل بن حجر : محمد عوامه

(۳)مستدرک حاکم مع تعليقات الذهبي : باب التأمين: ۸۲۲ – صحيح على شرط الشيخين

(۴)طحاوی :باب ما يبدأ بوضعه في السجود : ۱۵۲۸ – صحيح – آثار السنن : ۱/۱۱۷

(۵)طحاوی :باب ما يبدأ بوضعه في السجود : ۱۵۳۰ – أثر محفوظ : زاد المعاد : مبحث في ترجيح وضع الركبتين قبل اليدين : ۱/۲۱۵ ☆ ☆امام شافعیؒ واحمدؒ کے یہاں بھی سجدہ میں جانے کا یہی طریقہ مسنون ہےامام مالکؒ کے نزدیک پہلے ہاتھ رکھنا پھر گھٹنے ٹیکنا مسنون ہے۔(الفقہ الاسلامی:۲/۸۹۲)

(۶)مسلم : باب وضع يده اليمنى على اليسرى : ۹۲۳

(۷)نسائی تحقيق الالبانی : باب مكان اليدين من السجود : ۱۱۰۲ – صحيح

حضرت وائل بن حجرؓ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنی انگلیاں ملا لیتے۔(۱)

(۳۴) سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے الگ رکھنا

حضرت میمونہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنے شکم مبارک کو اپنی رانوں سے اس قدر دور رکھتے کہ درمیان سے اگر کوئی بکری کا بچہ گذرنا چاہے تو گذر سکے۔(۲)

(۳۵) پہلوؤں کو بازوؤں سے الگ رکھنا

حضرت احمر بن جزء سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے علیحدہ رکھتے۔(۳)

(۳۶) کہنیوں کو زمین سے الگ رکھنا

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو نہ اپنے ہاتھوں کو بچھا کر رکھتے نہ سمیٹ کر اور آپ ﷺ اپنے پیروں کی انگلیوں کے کناروں کو قبلہ رخ رکھتے۔(۴)

(۳۷) سُرین کو ایڑیوں سے دور رکھنا

حضرت براء بن عازبؓ رسول اللہ ﷺ کی سجدہ کی ہیئت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: آپ ﷺ نے سرین کو اٹھائے رکھا (یعنی ایڑیوں پر ٹکا یا نہیں)۔(۵)

(۱) المعجم الكبير : ۱۷۴۹۵ ، حسن : مجمع الزوائد : باب صفة الصلاة : ۲۸۰۷
(۲) مسلم :باب ما يجمع صفة الصلاة : ۱۱۳۵
(۳) أبو داؤد تحقيق الالباني : باب صفة السجود : ۹۰۰ – حسن صحيح
(۴) بخاری : باب سنة الجلوس في التشهد : ۸۲۸
(۵) السنن الكبرى للبيهقي : باب يفرج بين رجليه ويقل بطنه عن فخذيه : ۲۸۲۱ – حسن – خلاصة الأحكام : ۱/۴۱۳ – مصنف ابن أبي شيبة : تحقيق محمد عوامه التجافی في السجود : ۲۶۶۵ – مؤيد بالحديث الصحيح .

(۳۸) سجدہ میں تین دفعہ تسبیح کہنا

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اسے چاہئے کہ تین دفعہ " **سبحان ربی العظیم** " کہے اور یہ کم از کم درجہ ہے (یعنی تکمیل سنت کا اولین درجہ ہے) اور جب سجدہ کرے تو اسے تین دفعہ " **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** " کہنا چاہئے اور یہ کم از کم درجہ ہے۔(۱)

(۳۹) سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر کہنا

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک دفعہ لوگوں کو نماز پڑھائی جس میں آپؓ نے تکبیر کہی جب جب آپؓ جھکے اور جب جب آپؓ اٹھے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمایا: نماز کے اعتبار سے میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہوں۔(۲)

جلسہ کی سنتیں

(۴۰) دو سجدوں کے درمیان قعدہ کی طرح بیٹھنا

حضرت ابو حمید ساعدیؓ فرماتے ہیں: پھر آپ ﷺ زمین کی طرف جھکتے پھر کھل کر سجدہ فرماتے پھر اپنے سر کو اٹھاتے اور بائیں پیر کو موڑ کر اس پر بیٹھ جاتے۔(۳)

فائدہ: جلسہ میں ایک تسبیح کے بقدر بیٹھنا واجب ہے اور تین تسبیح کے بقدر بیٹھنا مسنون ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اطمینان سے بیٹھ جاؤ ، پھر دوسرا سجدہ کرو۔(۴)

---

(۱) ترمذی :باب ما جاء في التسبيح في الركوع والسجود : ۲۶۱ . صالح الاحجاج : مرعاة المفاتيح : ۸۸۷

(۲) بخاری: باب اتمام التكبير في الركوع : ۷۸۵

(۳) ترمذی :باب ما جاء في وصف الصلاة : ۳۰۴ – حسن صحيح : امام ترمذی

(۴) بخاری : باب أمر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا يتم ركوعه بالإعادة : ۷۹۳

فقہاء نے اطمینان کی تشریح اسی انداز پر کی ہے۔(۱)

فائدہ: جلسہ میں نبی کریم ﷺ سے بعض دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے، احناف ان روایات کو یا تو نوافل پر محمول کرتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھار آپ ﷺ نے فرائض میں بھی بیان جواز کے لئے ان کو پڑھا ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: دو سجدوں کے درمیان کم از کم **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ** پڑھ لینا بہتر اور مناسب ہے؛ اس لئے کہ اتنی دعا کا پڑھنا امام احمدؒ کے یہاں واجبات نماز میں سے ہے جسے عمداً ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔(۲)

(۴۱) دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں پہلے سر اٹھانا پھر ہاتھ پھر گھٹنے

حضرت وائل بن حجرؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے۔(۳)

(۴۲) اٹھنے میں زمین کا سہارا نہ لینا

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی جب نماز میں اٹھ کھڑے ہو تو اپنے ہاتھوں پر سہارا لے؛(۴) البتہ اگر عذر ہو تو ہاتھوں سے زمین کا سہارا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ فرض نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی دو رکعتوں میں (قعدہ اولی سے) کھڑا ہو تو زمین پر سہارا نہ لے الاّ یہ کہ وہ بوڑھا ہو اور ایسا نہ کرسکتا ہو۔(۵)

---

(۱) السعایہ: ۲/ ۲۰۸

(۲) شامی: ۱/ ۳۷۳

(۳) ترمذی: باب في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود: ۲۶۸ – حسن: آثار السنن: ۱/ ۱۱۷

(۴) أبو داؤد تحقيق الالبانی: باب كراهية الاعتماد على اليد في الصلاة: ۹۹۴ – صحيح

(۵) السنن الكبرى للبيهقي: باب الاعتماد بيديه على الأرض: ۲۹۲۶ – مصنف ابن أبي شيبة: باب في الرجل يعتمد على يديه في الصلاة: ۴۰۲۰، سند کے ایک راوی ضعیف ھے – محمد عوامہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔(۱)

(۴۳) جلسہ استراحت نہ کرنا

حضرت عباسؒ یا عیاشؒ بن سھل الساعدی سے مروی ہے کہ وہ ایک ایسی مجلس میں حاضر تھے جس میں ان کے والد جو صحابی رسول تھے وہ اور حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوحمید ساعدیؓ، حضرت ابوسعیدؓ بھی تشریف فرما تھے، حضرت عباس یا عیاش کے والد نے حضرت سھل ساعدیؓ سے حدیث بیان کی جس میں یہ ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی اور (دوسرا) سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں کیا یعنی کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھے نہیں۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز کی پہلی اور تیسری رکعت میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہ تھے(۳) امام شعبیؒ کہتے ہیں، حضرت عمرؓ و علیؓ اور صحابہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔(۴)

حضرت نعمان بن عیاشؒ سے مروی ہے کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو پایا کہ وہ جب اپنا سر پہلی یا تیسری رکعت کے سجدے سے اٹھاتے تو اسی حال میں کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہیں تھے۔(۵)

عذر کی بنا پر یا موٹاپے کی وجہ سے جلسۂ استراحت کی ضرورت پڑتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بعض روایات سے جلسۂ استراحت کا جو ثبوت ملتا ہے احناف نے ان کو حالت عذر

---

(۱) ترمذی : باب ماجاء کیف النهوض من السجود : ۲۸۸ – له شواهد صحيحة : إعلاء : ۵۰/۳

(۲) ابوداؤد : باب افتتاح الصلاة : ۷۳۳ – صحیح – آثار السنن : ۱۲۰/۱

(۳) معجم کبیر طبرانی : ۹۲۲۵ – صحیح : مجمع الزوائد : باب صفة الصلاة : ۲۸۱۲

(۴) مصنف ابن ابی شیبه : باب من ینهض علي صدور قدمیه : ۴۰۰۴ – سكت عليه المحقق محمد عوامه : أسانيد صحيحة : أرواء الغليل : ۳۶۳ : ۸۴/۲

(۵) مصنف ابن ابی شیبه : باب من کان یقول إذا رفعت رأسک من السجدة الثانية في الركعة الأولى فلا تقعد : ۴۰۱۱ – حسن – آثار السنن : ۱۲۱/۱

پر محمول کیا ہے، اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا، کھڑے ہونے اور رکوع وسجدہ کرنے میں مجھ سے سبقت مت کرو اس لئے کہ میرا بدن اب بھاری ہو گیا ہے(۱)

فائدہ(۱): دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح پڑھی جائے گی البتہ دوسری رکعت میں نہ تکبیر تحریمہ ہے نہ کانوں تک ہاتھ اٹھانا ہے نہ ہی ثنا وتعوذ پڑھنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب دوسری رکعت میں اٹھتے تو الحمدللہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے (ثناء وغیرہ) کے لئے خاموش نہ رہتے۔(۲)

قعدۂ اولی کی سنتیں

(۴۴) دائیں پیر کو کھڑا رکھنا اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔(۳)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا ہو اور اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور نشست بائیں پاؤں پر ہو۔(۴)

(۴۵) دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ (قعدہ میں) دونوں ہاتھ رانوں پر رکھتے تھے۔(۵)

---

(۱)طبرانی کبیر: ۱۵۵۸ – صحیح : مجمع الزوائد : باب متابعة الإمام : ۲۴۱۱ – أبو داؤد تحقیق الالبانی : باب ما یؤمر به المأموم من اتباع الإمام : ٦١٩ – حسن صحیح ☆

☆ جلسہ استراحت تنہاء امام شافعیؒ کے یہاں مسنون ہے امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک بھی یہ مسنون نہیں۔ (الفقہ الاسلامی: ۲/۸۹۹)

(۲)مسلم: باب ما یقال بین تکبیرة الاحرام والقراءة : ۱۳۸۴

(۳) مسلم :باب ما یجمع صفة الصلاة : ۱۱۳۸

(۴) بخاری : باب سنة الجلوس في التشهد : ۸۲۷

(۵) مسلم : باب صفة الجلوس في الصلاة : ۱۳۳٦

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی کو داہنی ران پر رکھتے اور تمام انگلیوں کو موڑے ہوئے رکھتے، انگشت شہادت سے اشارہ کرتے اور اپنی بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے۔(۱) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں: دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھنا فعلِ نبوی ﷺ ہے۔(۲)

فائدہ: امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ رانوں پر ہاتھ اس انداز سے رکھے جائیں کہ انگلیوں کے سرے گھنٹوں کے نزدیک ہوں، امام طحاویؒ کا خیال یہ ہے کہ رکوع کی طرح قعدہ میں بھی ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جائیں، احادیث سے یہ دونوں طریقے ثابت ہیں؛(۳)

البتہ پہلا طریقہ افضل ہے کیوں کہ اس کے اختیار کرنے کی صورت میں انگلیاں قبلہ رخ رہیں گی جب کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں انگلیوں کا رخ زمین کی طرف ہوگا۔(۴)

(۴۶) تشہد ابن مسعودؓ پڑھنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اہتمام سے مجھے تشہد سکھایا جیسے قرآنی سورۃ کی آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی تھی، میرا ہاتھ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی قعدہ میں بیٹھے تو یوں کہے:

---

(۱) مسلم : باب صفة الجلوس في الصلاة : ۱۳۳۹

(۲) طبرانی : عن معاذؓ

(۳) مسلم : باب صفة الجلوس في الصلاة : ۱۳۳۶ – ۱۳۳۷ – نسائی تحقیق البانی : بسط الیسری علی الرکبة : ۱۲۶۹ – صحیح

(۴) السعایہ: ۲/۲۱۵ – مرقاۃ المفاتیح : باب التشهد : ۹۰۸

" اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" (۱)☆

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اور تشہد کے سلسلہ میں یہ سب سے صحیح ترین حدیث ہے، اکثر اہل علم حضرات صحابہ کرامؓ وتابعین عظامؒ نے اسی تشہد کو اختیار کیا ہے۔(۲)

قعدہ اولی میں صرف تشہد پر اکتفاء کرنا چاہیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب درمیان نماز میں ہوتے تو تشہد سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے (۳) ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعتوں میں ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توے پر ہیں حتی کہ (فوراً) کھڑے ہو جاتے۔(۴)

(۴۷) تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا

حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشہد میں انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے ہوئے ہیں اور انگشت شہادت سے اشارہ فرما رہے ہیں، (۵)

---

(۱) بخاری: باب التشهد في الأخرة : ۸۳۱..

☆ ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی تصریح کے مطابق تقریباً دس صحابہ سے تشہد کے کلمات معمولی معمولی فرق کے ساتھ منقول ہیں تاہم ان تمام میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول تشہد کئی ایک وجوہ سے فوقیت اور افضلیت کا درجہ رکھتا ہے، علامہ لکھنویؒ نے فقہاء احناف کے حوالوں سے پندرہ معنوی وفنی وجوہ ترجیح بیان کی ہیں۔(السعایہ:۲/۲۲۶)

(۲) ترمذی: باب التشهد : ۲۸۹

(۳) صحیح ابن خزیمة : باب اخفاء الشتهد : ۷۰۸ – صحیح : مجمع الزوائد : باب التشهد والجلوس : ۲۸۶۰

(۴) مستدرک مع تعلیقات الذهبي : باب التأمين : ۹۹۳ – صحیح

(۵) سنن ابن ماجة تحقيق الالبانی : باب الإشارة في الشتهد : ۹۱۲ – صحیح

ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے (تشہد میں) دو انگلیوں کو موڑے رکھا اور حلقہ بنایا، بشر راوی کہتے ہیں انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنایا اور انگشت شہادت کے ذریعہ اشارہ فرمایا (۱) ایک اور روایت میں مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خنصر اور بنصر کو موڑے رکھا، پھر درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے ذریعہ حلقہ بنایا اور انگشت شہادت کے ذریعہ اشارہ فرمایا۔(۲)

انگلی سے اشارہ کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ اشارہ شیطان پر لوہے سے زیادہ بھاری ہے، (۳) یعنی میدان جہاد میں دشمنانِ اسلام کے خلاف آہنی ہتھیار اٹھانے سے زیادہ ناگوار شیطان کے نزدیک تشہد میں انگلی کے ذریعہ اشارہ کرنا ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اس اشارہ توحید کے ذریعہ نمازی، شیطان کی، بندگان خدا کو شرک میں مبتلا کرنے کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔(۴)

فائدہ: یہاں چند امور قابل تحقیق ہیں:

۱) اشارہ کا وقت کیا ہے؟

۲) اشارہ کا طریقہ کیا ہے؟

۳) اشارہ ایک بار کرنا ہے یا مسلسل کرتے رہنا ہے؟

۴) اشارہ کے وقت باقی انگلیوں کی کیفیت کیا ہو؟

۵) انگلیاں شروع تشہد سے موڑ کر رکھی جائیں یا اشارہ کے موقع پر موڑی جائیں؟

۶) اشارہ کے بعد انگلیوں کو کھول دیا جائے یا سابقہ کیفیت پر سلام تک برقرار رکھا جائے؟

ان امور کی تفصیل ترتیب وار ملاحظہ ہو:

---

(۱)أبو داؤد تحقيق الالبانی : باب كيف الجلوس في التشهد ؟ ۹۵۸ – صحيح

(۲)السنن الكبرى للبيهقي : باب ما روي في تحليق الوسطى بالابهام : ۲۸۹۵ – صحيح : خلاصة الأحكام : باب كيفية وضع اليدين على الفخذين : ۱۳۸۴

(۳)مسند احمد :مسند عبد الله بن عمرؓ : ۶۰۰۰ – سند کے ایک راوی مختلف فیه هیں – مجمع الزوائد : باب التشهد : ۲۸۵۰

(۴)السعاية : ۲/۲۱۷

(۱) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کرتے تو انگلی کے ذریعہ اشارہ کرتے۔(۱) بظاہر یہاں دعا سے مراد دعائے توحید لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ ہے،(۲) اوران الفاظ پر دعا کا اطلاق خود احادیث سے ثابت ہے چنانچہ متعدد احادیث میں درج ذیل کلمات " لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ " کو دعائے کرب (کرب ومصیبت کو دور کرنے والی دعا) سے تعبیر کیا گیا ہے،(۳) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اشارۃ تشہد کی حقیقت اخلاص سے (۴) اور حضرت خفاف بن ایماء نے توحید کے ذریعہ بیان فرمائی ہے(۵) اور اخلاص وتوحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں ہے، پس اشارہ کا موقع بھی لا الہ الا اللہ پر پہنچنے کے وقت ہوگا۔

(۲) اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انگشت شہادت کو قدرے موڑ کر قبلہ رخ کیا جائے اور نگاہ اشارہ پر مرتکز کی جائے۔(۶)

حضرت مالک بن نمیر خزاعیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشہد کی حالت میں دیکھا کہ انگشت شہادت کو کسی قدر موڑ کر اٹھائے ہوئے ہیں۔(۷)

---

(۱) نسائی تحقیق البانی : باب بسط الیسری علی الرکبة : ۱۲۷۰ – صحیح

(۲) مرقاۃ المفاتیح : باب التشهد : ۹۱۲

(۳) مسلم : باب دعاء الکرب : ۷۰۹۷

(۴) السنن الکبری للبیهقي : باب ما ینوي المشیر بإشارته : ۲۹۰۶ – مصنف ابن أبي شیبة : باب في الدعاء في الصلاة بأصبع : ۸۵۱۵ – سکت علیه المحقق محمد عوامه

(۵) السنن الکبری للبیهقي : باب ما ینوي المشیر بإشارته : ۲۹۰۴ – طبرانی کبیر : ۴۱۷۶ – رجاله ثقات : مجمع الزوائد : ۲۸۴۳

(۶) عون المعبود : باب الإشارة في التشهد : ۹۹۱

(۷) أبو داؤد : باب الإشارة في التشهد : ۹۹۳ – خبر صحیح : مرقاۃ المفاتیح : ۴۷۹/۲ – باب صفة الصلاة

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ اشارہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اشارہ سے آگے نہ بڑھتی تھی۔(۱)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کے موقع پر انگشتِ شہادت کو قبلہ کی جانب کرتے اور نگاہ اس پر مرتکز کر دیتے۔(۲)

(۳) لا الہ الا اللہ پر چوں کہ دعائے توحید کا اختتام ہو جاتا ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ ہی اشارہ بھی ختم ہو جائے گا، بار بار اشارہ کرتے رہنا مناسب نہیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ جب دعاء کرتے تو اپنی انگلی کے ذریعہ اشارہ کرتے اور اس کو حرکت دیتے نہ رہتے۔(۳)

واضح ہو کہ وائل بن حجرؓ کی روایت میں اس کے برخلاف یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے انگلی اٹھائی پھر میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ اس کو حرکت دے رہے ہیں، امام بیہقیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، حرکت دینے سے مراد اس کے ذریعہ اشارہ کرنا ہے نہ کہ بار بار اس کو حرکت دینا اس لحاظ سے یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت کے مطابق وموافق ہے۔(۴)

علامہ ابن ہمامؒ: شمس الائمہ حلوائیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لا الہ (نہیں ہے کوئی معبود) کہتے ہوئے انگلی اٹھائے اور الا اللہ (سوائے اللہ کے) پر گرا دے تاکہ انگلی اٹھانے سے غیر اللہ کی نفی کا اشارہ ہو اور انگلی رکھنے سے توحید کے اثبات کا۔(۵)

---

(۱)أبو داؤد تحقيق الالبانی : باب الإشارة في التشهد : ۹۹۲ – حسن صحيح

(۲)نسائی تحقيق الالبانی : باب موضع البصر في التشهد : ۱۱۶۰ – حسن صحيح – السنن الكبرى للبيهقي : باب الإشارة بالمسبحة إلى القبلة : ۲۹۰۱

(۳)أبو داؤد : باب الإشارة في التشهد : ۹۹۱ – حسن : تعليقات شعيب الأرنؤوط على مسند أحمد : ۱۸۸۷۰

(۴)السنن الكبرى للبيهقى : باب من روي أنه أشار بها ولم يحركها : ۲۸۹۹

(۵)فتح القدير : ۱/ ۳۱۳ – ناشر دار الفكر

(۴)　اشارہ کے وقت باقی انگلیاں کس کیفیت پر ہوں، اس کی تفصیل اس طرح ہے:

(الف)　خنصر (چھوٹی انگلی) بنصر (چھوٹی انگلی سے لگی ہوئی انگلی) بند ہوں، درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا ہوا اور انگشت شہادت کے ذریعہ اشارہ ہو۔(۱)

(ب)　خنصر، بنصر، وسطی (درمیانی انگلی) بند ہو، انگشت شہادت کھلی ہوئی ہو اور انگوٹھا اس کی جڑ میں لگا ہوا ہو، احادیث میں اس کیفیت کو ترپن، عدد کی علامت کے ذریعہ تعبیر کیا گیا ہے۔(۲)

(ج) خنصر، بنصر، وسطی بند ہوں، انگشت شہادت کھلی ہوئی ہو اور انگوٹھا، درمیانی انگلی سے لگا ہوا ہو، احادیث میں اس کو تیئیس (۲۳) عدد کی علامت کے ذریعہ تعبیر کیا گیا ہے (۳) احناف کے یہاں پہلا طریقہ رائج ہے۔(۴)

(۵)　انگلیاں شروع تشہد ہی سے موڑ کر نہ رکھی جائیں بلکہ اشارہ کے موقع پر موڑی جائیں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ جب بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھ دیتے اور اپنی انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے سے متصل انگلی کے ذریعہ اشارہ فرماتے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے۔(۵)

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: انگلیوں کے بند کرنے کے ساتھ ساتھ ہتھیلی کا رکھنا متصور نہیں ہوسکتا اس بنا پر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اولاً ہتھیلی کو آپ ﷺ کھلی رکھتے پھر اس کے بعد اشارہ کرنے کے لئے انگلیاں بند کر لیتے۔(٦)

(۱) السنن الکبری للبیھقي : باب ما روي في تحليق الوسطى بالابهام : ۲۸۹۵ – صحيح – خلاصة الأحكام : ۱۳۸۴
(۲) مسلم : باب صفة الجلوس في الصلاة : ۱۳۳۸ – مرقاة المفاتيح : باب التشهد : ۹۰٦
(۳) مسلم : باب صفة الجلوس في الصلاة : ۱۳۳٦ – مرقاة المفاتيح : باب التشهد : ۹۰٦
(۴) مرقاة المفاتيح : باب التشهد : ۹۰٦
(۵) مسلم : باب صفة الجلوس في الصلاة : ۱۳۳۹
(٦) فتح القدير : ناشر دار الفكر : ۳۱۳/۱

طحاوی کی روایت میں اس مفہوم کی تقریباً صراحت ہے: وائل بن حجرؓ کہتے ہیں اور آپ ﷺ نے اپنی داہنی ہتھیلی کو داہنی ران پر رکھا پھر اپنی انگلیاں موڑی اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنایا پھر دوسری انگلی (انگشت شہادت) کے ذریعہ دعا کرنے لگے(۱)

(۶) اشارہ کرنے کے بعد انگلیوں کو کھولا نہ جائے بلکہ بدستور حلقہ برقرار رکھا جائے، اس تعلق سے اگر چہ کوئی تصریح موجود نہیں تاہم چوں کہ اشارہ کے وقت حلقہ بنانے کا صراحتہً تذکرہ کتب احادیث میں موجود ہے اور اشارہ کی بعد کی کیفیت کے بارے میں احادیث خاموش ہیں؛ اس لئے یہاں سابقہ حالت یعنی حلقہ بنائے رکھنے ہی کی حالت کو اختیار کرنا بہتر و مناسب ہے۔

اس موقف کی تائید ترمذی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ عاصم بن کلیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس داخل ہوا آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ اپنی انگلیاں موڑے ہوئے تھے البتہ انگشت شہادت پھیلی ہوئی تھی اور آپ ﷺ فرمارہے تھے: یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ۔(۲)

یہاں تشہد کے بعد دعا کے موقع پر انگلیوں کا اس حالت پر رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تشہد سے فراغت کے بعد بھی حلقہ کو برقرار رکھنا چاہئے۔(۳)

---

(۱)طحاوی : باب صفة الجلوس کیف هو ؟ ۱۵۴۲ – احتج به الطحاویؒ

(۲)ترمذی : باب نمر : ۱۲۵ ، حدیث نمبر : ۳۵۸۷ ، غریب من هذا الوجه: امام ترمذی

(۳)السعایه : ۲/۲۲۱

قعدہ اخیرہ کی سنتیں

(۴۸) قعدہ اخیرہ میں قعدہ اولی کی کیفیت ہی پر بیٹھنا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (قعدہ میں) اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔(۱) ☆

(۴۹) قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا

تشہد سے فراغت کے بعد درود شریف کا پڑھنا قعدہ اخیرہ میں مسنون ہے، صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ درود کی تعلیم دی تھی:

" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ " (۲)

(۵۰) دعائے ماثورہ پڑھنا

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھلا دیجئے جس کے ذریعہ میں اپنی نماز میں دعا کروں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہو:

---

(۱) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلاة : ۱۱۳۸ ☆ یہاں اختلاف ائمہ جاننے سے قبل ان دو الفاظ کی حقیقت سمجھ لی جائے (۱) افتراش: بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر سرین رکھنا اور دائیں پاؤں کو انگلیوں اور پنجوں کے سہارے کھڑا رکھنا (۲) تورّک: دائیں پاؤں کو تو مذکورہ کیفیت ہی پر رکھنا البتہ بائیں پاؤں کو سیدھی جانب نکال کر بایاں سرین زمین سے لگا دینا (السعایہ: ۲/۲۳۴)

امام مالکؒ کے نزدیک قعدۂ اولی وقعدۂ اخیرہ دونوں میں تورک مسنون ہے امام شافعیؒ کے نزدیک صرف قعدہ اخیرہ میں تورک مسنون ہے اور قعدۂ اولی میں افتراش مسنون ہے،

امام احمدؒ کے نزدیک دو رکعت والی نماز کے قعدہ میں اسی طرح تین یا چار رکعت والی نماز کے قعدۂ اولی میں بھی افتراش ہی مسنون ہے، البتہ تین چار رکعت والی نماز کے صرف قعدۂ اخیر میں تورک مسنون ہے (الفقہ الاسلامی: ۲/۹۰۱)

(۲) بخاری : أحادیث الأنبیاء : ۳۳۷۰

''اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ'' (۱)

تشہد کی طرح درود ودعا کے بھی مختلف صیغے احادیث میں وارد ہوئے ہیں؛ لیکن حنفیہ کے نزدیک مذکورہ بالا درود ودعا کو اختیار کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں نماز میں آدمی تشہد پڑھے پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔(۲)

(۵۱) داہنی طرف سے سلام کی ابتداء کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ دائیں طرف اور بائیں طرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہہ کر سلام پھیرتے تھے(۳)

(۵۲) سلام میں امام کو مقتدیوں، فرشتوں اور صالح جنات کی نیت کرنا

(۵۳) مقتدی کو امام، فرشتوں اور صالح جنات اور مقتدیوں کی نیت کرنا

(۵۴) منفرد کو صرف فرشتوں کی نیت کرنا

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے(۴)

(۵۵) دوسرے سلام کی آواز کو پہلے سلام کی آواز سے پست رکھنا

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا دائیں طرف والا فرشتہ بائیں طرف والے فرشتہ کا امیر ہے(۵)

---

(۱) بخاری :باب الدعاء قبل السلام : ۸۳۴

(۲) المستدرک مع تعلیقات الذهبي : باب التأمین : ۹۹۰ – صحیح

(۳) ترمذی باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ: ۲۹۵)

(۴) بخاری حدیث نمبر ۱)

(۵) کنز العمال ، حدیث نمبر ۱۰۲۱۲ . تفسیر ابن کثیر :۳۷۶/۴سورۃ الرعد.طحطاوی علی مراقی: ۲۷۶/۱)

نماز کے بعد دعا کرنا

نماز کے بعد دعا کرنا قول نبی اور فعل نبی ﷺ دونوں سے ثابت ہے، حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کونسی دعا جلد سن لی جاتی ہے؟ فرمایا: رات کے اخیر حصہ کی اور فرض نمازوں کے بعد کی۔(۱)

حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذؓ مجھے تم سے محبت ہے تو تم ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا نہ چھوڑو کہ: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ۔(۲) حضرت علی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو یہ دعاء فرماتے:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ" (۳)

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں: جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تو تین دفعہ استغفار پڑھتے اور کہتے:

:"اَللّٰھُمَ اَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْکَ السَّلاَمُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلاَلِ وَالاِکْرَامِ" (۴)☆

---

(۱)ترمذی تحقیق الالبانی : باب : ۷۹ ، حدیث نمبر : ۳۴۹۹ – حسن

(۲)أبو داؤد تحقیق الالبانی : باب الاستغفار : ۱۵۲۴ – صحیح

(۳)أبو داؤد تحقیق الالبانی : باب ما یقول الرجل إذا سلم : ۱۵۱۱ – صحیح

(۴) مسلم : باب استحباب الذکر بعدالصلاۃ : ۱۳۶۲ – ۱۳۶۳

☆ جمہور فقہاء کے نزدیک نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے تکبیر یا کوئی اور ذکر مستحب نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں جو روایات منقول ہیں وہ تعلیم پر محمول ہیں، اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کا عام معمول نہ تھا (الموسوعہ الفقہیہ ۲۱۳/۱۳)

دعا کے آداب

کندھوں کے بالمقابل یا اس کے قریب تک ہاتھ اٹھانا، دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملائے رکھنا، حمد وصلاۃ پڑھنا، دعا آہستہ کرنا اخیر میں آمین کہنا، ختم دعا پر ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لینا، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، بہت دیر تک ہاتھ اٹھائے دعاء فرماتے رہتے یہاں تک کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اٹھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر ترس اور اکتاہٹ کا احساس ہونے لگتا۔(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے بالمقابل یا اس کے آس پاس تک اٹھاؤ۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب دعا کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو ملا لیتے اور انہیں چہرہ سے قریب رکھتے۔(۴) فضالہ بن عبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد وثنا کرے پھر اس کے رسول پر درود بھیجے اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے۔(۵)

---

(۱)صحیح مسلم : باب رفع الیدین بالدعاء في الاستسقاء : ۲۱۱۱ – شرح نووي على المسلم : كتاب الاستسقاء : ۶/ ۱۹۰

(۲) مسند أحمد : ۲۵۸۸۳ – صحيح : مجمع الزوائد : باب ما جاء في الإشارة في الدعاء ورفع اليدين : ۱۷۳۳۵

(۳)أبو داؤ د تحقیق الالبانی : باب الدعاء : ۱۴۹۱ – صحيح

(۴)طبرانی کبیر : ۱۱/ ۴۳۵ ، ضعف إسناده العراقي ولكن له شواهد تقويه – الموسوعة الفقهية : آداب الدعاء : ۲۰/ ۲۶۲، وراجع للتفصيل احسن الفتاوى :۳/ ۵۱.۵۷

(۵)ترمذی : کتاب الدعوات : باب نمبر : ۶۵ ، حدیث نمبر : ۳۴۷۶ – ۳۴۷۷ – حسن صحيح امام ترمذی

حضرت ابوزہیر نمیریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر آدمی ختم دعا پر آمین کہے تو بس اس نے اللہ سے (اپنی درخواست) منظور کروالی۔(۱) آہستہ وپست آواز میں دعا کرنا باآواز بلند دعا کرنے سے افضل وبہتر ہے، ارشاد خداوندی ہے تم اپنے پروردگار کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور خفیہ طور پر۔(۲)

حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کے دعا مانگتے تو اخیر میں اپنے ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے(۳) حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد

"سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کہتے(۴)

اجتماعی طور پر دعا کرنا:

حضرت حبیب بن مسلم فہریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی جماعت اکٹھے ہوتی ہے پھر ان میں سے کوئی دعا کرتا ہے اور باقی تمام لوگ آمین کہتے ہیں تو اللہ ان کی دعا کو ضرور قبول فرما لیتے ہیں۔(۵)

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب لوگ

---

(۱)ابوداؤد: باب التأمین وراء الإمام : ۹۳۹ – سکت علیه أبو داؤد : حسن : مرقاة المفاتیح : باب القراءة في الصلاة : ۸۵۲

(۲)اعراف : ۵۵

(۳)ابوداؤد: باب الدعاء : ۱۴۹۴ – ترمذی : باب رفع الأیدي عند الدعاء : ۳۳۸۶ – حسن : بلوغ المرام : باب الذکر والدعاء : ۱۵۵۳

(۴)مسند ابو یعلی :۱۱۱۸ ، رجاله ثقات : مجمع الزوائد : باب ما یقول من الذکر : ۲۸۹۱

(۵)المعجم الکبیر للطبرانی : ۳۴۵۲ – رجاله رجال الصحیح غیر ابن لهیعة وهو حسن الحدیث : مجمع الزوائد : باب التأمین علی الدعاء : ۱۷۳۴۷

اللہ تعالی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالی ان کی مراد برآری کا ذمہ لے لیتے ہیں۔(۱)

ان روایات سے نماز کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت ملتا ہے تاہم اس کو دائمی سنت خیال کرنا، اس کا غیر معمولی التزام رکھنا اور اس کے تارک پر نکیر کرنا، بدعت اور زیادتی ہے، علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں بہت سے مباح ومستحب امور غیر معمولی التزام وتخصیص کی وجہ سے مکروہ بن جاتے ہیں۔(۲)

فرض نمازوں کے بعد وظائف: فرض نمازوں کے بعد رسول اللہ ﷺ سے مختلف وظائف واذکار منقول ہیں مثلاً آیت الکرسی پڑھنا، سورۃ اخلاص پڑھنا (۳) معوذتین کا پڑھنا (۴) اہم مشہورتر ذکر وہ ہے جو عوام الناس میں تسبیح فاطمی کے نام سے معروف ومشہور ہے، اور یہ ذکر بھی مختلف طریقوں سے ثابت ہے۔

الف بعض روایات کے مطابق: تسبیح۔تحمید۔تکبیر ہر ایک کو ۳۳۔۳۳ دفعہ پڑھنا (۵)

ب بعض روایات کے مطابق: تسبیح۔تحمید۔تکبیر۔ ہر ایک کو ۳۳۔۳۳۔دفعہ پڑھنا اور لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ایک بار پڑھ کر سو کا عدد مکمل کرنا۔(۶)

---

(۱)المعجم الكبير للطبراني : ۲۰۱۹ – مجمع الزوائد : باب ما جاء في الإشارة في الدعاء : ۱۷۳۴۱

(۲)السعایه: ۲/۴۷

(۳)طبراني كبير : ۷۴۰۸ : جيد : مجمع الزوائد :باب ماجاء في الأذكار عقب الصلاة : ۱۶۹۲۳ – ۱۶۹۲۲

(۴)نسائی تحقيق الالباني : باب الأمر بقراء ة المعوذات بعد التسليم : ۱۳۳۶ – صحيح ت

(۵)مسلم :باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفة : ۱۳۷۵ –

(۶)مسلم شريف : باب استحباب الذكر بعد الصلوة :۱۳۸۰

ج بعض روایات کے مطابق: تسبیح۔تحمید کوتو ۳۳۔۳۳/دفعہ پڑھنا البتہ تکبیر ۳۴ بار پڑھنا۔(۱)

د بعض روایات کے مطابق: تسبیح۔تحمید۔تکبیر۔ ہر ایک کو گیارہ گیارہ دفعہ کہنا۔(۲)

ہ بعض روایات کے مطابق: تسبیح۔تحمید۔تکبیر۔تہلیل (لا الہ الا اللہ) ان میں ہر ایک کو پچیس (۲۵) پچیس (۲۵) دفعہ پڑھنا۔(۳)

و بعض روایات کے مطابق: تسبیح۔تحمید۔تکبیر۔ ہر ایک کو دس دس بار پڑھنا۔(۴)

البتہ مسلم شریف کی مختلف روایات کے تعلق سے شارح مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ تسبیح وتحمید تینتیس (۳۳) تینتیس (۳۳) بار، تکبیر چونتیس (۳۴) بار اور ایک بار لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى کُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھ لیا جائے، اس طرح تمام روایات پر عمل ہو جائے گا۔(۵)

دیگر محققین کا کہنا یہ ہے کہ ان طریقوں میں سے کبھی کسی کو اور کبھی کسی کو اختیار کر لیا جائے، اس طرح متعدد اوقات میں ان تمام روایات پر عمل کی سعادت میسر ہو جائے گی (۶)

فائدہ: ان اذکار و وظائف کو فرض کے متصلاً بعد پڑھا جائے یا سنن ونوافل سے فراغت کے بعد؟ اس سلسلہ میں محققین احناف سے دونوں طرح کی رائے منقول ہے،

---

(۱)مسلم شریف : باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ :۱۳۷۷

(۲)مسلم :باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ : ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶

(۳)نسائی تحقیق الالبانی : نوع آخر من عدد التسبیح :۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - حسن صحیح

(۴)نسائی تحقیق الالبانی : باب عدد التسبیح بعد التسلیم:۱۳۴۸ -صحیح

(۵)نووی علی مسلم : باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ : ۳۷۲/۲

(۶)فتح الملھم : ۲/ ۱۷۸

علامہ ابن ھمامؒ، ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی رائے یہ ہے کہ سنن ونوافل سے فراغت کے بعدان اذکار ووظائف میں مشغول ہوا جائے۔(۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ فرض کے متصلاً بعدان اذکار ووظائف کو پڑھ لیا جائے اوران سے فراغت کے بعد سنن وغیرہ میں مشغول ہوا جائے (۲) آدمی اپنے ذوق ومزاج کے اعتبار سے ان میں کسی ایک رائے پر عمل کرسکتا ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۱) السعایہ : ۲/ ۲۶۳
(۲) فتح الملھم: ۲/۱۷۷-۱۷۸

عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق

خلقی و پیدائشی اعتبار سے مرد و عورت کے درمیان فرق ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، مرد کے مقابلے میں عورت فطرۃ کمزور، منفعل مزاج ساتھ ہی پر کشش واقع ہوئی ہے۔

اس فرق کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک طرف تو عورت کو مشقت بھرے اور محنت طلب کاموں سے مستثنی رکھا جائے اور دوسری طرف اس کے لائق اعمال میں اسے پردہ وحجاب کا پابند بنایا جائے، شریعت محمدیہ کا کمال یہ ہے کہ اس نے عورت کی ان دونوں خاصیتوں کی رعایت کی ہے، چنانچہ عورت نہ جہاد کی مخاطب ہے، (۱) نہ مستقل کسب وکمائی کی (۲) نہ عبادات میں پر مشقت طریقوں کی۔

تاہم اس کے ساتھ ہی عورت، اپنے اوپر عائد احکام شرعیہ کی انجام دہی میں ستر وحجاب کی بھی مخاطب ہے، احرام حج میں مرد کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا جنایت اور گناہ ہے، جب کہ عورت کا احرام اس کے معمول کے کپڑے ہیں صرف اتنا خیال رکھنا ہے کہ کپڑا چہرے سے نہ لگے۔ (۳)

---

(۱) بخاری، باب جهاد النساء: ۲۸۷۵، مسند أحمد، تحقيق شعيب الأرنؤوط: ۲۴۴۶۷، صحيح

(۲) البقرة: ۲۳۳

(۳) مستدرك مع تعليقات الذهبي: كتاب المناسك: ۱۶۶۸ - صحيح، السنن الكبرى للبيهقي: باب المرأة لا تتنقب في إحرامها: ۹۳۱۴ - ۹۳۱۵، روي مرفوعا وموقوفا والمحفوظ موقوف إمام بيهقيؒ

حجاب کی اہمیت ہی کے پیش نظر شریعت نے عورتوں کی مساجد و جماعات میں حاضری کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے،(۱) تاہم اس کے باوجود اگر وہ حاضر ہوتی ہیں تو خستہ حالت میں آنے کی تلقین کی گئی ہے(۲) مسجد میں بالکل اخیر صفوں میں ان کی جگہ رکھی گئی ہے۔(۳) امام کو یا مصلیؔ کو اپنے سامنے سے پھلانگ کر گذرنے والے کو متنبہ کرنے کی ضرورت پڑے تو بجائے تسبیح کے تصفیق یعنی آہستہ طور پر تالی بجانے کی ہدایت کی گئی ہے۔(۴)

نماز کے بارے میں بھی مرد و عورت کے درمیان فرق موجود ہے اوصاف کے لحاظ سے بھی اور اصل کے لحاظ سے بھی کہ عورت پر جمعہ وعیدین نہیں ہے، (۵) ایام مخصوصہ کی نمازیں ان سے معاف کردی گئیں ہیں۔(۶)

اوصاف و کیفیات کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ عورت ممکنہ حد تک ایسے طریقہ سے نماز کے ارکان وافعال ادا کرے کہ جس میں زیادہ سے زیادہ پردہ کی رعایت ہوسکتی ہو،امام بیہقی فرماتے ہیں: نماز کے جن احکام میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے وہ اصولی طور پر ستر کے اصول پر مبنی ہے،عورت اس طریقہ پر مامور ہے جس میں اس کے لئے زیادہ ستر ہو۔(۷)

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے فقہاء حنفیہ کے اقوال کی روشنی میں عورت اور مرد کی نماز کے درمیان مندرجہ ذیل فروق شمار کرائے ہیں:

---

(۱) مستدرک مع تعلیقات الذهبی : کتاب الإمامة وصلاة الجماعة :۷۵۷ – صحيح

(۲) مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط ، عن عائشه رضی الله عنها : ۲۴۴۵۱ ، صحيح لغيره – عن ابن عمر : ۵۷۲۵ ، صحيح لغيره ، عن أبي هريرة : ۹۰۴۹ – حسن

(۳) مسلم : باب تسوية الصفوف : ۱۰۱۳

(۴) بخاری : باب التصفيق للنساء : ۱۲۰۳

(۵) ابوداؤد، تحقيق الألباني ، باب الجمعة للمملوک والمرأة : ۱۰۶۹ – صحيح

(۶) مسلم : باب وجوب قضاء الصوم علي الحائض دون الصلاة : ۷۸۹

(۷) السنن الكبرى للبيهقي ، قبيل باب ما يستحب للمرأة من ترک التجافی فی الرکوع والسجود ، باب نمبر :۳۰۷

۱) تکبیر تحریمہ میں عورت صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھائے گی۔

۲) قیام میں سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر چھاتی کے نیچے رکھے گی۔

۳) رکوع میں معمولی طور پر جھکے گی۔

۴) رکوع میں انگلیاں باہم ملا کر، گھٹنوں پر محض رکھے گی، گھٹنوں پر کسی طرح کا زور نہ ڈالے گی۔

۵) پست ہو کر سجدہ کرے گی۔

۶) سمٹ کر سجدہ کرے گی بایں طور کہ پیٹ کو رانوں سے ملا لے گی، ہاتھوں کو پہلوؤں سے لگا کر زمین پر بچھا دے گی۔

۷) قعدہ میں تورّک کرے گی، یعنی دونوں قدم سیدھی جانب نکال کر بائیں سرین پر بیٹھے گی۔(۱)

ان فروق میں سے اکثر کا ذکر احادیث وآثار میں موجود ہے، بقیہ کا استنباط فقہاء نے انہی دلائل کی روشنی میں کیا ہے، یہاں ان احادیث وآثار کو نقل کیا جاتا ہے:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر میں رکھو اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر میں رکھے۔(۲)

حضرت ام الدرداء نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔(۳)

ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت عطاءؒ سے دریافت کیا کہ عورت تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کی طرح ہاتھ اٹھائے گی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عورت اپنے ہاتھوں کو مرد کی طرح

---

(۱) السعایہ : ۲/۲۳۴

(۲) طبرانی کبیر : ۱۷۴۹۷، ایک راوی غیر معروف ہیں، باقی رجال ثقہ ہیں – مجمع الزوائد : باب رفع الیدین في الصلاۃ : ۲۵۹۴

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ : فی المرأۃ إذا افتتحت الصلاۃ إلي أین ترفع یدیھا : ۲۴۸۵ سکت علیہ المحقق محمد عوامہ . جزء رفع الیدین للبخاری : ۲۲

نہ اٹھائے، اتنا کہہ کر انھوں نے رفع یدین کیا اور ہاتھوں کو نہایت پست اور اپنی جانب سمیٹے رکھا پھر فرمایا کہ (نماز میں) عورت کی خاص ہیئت ہے جو مرد کی نہیں اور اگر وہ اس ہیئت کو اختیار نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔(۱)

عورت کے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے یہ تصریح کی ہے کہ باتفاق علماء عورت کے لئے یہی طریقہ مسنون ہے۔(۲)

عورت کے رکوع کی کیفیت کے بارے میں حضرت عطاءؒ کا یہ فرمان منقول ہے کہ جب وہ رکوع کرے تو اپنے ہاتھ کو اپنے پیٹ کے نزدیک رکھے۔(یعنی ہاتھوں کو گھٹنوں تک لے جانا ضروری نہیں بلکہ کسی قدر جھک لینا کافی ہے)۔(۳)

عورت کی نماز کی عمومی کیفیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ عورت خوب سمٹ کر اور اپنے جسم کو ملا کر نماز ادا کرے۔(۴)

سجود وقعود کے طریقہ میں مرد وعورت کے مابین فرق کا موجود ہونا، درج ذیل احادیث سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے؛ زید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیوں کہ عورت کا حکم (سجدہ کی حالت

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ : فی المرأة إذا افتتحت الصلاة إلي أين ترفع يديها : ۲۴۸۹ – رجاله رجال البخاری : باب بعث علیؓ وخالدؓ : ۴۳۵۳

(۲) السعایہ : ۲/۱۵۶

(۳) مصنف عبد الرزاق : باب تكبير المرأة بيديها وقيام المرأة وركوعها و سجودها : ۵۰۶۹، رجاله رجال البخاری : بخاری : باب قول الله تعالى واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى : ۳۹۸ .

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ :باب المرأة كيف تكون فی سجودها، ۲۷۹۴، سكت عليه المحقق محمد عوامه .

میں)مرد کی طرح نہیں ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے (دونوں قدم سیدھی جانب نکال کر رانوں کو اتنا چپکا لے کہ ایک دوسرے پر رکھی ہوئی معلوم ہوں)اور جب سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں سے چپکا لے تا کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے تو اللہ تعالی اس عورت کی طرف نظر رحمت فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے فرشتو! میں تمہیں اس پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔(۲)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: عورت کو خوب سمٹ کر اور دونوں رانوں کو ملا کر سجدہ کرنا چاہئے۔(۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری صرف ہے، آپ ﷺ مردوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ کی حالت میں اپنے اعضاِ جسم الگ الگ کر کے رکھیں اور عورتوں کو پست ہو کر سجدہ کرنے کا حکم فرماتے تھے، مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھائیں اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ چہار زانو ہو کر بیٹھیں۔(۴)

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی :باب ما یستحب للمرأة من ترک التجافی في الرکوع والسجود : ۳۳۲۵ ، معتبر و مقبول : إعلاء السنن : ۲۶/۳

(۲) السنن الکبری للبیهقی :باب ما یستحب للمرأة من ترک التجافی في الرکوع والسجود : ۳۳۲۴ ، ضعیف وله شواهد : إعلاء السنن : ۳۳/۳ .

(۳) مصنف ابن ابی شیبه : باب المرأة کیف تکون فی سجودها : ۲۷۹۳ – حسن : إعلاء السنن : ۳۲/۳

(۴) السنن الکبری للبیهقی :باب ما یستحب للمرأة من ترک التجافی في الرکوع والسجود : ۳۳۲۴ ، ضعیف وله شواهد : إعلاء السنن : ۳۳/۳ .

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں خواتین کس طرح نماز ادا کرتی تھیں؟ فرمایا: چہارزانو بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں (یعنی اپنے سرینوں پر ہموار ہو کر بیٹھ جائیں)۔(۱)☆

---

(۱)جامع المسانید : ۱/۴۰۰،

☆ فائدہ: ائمہ ثلاثہ بھی اصولی طور پر مرد و عورت کی نماز کے درمیان فرق کے قائل ہیں، ان حضرات کے نزدیک بھی عورت کے حق میں افعال نماز کی ادائیگی کا وہی طریقہ مسنون ہے جس میں زیادہ سے زیادہ پردہ کی رعایت ہوتی ہے۔(الفقہ الاسلامی :۲/ ۹۱۵۔۹۳۵)

دیگر ائمہ کی آراء ملاحظہ ہوں:

شافعیہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چھپ کر رہنے کا ادب سکھلایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کو یہی ادب سکھلایا ہے اور میں عورتوں کے لئے حالت سجدہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے بدن کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملا لے اور اپنے پیٹ کو ران سے چپکا لے اور اس طرح سجدہ کرے جو اس کے لئے زیادہ چھپانے والا ہو، اسی طرح عورت کے لئے رکوع، جلسہ اور پوری نماز میں یہی پسند کرتا ہوں کہ عورت اس ہیئت پر رہے جو اس کے لئے سب سے زیادہ ساتر ہو اور میں پسند کرتا ہوں کہ رکوع وسجدہ میں اپنی چادر کو کشادہ رکھے؛ تاکہ کپڑوں سے اس کے بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔(کتاب الأم :۱/۱۰۰)

مالکیہ: مرد کے لئے حالت سجدہ میں اپنے پیٹ کو رانوں سے علیحدہ رکھنا مطلوب ہے، اسی طرح کہنیوں، گھٹنوں، بازوؤں اور پہلو کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور کشادہ سجدہ کرنا مطلوب ومندوب ہے؛ لیکن عورت اپنے تمام احوال میں سمٹی رہے گی۔(الشرح الصغیر:۱/۳۲۸=۳۲۹)

حنابلہ: عورت بھی (نماز کے طریقہ کے معاملہ میں) مرد کی طرح ہے؛ لیکن عورت اپنے آپ کو سمیٹے رہے گی اور اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکالے گی۔(زاد المستنقع ، ص : ۱۱۹)

اہل حدیث: سرخیل علماء اہل حدیث نواب وحید الزمان صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں:

”عورت بھی مرد کی طرح تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرے گی اور عورت کی نماز مرد کی طرح ہے تمام ارکان و آداب میں، سوائے اس کے کہ عورت تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کو چھاتی تک اٹھائے گی اور سجدہ میں مرد کی طرح پیٹ کو زمین سے اونچا نہیں رکھے گی، بلکہ پست رکھے گی اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے چپکا لے گی، اور جب کوئی بات پیش آئے تو لقمہ دینے کے لئے اللہ اکبر نہیں کہے گی؛ بلکہ تالی بجا دے گی اور باندی کا بھی وہی حکم ہے جو آزاد عورت کا ہے“(نزل الأبرار :۱/۸۵، مطبع سعید المطابع بنارس)

مفسدات نماز

(۱) بات چیت کرنا:

حضرت معاویہ بن حکم السلمیؓ فرماتے ہیں: کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، کہ ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے (نماز ہی میں) یرحمک اللہ کہا، اتنا کہنا تھا کہ لوگ اپنی نگاہوں سے مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے، میں نے کہا تمہارا ناس ہو کیوں مجھ کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہو؟ اس پر (لوگ مزید بگڑے اور مجھکو چپ کرنے کے لئے) ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے، تو جب میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کررہے ہیں (تو مجھے سخت ناگوار ہوا) تاہم میں خاموش ہو گیا پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تو میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، میں نے نہ آپ ﷺ سے قبل آپ سے بہتر معلم دیکھا نہ آپ ﷺ کے بعد، قسم بخدا نہ آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ مجھے برا بھلا کہا بلکہ یوں فرمایا: بلاشبہ یہ نماز ایسی چیز ہے جس میں کسی قسم کا کلام مناسب نہیں یہ تو بس تسبیح وتکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ دوران نماز ہم رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ اس حالت میں بھی جواب مرحمت فرمایا کرتے تھے، لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے اور ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہ دیا، ہم نے آپ ﷺ سے اپنی بے چینی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک نماز میں اہم مصروفیت (مناجاتِ پروردگار) ہوتی ہے (۲) نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے نیا حکم بھیج دیتا ہے اور فی الحال جو نیا حکم آیا ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں گفتگو نہ کی جائے (۳)

---

(۱) مسلم: باب تحریم الکلام فی الصلاۃ: ۱۲۲۷

(۲) مسلم: باب تحریمة الکلام فی الصلاۃ: ۱۲۲۹

(۳) نسائی: تحقیق البانی: الکلام فی الصلاہ: ۱۲۲۱ صحیح

ان دو روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شروع زمانے میں نماز کے اندر بات چیت اور سلام کلام کی گنجائش موجود تھی مگر بعد میں یہ گنجائش بالکل ختم کردی گئی حتی کہ چھینک اور سلام کے جواب کو تک نماز میں نامناسب قرار دے دیا گیا پس اب شرعی حکم یہ ہے کہ نماز میں کھانے اور پینے کی طرح کلامِ ناس بھی ممنوع اور مفسدِ صلوۃ ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقمؓ کا بیان ہے کہ صحابہ نماز میں گفتگو کرلیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی "اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو(۱) تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا(۲)

جس زمانے کے اندر نماز میں بات چیت جائز تھی، ان دنوں ایک عجیب قصہ پیش آیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا، صحابہ اس خیال سے کہ شاید نماز کے احکام میں کوئی تبدیلی ہوگئی ہے، خاموش رہے، لیکن حضرت ذوالیدینؓ نے ہمت کرکے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا نماز میں کمی کردی گئی ہے یا اپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہے، اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ بھول چوک ہوئی ہے نہ نماز میں کمی ہوئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: کیا معاملہ اسی طرح ہے جیسے ذوالیدین کہتے ہیں ؟ (یعنی آیا واقعۃً نماز کی رکعتوں میں کچھ خلاف عادت بات پیش آئی ہے) صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلی پر تشریف لائے اور مابقیہ رکعتیں پوری فرمائیں(۳)

یہ واقعہ شروع زمانہ کا ہے اور اس واقعہ میں سائل کی حیثیت سے بات چیت کرنیوالے صحابی حضرت ذوالیدینؓ کی شہادت غزوہ بدر ہی میں ہوچکی تھی جب کہ نماز میں

---

(۱) البقرة : ۲۳۸

(۲) مسلم : باب تحریم الکلام فی الصلاة: ۱۲۳۱

(۳) مسلم : باب السهو فی الصلاه ۱۳۱۶

بات چیت غزوۂ بدر کے بعد منسوخ ہوئی ہے (۱) یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ (جو اس واقعہ میں بحیثیت ایک مقتدی کے شریک تھے ان سے) اپنے زمانہ خلافت میں ایک دفعہ ایسی ہی بھول چوک ہوگئی تھی، انہوںؓ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا جب آپؓ کو اس جانب توجہ دلائی گئی تو آپؓ نے ازسرنو چار رکعات نماز پڑھائی (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو غلطی پر متنبہ کرنے اور نماز کی درستگی کی غرض سے کیا جانے والا کلام بھی مفسد صلاۃ ہوتا ہے☆

فوائد: (الف) تکلیف و مصیبت کی وجہ سے نماز میں آہ اوہ کیا یا ایسا رو دیا کہ رونے میں کچھ حروف نکل گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو ضبط کر سکتا تھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کہ یہ بھی کلام ناس ہے اور اگر بے اختیار آہ اوہ زبان سے نکل گیا اور اسے ضبط کرنا اس کے بس میں نہیں ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی کہ وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہے (۳)

حضرت عبداللہ بن مبارک سے منقول ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز میں بے اختیار رو

---

(۱) التعلیق الحسن ۱/۱۴۳

(۲) طحاوی : باب الکلام فی الصلاۃ لما یحدث فیها من السهو: ۲۶۰۴ مرسل جید: اثار السنن ۱/۱۴۰

(۳) فتح القدیر ۱/۳۴۷

☆ امام مالکؒ کے نزدیک وہ کلام جو نماز کی اصلاح کی غرض سے ہو اور قلیل و بقدر ضرورت ہو وہ مفسد صلاۃ نہیں، باقی بے ضرورت دو حرفی کلام بھی مفسد صلاۃ ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک وہ کلام جو بے ساختہ زبان سے نکل جائے یا نماز کا خیال نہ رہنے کی بنا پر زبان پر آجائے یا نومسلم ہونے کی وجہ سے مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر زبان سے صادر ہو جائے اور وہ قلیل مقدار میں ہو تو وہ مفسدِ صلاۃ نہیں، اس کے سوا ہر قسم کا مختصر کلام بھی مفسدِ صلاۃ ہے خواہ وہ نماز کی اصلاح کی غرض سے ہی کیوں نہ ہو، امام احمدؒ کے یہاں وہ شخص جس نے نماز مکمل ہونے کے خیال سے سلام پھیر دیا، وہ اگر نماز کی اصلاح کی غرض سے مختصر کلام کرتا ہے تو وہ مفسد صلاۃ نہیں جیسے امام نے ظہر یا عصر میں نماز مکمل ہونے کے خیال سے سلام پھیر دیا، مقتدیوں میں سے کسی نے بذریعہ کلام امام کو غلطی پر آگاہ کیا یا امام نے ازخود، اس بارے میں مقتدیوں سے استفسار کیا تو اس قسم کے کلام سے امام یا مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی، ایسے ہی بے اختیار زبان سے کچھ حروف نکل جائیں تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی (الفقہ الاسلامی ۲/۱۰۲۶)

مغلوب ہو کر آہ اوہ کہدے تو کوئی مضائقہ نہیں اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے،(۱) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: جو شخص (اختیار سے) نماز میں آہ اوہ کہے تو اس کی نماز فاسد ہوگی (۲)

(ب) بے ضرورت کھانسا جس سے کچھ حروف پیدا ہوگئے تو نماز فاسد ہو جائے گی ایسے ہی بے عذر زور سے سانس چھوڑا یا پھونک مارا جس سے حروف بن گئے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ارشاد نبوی ہے: جس نے (حروف پر مشتمل) پھونک ماری اس نے کلام کرلیا۔ (۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: نماز میں پھونک مارنا بھی گویا بات کرنا ہے (۴)

(ج) دو حرف یا ایک معنی خیز و با مطلب حرف زبان سے کسی نے نکالا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ عمداً نکالا ہو یا بھول کر، مسئلہ سے لاعلمی کی بنا پر نکالا ہو یا غلطی سے، خوشی سے نکالا ہو، یا زبردستی سے، جیسے آ، جا، پی، چل، ڈر، مَر، نہَ، وغیرہ کہا ہو (۵) امام شعبیؒ فرماتے ہیں: جو آدمی نماز میں ھاہ کہے وہ نماز کا اعادہ کرے (۶)

(د) بلا ضرورت لقمہ دینا:

نماز میں لقمہ دینا بھی درحقیقت کلام اور سیکھنے سکھانے کے حکم میں ہے اور نماز اس کا محل نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لقمہ دینے کو کلام کہا ہے، (۷) نبی کریم ﷺ نے

---

(۱) الاوسط لابن المنذر : ذکر الانین و التاوہ فی الصلاہ ۱۳۳/۵ عمدۃ القاری ۴۵۰/۸

(۲) مصنف ابن ابی شیبۃ: فی الرجال یئنّ فی الصلا تہ :۶۸۵۵ سکت علیہ المحقق محمد عوامہ

(۳)نسائی : النھی عن النفخ فی الصلوۃ : ۵۴۸

(۴)مصنف ابن ابی شیبہ : فی النفخ فی الصلاۃ : ۶۲۰۴.۶۲۰۵ صحیح : التکمیل لما فات تخریجہ من ارواء الغلیل:۳۹۵

(۵)الفقہ الاسلامی : ۱۰۲۳/۲

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ : من قال :ھاہ فی الصلاۃ : ۸۹۰۷. سکت علیہ المحقق محمد عوامہ

(۷) طبرانی کبیر : ۹۲۱۲ . صحیح :مجمع الزوائد : باب تلقین الامام : ۲۳۵۲

نماز میں لقمہ دینے میں عجلت کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

پس اگر مقتدی بوقت ضرورت اپنے امام کو لقمہ دیتا ہے تو شریعت نے قرأت قرآن کی بسہولت ادائیگی کی خاطر لقمہ دینے کو گوارا کیا ہے اور اسے مفسد صلاۃ قرار نہیں دیا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کوئی نماز پڑھائی تو قرأت میں آپ ﷺ کو شبہ لگ گیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے، عرض کیا کہ ہاں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے مجھے لقمہ کیوں نہیں دیا؟(۲) لیکن اگر مقتدی بجائے اپنے امام کے کسی اور نمازی کو یا کسی اور قاریٔ قرآن کو لقمہ دیتا ہے تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوجائے گی۔☆

(ہ) نماز کے اندر اردو یا انگریزی زبان میں دعا مانگنا مکروہِ تحریمی ہے، اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے، اور اگر یہ الفاظِ دعا انسانوں سے باہمی گفتگو کی طرح ہو تو پھر اس سے نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔(۳)

(و) نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھنا بھی مفسد صلاۃ ہے دو وجہ سے (۱) نماز سے باہر والی شئی سے سیکھنا ہے، اور نماز اس کی جگہ نہیں (۲) دیکھ کر قرآن پڑھنے کے لئے قرآن کو اٹھانا، اس کے اوراق کو الٹنا پلٹنا پڑتا ہے اور یہ عمل کثیر ہے جو نماز میں ممنوع ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ہم کو قرآن دیکھ کر لوگوں کی امامت

---

(۱) ابوداؤد: تحقیق البانی باب النھی عن التلقین : ۹۰۹ . ضعیف

(۲) ابوداود : باب الفتح علی الامام : ۹۰۸ . صحیح : خلاصة الاحکام : باب استحباب تلقین الامام : ۱۶۸۰

☆ یہی امام مالکؒ کا بھی مسلک ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک لقمہ دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرأت قرآن کی نیت کرے اگر وہ خالص لقمہ دینے کی نیت سے امام کو لقمہ دے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی امام احمدؒ کے یہاں غیر امام کو لقمہ دینا مکروہ ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی الفقه الاسلامی و ادلته ۲/۱۰۲۸

(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۷/۴۵۷۔ کتاب المسائل: ۱/۳۵۸)

کرنے سے منع فرمایا(۱) حضرت سلیمان بن حنظلہؓ البکری سے مروی ہے کہ وہ ایک امام کے پاس سے گذرے جو قرآن میں دیکھ کرامامت کررہا تھا تو حضرت سلیمانؓ اس کے پاؤں پر مارا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اسلاف، قران دیکھ کرامامت کرنے کو ناپسند کرتے تھے(۲)

(۲) کھانا یا پینا:

نماز میں کھانا یا پینا بالاتفاق مفسد صلاۃ ہے؛ اس لئے کہ یہ امور، نماز کی وضع اور حقیقت کے بالکل خلاف ہیں پھران کے ارتکاب کرنے میں عمل کثیر کی ضرورت پڑتی ہے جو نماز میں ممنوع ہے(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا چن دیا گیا (اور وہ بھوک سے بے قرار ہو) اور ادھر جماعت کھڑی ہوگئی ہو تو پہلے کھانا کھالے اور فارغ ہونے تک (نماز کی طرف) عجلت نہ کرے(۴)

نماز میں اگر کھانا پینا جائز رہتا تو محض کھانے کی خاطر نماز میں تاخیر کرنے کا اور کھانے سے فارغ ہونے تک نماز سے رکے رہنے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے؟

(۳) عمل کثیر:

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر وہ کام جو نماز کے منافی ہو اور وہ زیادہ ہو تو اس سے نماز ، باطل ہوجاتی ہے اور اگر کم ہو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ،(۵) عمل کثیر سے مراد وہ کام

---

(۱) المصاحف لابن ابی داؤد : ھل یوم القرآن فی المصاحف :۶۵۵ مؤید بالاثار الکثیرۃ : حوالہ سابق ۶۵۶ . ۶۷۲

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ : فی الرجل یؤم القوم و ھو یقرا فی المصحف : ۷۳۰۱ . ۷۳۰۴ سکت علیہ المحقق محمد عوامہ

(۳) ہدایہ مع العنایہ : ۱/ ۳۵۹

(۴) بخاری : باب اذا حضر الطعام و اقیمت الصلاۃ : ۶۷۴)

(۵) الفقہ الاسلامی : ۲/ ۱۰۳۱

ہے جسے دیکھ کر انسان یہ سمجھے کہ آدمی نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔(۲)

نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ بعض صحابہ کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا رہے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے ان صحابہ کو ڈانٹا اور یوں فرمایا، یہ کیا ہے کہ میں تم کو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے دیکھ رہا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرکش گھوڑوں کی دم ہیں، نماز میں سکون سے رہو۔(۳)

فائدہ: نماز میں تیل لگانا، کنگھی کرنا، سرمہ لگانا، ایک رکن میں لگاتار تین بار اس طرح کھجانا کہ ہر بار کھجا کر ہاتھ اس جگہ سے ہٹا لینا، تیر چلانا، پاجامہ باندھنا، کرتا پہننا، ایک ہی دفعہ میں دوصفوں کی مقدار میں چل لینا یا قبلہ کی جانب میں بیک دفعہ ایک صف سے زیادہ چل لینا یہ سارے افعال عمل کثیر کی تعریف میں شمار ہوتے ہیں اور ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے(۴)

(۴) نماز میں کسی رکن یا شرط کا ترک کر دینا:

مثلاً کسی نے نماز میں قرأت کو ترک کر دیا یا وضو کئے بغیر نماز شروع کر دی، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بغیر قرأت کے نماز نہیں ہوتی (۵) نیز ارشاد نبوی ہے: بے وضو آدمی کی نماز اللہ تعالی قبول نہیں فرماتا تاوقتیکہ وہ دوبارہ وضو نہ کرے۔(٦)

(۵) قہقہہ لگانا:

بلند آواز کے ساتھ ہنسنے سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور پست آواز (جو صرف خود کو سنائی دے) سے ہنسنے کی صورت میں صرف نماز پر اثر پڑتا ہے وضو

(۲) فتح القدیر : ۱/۱/ ۳۵۱

(۳) مسلم : باب الامر با لسکون فی الصلاۃ : ۹۹٦

(۴) فتح القدیر : ۱/۱/۳۵۲

(۵) مسلم : باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ : ۹۰۸

(٦) (ترمذی : باب الوضوء من الریح : حسن صحیح امام ترمذی)

پر نہیں یعنی نماز ٹوٹ جاتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ایک دفعہ مسجد میں ایک ناگہانی واقعہ پیش آنے پر بہت سے صحابہ حالت نماز میں ہنس پڑے تھے تو نبی ﷺ نے نماز کے بعد ان کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا۔(۱)

پست آواز سے ہنسنا بھی اگرچہ نماز کی حالت کے مناسب عمل نہیں ہے لیکن یہ اتنا سنگین نہیں جتنا زوردار آواز سے ہنسنا سنگین ہے؛ اس لئے فقہاء حنفیہ نے پست آواز سے ہنسنے کو صرف مفسد صلاۃ کہا ہے، وضو اس سے نہیں ٹوٹے گا حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ تبسم سے نماز نہیں ٹوٹتی یہاں تک کہ (آواز سے) ہنس لے (۲) ☆

فائدہ: نمازی کے سامنے سے کسی کا گذرنا:

اس تعلق سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کو کوئی چیز (جو نمازی کے سامنے سے گذرے) نہیں کاٹتی۔(۴) اور جو بعض روایات میں سیاہ کتے، گدھے اور عورت کے گذرنے سے نماز کے قطع ہونے کا بیان آیا ہے اس سے مراد خشوع وخضوع میں خلل کا پیدا ہو جانا ہے نہ کہ ظاہری اعتبار سے نماز کا ٹوٹ جانا مراد ہے۔(۵)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ : من کان یعید الوضوء و الصلاۃ : ۳۹۳۸ مرسل صحیح : محمد عوامہ۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں ہمارے پاس گیارہ احادیث موجود ہیں۔ عمدۃ القاری ؛ باب من لم یر الوضوء الامن المخرجین ۴۸/۳

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ : فی التبسّم فی الصلاۃ : ۳۹۲۲. سکت علیہ المحقق محمد عوامہ.
السنن الکبری للبیھقی : باب من تبسم فی الصلاۃ : ۳۴۹۰. محفوظ .امام بیھقیؒ

(۴) طبرانی کبیر : ۷۵۸۸. حسن : مجمع الزوائد : باب لا یقطع الصلاۃ شئی : ۲۳۰۸

(۵) اعلاء السنن : ۶۳/۵

☆ دیگر فقہاء کے نزدیک آواز سے ہنسنا اس وقت مفسد صلاۃ ہے جب کہ اس کی وجہ سے دو حرف یا ایک بامعنی حرف بھی زبان سے نکل گیا ہو۔ الفقہ الاسلامی : ۱۰۳۴/۲

(۶) محاذات یعنی عورت کا مرد کے برابر میں آ کر کھڑے ہو جانا:

محاذات، درج ذیل شرائط کے ساتھ مفسد صلاۃ ہے۔

(الف) عورت (محرم ہو یا اجنبیہ) بالغہ ہو خواہ بوڑھی ہو یا حد بلوغ کو پہونچی ہوئی ہو۔

(ب) امام نے عورتوں کی امامت کی بھی نیت کی ہو۔

(ج) مرد و عورت کی نماز بحیثیت تحریمہ و ادا ایک ہو☆

(د) دونوں کے درمیان کوئی حائل اور فاصلہ نہ ہو۔

(ہ) محاذات رکوع وسجدہ والی نماز میں ہو۔

(و) دونوں کے کھڑے ہونے کی سطح ایک ہو اس طور پر کہ ایک دوسرے کے اعضاء کسی نہ کسی لحاظ سے محاذات میں ہوں۔

(ز) محاذات کے پیش آنے پر مرد نے عورت کو پیچھے ہونے کا اشارہ نہ کیا ہو۔

(ہ) محاذات کم از کم ایک رکن کی ادائیگی کے بقدر رہی ہو(۱)

حضرت انسؓ کی جدۃ حضرت ملیکہ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی تھی، کھانے سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہل خانہ کو جمع کر کے نماز پڑھائی اس طور پر کہ رسول اللہ ﷺ آگے تھے، حضرت انسؓ اور ان کے بھائی حضرت یتیمؓ آپ ﷺ کے پیچھے صف لگائے ہوئے تھے اور ان کی جدہ حضرت ملیکہؓ ان دونوں کے پیچھے تنہا کھڑی تھیں (۲)

☆ تحریمہ ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی ایک ہی جیسی فرض نماز ہو یا عورت کی نماز نفل ہو اور مرد کی فرض، ادا میں ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اپنی نماز کی ادائیگی میں یا مدرک ہوں (امام کے ساتھ ہی نماز شروع کئے ہوں اور ساتھ ہی ختم کئے ہوں) یا لاحق ہوں (کہ شروع تو امام کے ساتھ کئے ہوں اور ختم امام کے ساتھ نہ کئے ہوں) البتہ جو رکعتیں مسبوق ہونے کی حیثیت سے مرد اور عورت ادا کر رہے ہوں ان میں محاذات مفسد صلاۃ نہیں ہے۔

(۱) عنایہ مع فتح القدیر ۱/۳۱۳ حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: باب ما یفسد الصلاۃ : ۳۳۱

(۲) بخاری باب الصلاۃ علی الحصیر : ۳۸۰

یہاں رسول اللہ ﷺ نے تنہا عورت کے پیچھے کھڑے رہنے کو گوارفرمایا ہے، مردوں کی صف میں شریک ہونے کا حکم نہیں دیا، حالاں کہ صف سے علیحدہ ہو کر کھڑے ہونا، مردوں کے لئے ، رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اس قدر ناپسندیدہ فعل ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے اس طرح کرنے والے شخص کو (بطور استحباب) نماز کے دہرانے کا حکم فرمایا تھا۔(۱) ایک موقع پر حضرت ابوبکرہؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا تو آپ ﷺ نے آئندہ انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔(۲)

رسول اللہ ﷺ کے ان دو طرح کے طرز عمل کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی صف میں عورت کے شامل ہونے سے مردوں کی نماز میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے: ان کو پیچھے کردو جیسے اللہ نے ان کو (درجہ میں) پیچھے رکھا ہے۔(۳)

حضرت حارث بن معاویہؒ نے نہایت اہتمام سے حضرت عمرؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ بسا اوقات میں اور ایک خاتون (بیوی) ایک تنگ عمارت میں ہوتے ہیں، نماز کا وقت آتا ہے تو تشویش پیدا ہو جاتی ہے، اگر میں اور وہ اسی تنگ کوٹھری میں نماز پڑھتے ہیں تو وہ میرے محاذات میں ہو جاتی ہے اور اگر وہ میرے پیچھے نماز پڑھنا چاہے تو عمارت سے باہر ہو جاتی ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: اپنے اور عورت کے درمیان کپڑے کی اوٹ قائم کرلو پھر چاہو تو محاذات میں نماز پڑھ لو۔ (۴)

---

(۱)ترمذی : تحقیق الالبانی باب ما جاء فی الصلاۃ خلف الصف و حدہ: ۲۳۱ : صحیح

(۲)بخاری : باب اذا رکع دون الصف: ۷۸۳

(۳)طبرانی کبیر: ۹۳۷۱ صحیح : السلسلۃالضعیفہ : ۹۱۷.صحیح : مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد: ۲۱۲۰

(۴)مسند احمد :مسند عمر ابن خطابؓ :تحقیق شعیب الانؤوط : ۱۱۱ .حسن رجالہ ثقات

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: اگر عورت مرد کے بازو میں نماز پڑھے اور دونوں کی نماز ایک ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔(۱)

نیز باتفاق امت مردوں کے لئے عورت کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی وجہ تحقیق سے یہ سامنے آئی کہ مردوں نے صف بندی میں اپنے مقام کو نظر انداز کر دیا ہے کہ خود آگے ہونے کے بجائے پیچھے ہو گئے، محاذات کے معاملہ میں بھی مردوں کا اپنا مقام متاثر ہو رہا ہے، شرعی حکم کی بنا پر انہیں، عورتوں کو پیچھے کرنا چاہیے تھا جو انہوں نے نہیں کیا، لہذا محاذات کی صورت میں بھی مردوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

یہاں یہ امر واضح ہو کہ محاذات کا مفسد صلاۃ ہونا بظاہر غیر معقول ہے لیکن چوں کہ ان مذکورہ بالا دلائل سے ان کا مفسد صلاۃ ہونا سمجھ میں آتا ہے؛ اس لئے حنفیہ نے انہیں مفسد صلاۃ تسلیم کیا ہے، لیکن ان تمام شرائط کے ساتھ جو نص میں (حضرت انسؓ وحضرت حارث بن معاویہؓ کی روایت میں) موجود ہیں۔(۲)

---

(۱)(کتاب الاثار لامام محمدؒ: باب ما یقطع الصلاۃ : ۱۳۶ . صحیح

(۲)(فتح القدیر مع العنایه : ۱/۳۱۳. ۳۱۲)

نماز کے مکروہات

(۱) عمداً کسی واجب کو ترک کرنا:

واجبات نماز میں سے کسی واجب مثلاً قرأت فاتحہ، ضم سورۃ، تشہد یا تعدیل ارکان کو چھوڑ دیا ہے تو نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادۃ ہو جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے تعدیل ارکان کے ترک کرنے والے کو بڑی تاکید سے نماز دہرانے کا حکم فرمایا تھا۔(۱)

(۲) بے ضرورت جائے سجدہ سے کنکریوں کو صاف کرنا:

حضرت معیقیبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز پڑھتے ہوئے کنکریوں پر ہاتھ نہ پھیرو، اگر تمہیں ایسا کرنا ضروری ہو تو ایک مرتبہ کنکریوں کو ہموار کرلو۔(۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کنکریوں کے صاف کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ میں کرلو اور اگر یہ بھی نہ کرو تو یہ تمہارے لئے ۱۰۰ کالی انکھوں والی اونٹنیوں سے بہتر ہے۔(۳)

(۳) کپڑے یا بدن سے کھیلنا:

ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نماز میں بے کار عمل کو ناپسند کیا ہے(۴)

نبی کریم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء و جوارح

(۱) بخاری: باب وجوب القراءۃ للامام والماموم: ۷۵۷

(۲) مسلم باب کراھۃ مسح الحصی: ۱۲۴۷

(۳) مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط: مسند جابر بن عبد اللہ: ۱۴۲۰۴۔ سند کے ایک راوی ضعیف ہیں باقی رجال بخاری و مسلم کے رجال ہیں۔

(۴) الزھد لابن المبارک: ۱۵۵۷ ضعیف: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۳۰۷۹

سے بھی خشوع ٹپکتا۔(۱)

(۴) انگلیاں چٹخانا:

حضرت علیؓ سے راویت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کی حالت میں اپنی انگلیوں کو مت چٹخاؤ۔(۲)

(۵) کمر پر ہاتھ رکھنا:

حضرت ابوہریرہؓ سے راویت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔(۳)

(۶) اِدھر اُدھر متوجہ ہونا:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے نماز کی حالت میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک جھپٹا ہے جو شیطان انسان کی نماز سے جھپٹ لیتا ہے۔(۴)

(۷) ارکان کی ادائیگی خلاف سنت طریقہ پر کرنا:

حضرت ابوہریرہؓ سے راویت ہے کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے تین باتوں سے منع کیا ہے: (اطمینان کے ساتھ ارکان کی ادائیگی کے بجائے) مرغ کی طرح ٹھونگ مارنے سے، کتے کی طرح بیٹھنے سے اور لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر توجہ کرنے سے(۵)

---

(۱) نوادر الاصول لحکیم الترمذیؒ: باب فی حقیقة الخشوع ۲ /۱۷۲ . ضعیف و لکن فی شرح البخاری لابن المنیر: صحّ عن النبی ﷺ: الفتح السماوی لعبد الرؤف المناوی :سورة المومنون ۸۵۴/۲

(۲) ابن ماجه : باب ما یکره فی الصلاة : ۹۶۵ :سند ایک راوی مختلف فیہ ہے باقی رجال ثقہ ہیں اعلاء ۱۰۸/۵

(۳) نسائی تحقیق الالبانی : باب النهی عن التخصر فی الصلاة : ۸۹۰ صحیح

(۴) بخاری : باب الالتفات فی الصلاة: ۷۵۱

(۵) مسند احمد : ۸۱۰۶ حسن : مجمع الزوائد باب ما ینهی عنه فی الصلاة : ۲۴۲۵

فائدہ: کتے کے بیٹھنے کی ہیئت یہ ہے: سرین زمین سے لگالئے جائیں، گھٹنے کھڑے ہوں اور سینے سے لگے ہوئے ہوں اور ہتھیلیاں زمین پر بچھی ہوئی ہوں (۱)

فائدہ: دوسجدوں کے درمیان بھی اسی حالت پر بیٹھنا چاہئے جیسے قعدہ میں بیٹھا جاتا ہے تاہم کسی عذر کی وجہ سے اس طرح بیٹھنا ممکن نہ ہوتو حسب سہولت بیٹھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کے اندر دوسجدوں کے درمیان ایڑیوں پر بیٹھا کرتے تھے، نماز کے بعد ان سے اس تعلق سے پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: یہ (بیٹھک سو فیصد) سنت تو نہیں مگر مجھے کچھ (پیروں میں) تکلیف ہے اس لئے ایسا کیا ہوں۔ (۲)

(۸) مرد کا چوٹی باندھ کر نماز پڑھنا:

حضرت ام سلمہؓ سے راویت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹی باندھے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے سے آدمی کو منع فرمایا۔ (۳)

(۹) بالوں یا کپڑوں کو سمیٹنا:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرایا کہ مجھے یہ حکم ہوا کہ میں (دوران نماز) بالوں اور کپڑوں کو نہ سیمٹوں (۴)

(۱۰) کپڑے کو لٹکانا اور منہ چھپانا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اپنا کپڑا لٹکائے اور یہ کہ اپنا منہ چھپائے (۵)

(۱)طحطاوی علی المراقی : ۳۴۸ (۲)مؤطا مالک : باب العمل فی الجلوس فی الصلاۃ : ۲۰۰

(۳) طبرانی کبیر : ۱۹۰۲۳ صحیح :مجمع الزوائد : باب فیمن یصلی وراسہ معقوس : ۲۴۶۹

(۴)بخاری : باب لا یکف ثوبہ فی الصلاۃ: ۸۱۶

(۵)ابوداؤد : تحقیق الالبانی : باب ما جاء فی السدل فی الصلاۃ : ۶۴۳. صحیح مقطوع

(۱۱) امام کا مقتدیوں سے اونچے مکان پر یا تنہا محراب میں کھڑا ہونا:

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ امام تو کسی اونچی چیز کے اوپر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے (عام حالت پر) کھڑے ہوں۔(۱)

حضرت ابن مسعودؓ نے محراب میں نماز پڑھنے کو ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ طریقہ گرجا گھروں میں رائج ہے تم اہل کتاب سے مشابہت اختیار نہ کرو۔(۲)

(۱۲) جاندار کی تصویر کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا:

نمازی کے اوپر آگے یا دائیں بائیں جاندار کی تصویر نمایاں طور پر موجود ہو تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام نے جماعتِ ملائکہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا یا تصویر ہو۔(۳)

نماز کی جگہ تصویر اس کیفیت پر موجود ہو تو اس سے تصاویر کی تعظیم کا شائبہ معلوم ہوتا ہے اس لئے بھی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

(۱۳) آنکھیں بند کرنا:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑے ہو تو اپنی آنکھوں کو بند نہ کرے۔(۴) علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) مستدرک حاکم : کتاب الامامه : ۷۶۱ حسن : اعلاء السنن ۱۱۶/۵

(۲) مسند بزار :۱۵۷۷ رجاله مؤثقون :مجمع الزوائد:باب الصلاة فی المحراب: ۱۹۸۲ :قوی:السلسلةالضعيفة مختصرة:۴۴۸

(۳) بخاری :باب لا تد خل الملائکةبیتا فیه صورة: ۵۹۶۰

(۴) طبرانی صغیر:۲۴. اوسط :۲۲۱۸ .کبیر :۱۰۷۹۴ .ضعیف : صحیح و ضعیف الجامع الصغیر ۱۶۳۰

نماز میں آنکھ بند کرنا نبی ﷺ کی سیرت نہیں ہے تاہم اگر کوئی خشوع وخضوع حاصل کرنے کے مقصد سے آنکھیں بند کرتا ہے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے(۱)

(۱۴)چھینک یا جمائی لینا:

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز میں جمائی لینا، شیطانی اثرات سے ہے، لہٰذا تم میں سے جس کسی کو جمائی آئے تو وہ بقدر استطاعت اس کو دفع کرے(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں جمائی اور چھینک شیطانی اثر سے ہے(۳)

(۱۵)پیشاب و پاخانہ کو روک کر نماز پڑھنا:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص کھانے کی موجودگی میں (جب کہ وہ بھوک سے بے تاب ہو) اور پیشاب و پاخانہ کو روکتے ہوئے نماز نہ پڑھے(۴)

(۱۶)انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا:

حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سے کوئی خوب اچھی طرح وضو کر کے مسجد کے ارادہ سے گھر سے نکلے تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل نہ کرے کیوں کہ وہ نماز ہی میں ہے(۵)

---

(۱) زاد المعاد : فصل لم یکن من هدیه تغمیض عینیه فی الصلاة ۱ /۲۸۳

(۲)ترمذی : کراهیة التثاؤب فی الصلاة : ۳۷۰حسن صحیح : امام ترمذی

(۳)طبرانی کبیر : ۹۳۴۳ .رجاله موثقون : مجمع الزوائد باب التثاؤب والعطاس فی الصلوة : ۲۴۷۲

(۴)مسلم :باب کراهة الصلوة بحضرة الطعام : ۱۲۷۴

(۵) ابو داؤد : تحقیق البانی : باب ما جاء فی الهدی فی المشی الی الصلاة : ۵۶۲. صحیح

کعب بن عجرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے نماز کی حالت میں اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال لیا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی انگلیوں کو کھول دیا۔(۱)

(۱۷) آسمان کی طرف دیکھنا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کچھ لوگ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ باز آجائیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی(۲)

(۱۸) چادر میں پورے طور پر لپٹ جانا:

یعنی اس طور پر لپٹ جانا کہ چادر سے ہاتھ باہر نکالنے کے لئے کوئی راستہ نہ ہو یا چادر کے ذریعہ بدن کے ایک حصہ کو مضبوطی کے ساتھ چھپالینا اور دوسرے حصہ کو برہنہ چھوڑ دینا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لباس کے ذریعہ مذکورہ ہیئت بنانے سے منع فرمایا ہے(۳)

(۱۹) آدھے لباس میں نماز پڑھنا:

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے دو کپڑے (مکمل لباس) پہننا چاہئے کیوں کہ اللہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ اس کے لئے زینت اختیار کی جائے۔(۴)

---

(۱) ابن ماجه : باب مایکره فی الصلاة :۹۶۷ حجت ومعتبر : اعلاء السنن۱۲۷/۵

(۲) بخاری : باب رفع البصر الی السماء:۷۵۰

(۳) بخاری :باب اشتمال الصماء : ۵۸۲۰ .تحفة الاحوذی: باب ماجاء فی النهی عن اشتمال الصماء ۳۶۷/۵

(۴) طبرانی اوسط :۹۶۳۷ .صحیح : صحیح و ضعیف الجامع الصغیر: ۶۵۴

(۲۰) اٹھتے یا بیٹھتے ہاتھوں کا سہارا لینا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس چیز سے منع فرمایا کہ انسان نماز میں ہاتھوں کا سہارا لیتے ہوئے بیٹھے (۱)

(۲۱) سجدہ میں دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دینا:

حضرت عائشہؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی کو درندوں کی طرح ہاتھ بچھا دینے سے منع فرمایا (۲)

(۲۲) انگڑائی لینا:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں انگڑائی لینے سے منع فرمایا (۳)

(۲۳) بے ضرورت چہار زانو بیٹھنا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: دو انگاروں پر بیٹھوں یہ بہتر ہے کہ نماز میں پالتی مار کر بیٹھوں (۴)

---

(۱) ابو داؤد: تحقیق الالبانی باب کراھیۃالاعتماد علی الید فی الصلوۃ : ۹۹۴

(۲) مسلم باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ: ۱۱۳۸

(۳) الافراد لدار قطنی عن ابی ھریرہ . ضعیف: صحیح و ضعیف الجامع الصغیر :۱۴۱۷۳ مساعد بالقیاس : اعلاء السنن ۱۳۸/۵

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ : باب من کرہ التربع فی الصلاۃ:۶۱۸۷ . سکت علیہ المحقق محمد عوامہ

وہ چیزیں جو نماز میں جائز ہیں

(۱) خشیت الٰہی سے رونا:

اللہ تعالی فرماتے ہیں: جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔(۱)

حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہے کہ نبی ﷺ کو میں نے نماز پڑھتے دیکھا اور آپ ﷺ کے سینے سے رونے کی آواز یوں آرہی تھی جیسے پکتی ہوئی ہنڈی سے آواز آتی ہے(۲)

(۲) کنکھیوں سے دیکھنا:

نبی ﷺ گردن موڑے بغیر (کبھی کبھار) نماز میں کنکھیوں سے دیکھ لیا کرتے تھے۔(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظریں پھرا کر دیکھنے کی کراہت نہیں ہے، پھر بھی اس سے خشوع وخضوع میں فرق پڑ سکتا ہے؛ اس لئے بلا ضرورت نہیں دیکھنا چاہئے۔

(۳) کسی کھڑے ہوئے یا بیٹھے انسان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا:

نافعؒ کہتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ کو جب مسجد کے کسی ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا تو مجھ سے کہتے پشت پھیر کر کھڑے ہو جاؤ(۴)

---

(۱) سورۃ مریم :۵۸

(۲) ابو داؤود و نسائی تحقیق الالبانی: باب البکاء فی الصلاۃ :۹۰۴. ۱۲۱۴. صحیح

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ:من کان یرخص ان یلحظ و یلتفت: ۴۵۸۲. ضعیف: محمدعوامہ

(۴)مصنف ابن ابی شیبہ:الرجل یستر الرجل اذا صلّی الیہ ام لا : ۲۸۹۵ سکت علیہ المحقق محمد عوامہ

(۴) سبحان اللہ کہنا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا:

جب نماز پڑھتے ہوئے انسان کو کوئی ایسی چیز پیش آئے جس پر وہ دوسرے کو ٹوکنا یا متنبہ کرنا چاہتا ہو (مثلاً: یہ کہ امام نماز میں کوئی غلطی کرتا ہے اور اسے بتانا مقصود ہو) تو مردوں کے لئے سبحان اللہ کہنا اور عورتوں کے لئے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مار کر آگاہ کرنا جائز ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو اسے چاہئے کہ سبحان اللہ کہے، ہاتھ پر ہاتھ مارنا صرف عورتوں کے لئے ہے اور سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے (۱)

(۵) سانپ، بچھو یا دیگر زہریلے ونقصاندہ جانوروں کو مارنا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں دو سیاہ جانوروں سانپ اور بچھو کو مارو۔ (۲)

نماز کی حالت میں اس قسم کے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے البتہ اگر اس کے لئے عمل کثیر کی ضرورت پڑ گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی گناہ نہیں ہوگا اور اگر ایک دو ضرب سے کام ہو گیا تو نماز بھی نہیں ٹوٹی۔ (۳)

(۶) سخت ضرورت کے وقت تھوڑا سا چلنا:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، جب کوئی انسان دروازہ کھلواتا اور دروازہ سامنے یا دائیں یا بائیں طرف ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کھول دیتے

(۱) ابو داؤد: تحقیق الالبانی باب التصفیق فی الصلوۃ: ۹۴۱ صحیح

(۲) ابو داؤد: تحقیق الالبانی: باب العمل فی الصلوۃ: ۹۲۲ صحیح

(۳) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: فصل فیما لا یکرہ للمصلی: ۳۷۰

اور آپ ﷺ قبلہ کی طرف پیٹھ نہ کیا کرتے تھے۔(۱)

(۷)ذی روح کی تصویر بے وقعتی کے ساتھ موجود ہونا:

نماز کی جگہ پر ذی روح کی تصاویر بے وقعت طور پر موجود ہوں تو اس کی وجہ سے نماز میں کراہت پیدا نہیں ہوتی مثلاً ان تصاویر کے سرے کٹے ہوئے ہوں یا وہ تصاویر فرشی چادر پر پیروں تلے پڑی ہوئی ہوں۔

حضرت جبرئیلؑ نے نبی ﷺ سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے فرمایا: داخل ہو جاؤ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا: میں کیسے داخل ہوں حالاں کہ آپ ﷺ کے گھر میں ایک ایسا پردہ لگا ہوا ہے جس میں تصاویر ہیں! اگر آپ کو ایسا کرنا ناگزیر ہو تو ان کے سروں کو کاٹ دو یا ان کو کاٹ کر تکئے بنالو یا چادر و بستر بنالو۔(۲)

---

(۱)دارقطنی : باب جواز العمل القلیل فی الصلاۃ :۱۸۷۶ مسند احمد : ۲۴۰۲۷.اسناد حسن: شعیب الارنؤوط

(۲)صحیح ابن حبان : تحقیق شعیب الارنؤوط ذکر الاخبار بان الملائکۃ لا تد خل البیوت التی فیھا التماثیل: ۵۸۵۳.حدیث صحیح

وہ جگہیں جہاں نماز کا پڑھنا مکروہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے: گوبر خانہ، ذبح خانہ، قبرستان، چلتا ہوا راستہ، حمام، اونٹوں کا باڑہ، کعبۃ اللہ کی چھت، (۱)

ان مواقع پر نماز پڑھنے کی ممانعت یا تو ان مقامات کے ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے جیسے گوبر خانہ، ذبح خانہ، اونٹوں کے باڑہ اور حمام خانہ میں، یا شیطانی اثرات کے غلبہ کی وجہ سے جیسے اونٹوں کے باڑہ اور حمام خانہ میں یا شرک کا شائبہ پائے جانے کی وجہ سے جیسے قبرستان میں یا بے ادبی کی وجہ سے جیسے کعبۃ اللہ کی چھت پر، یا عامۃ الناس کو ضرر پہنچنے کی وجہ سے جیسے چلتے ہوئے راستہ میں نماز پڑھنا۔

اب جن جگہوں میں نماز پڑھنے سے مذکورہ بالا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔(۲)

---

(۱) ابن ماجہ: باب المواضع التی تکرہ فیها الصلاۃ: ۷۴۶ صححہ ابن السکن: اعلاء السنن ۵/۱۳۷

(۲)الفقه الاسلامی وادلته: ۲/۹۷۷ . ۹۸۳

مساجد

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے لئے ساری زمین پاک اور مسجد بنادی گئی ہے؛ لہذا جس آدمی کو جہاں وقتِ نماز پالے (یعنی نماز کا وقت آجائے) اسے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔(۱)

امت محمدیہ کے لئے یہ سہولت وخصوصیت اپنی جگہ مسلم ہے، تاہم روئے زمین کے وہ حصے جنہیں باقاعدہ عبادت وبندگی کے لئے مختص کردیا گیا ہے وہ زمین کے مقدس حصے کہلاتے ہیں، ان میں نماز پڑھنا، عام جگہوں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، ان میں بعض ایسے امور انجام دینے ممنوع ہیں جو اور مواقع پر انجام دیئے جاسکتے ہیں، ان کے چند خاص آداب ہیں جنہیں بجالانا ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے گھر میں پاکیزگی حاصل کی (وضوکیا) پھر وہ اللہ کا کوئی فریضہ ادا کرنے کے لئے اس کے کسی گھر میں گیا تو اس کا ایک قدم اس کا گناہ مٹاتا ہے اور دوسرا قدم اسکے درجے بلند کرتا ہے(۲)

مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے وقت کی دعا:

حضرت ابوحمیدؓ اور حضرت ابواسیدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتو یہ دعا پڑھے:

"اللھم افتح لی ابواب رحمتک "(۳)

---

(۱)بخاری : باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجد او طھور:۴۳۸۱

(۲)باب المشی الی الصلاۃتمحی به الخطایا:۱۵۵۳

(۳)ابوداؤد تحقیق البانی: باب ما یقوله الرجل عند دخوله المسجد:۴۶۵. صحیح

حضرت فاطمہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: " **بسم الله والسلام علی رسول الله ۔اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک** "(۱)

اور جب نکلتے تو یہ دعا پڑھتے:

" **بسم الله والسلام علی رسول الله اللهم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک** "(۲)

ایک روایت میں ہے کہ نکلتے وقت یہ دعا پڑھے " **اللهم انی اسئلک من فضلک** " (۳)

داخل ہونے کا طریقہ:

مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دایاں قدم اور نکلتے ہوئے بایاں قدم پہلے رکھنا مستحب ہے ۔حضرت انسؓ کہتے ہیں: سنت یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں ڈال اور جب نکلے تو پہلے بایاں پیر نکال ۔(۴)

تحیۃ المسجد:

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے(۵)

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبه: باب ما یقول الرجل اذا دخل المسجد و ما یقول اذا خرج : ۳۴۳۱. صحیح : اعلاء السنن۵/۱۶۵

(۲)مصنف ابن ابی شیبه: باب ما یقول الرجل اذا دخل المسجد و ما یقول اذا خرج : ۳۴۳۱. صحیح : اعلاء السنن۵/۱۶۵

(۳)ابو داؤد تحقیق الالبانی : باب فیما یقوله الرجل عند دخوله المسجد ۴۶۵. صحیح

(۴)مستدرک مع تعلیقات الذهبی : کتاب الامامة و صلاة الجماعة : ۷۹۱.صحیح

(۵)بخاری : باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین :۴۴۴

مسجد کی صفائی ستھرائی کا حکم:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور انہیں صاف رکھنے اور ان میں خوشبو کرنے کا حکم دیا(۱)

مسجد میں ممنوع امور:

(۱) گندگی اور بدبو پھیلانا

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ان مسجدوں میں پیشاب کرنا اور گندگی پھیلانا صحیح نہیں ہے یہ صرف اللہ کا ذکر کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے ہیں(۲)

حضرت جابرؓ سے راویت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے پیاز، لہسن، وغیرہ کھائی ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لئے کہ جس چیز سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے(۳)

البتہ اگر کسی کو یہ تیز بو رکھنے والی اشیاء کھانا ہی ہو تو انہیں پکا کر ان کی بو ختم کر دے(۴)

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پکا ہوا لہسن کھا کر مسجد میں آنا منع نہیں ہے(۵)

---

(۱)ابو داؤد: تحقیق البانی : باب اتخاذ المسجدفی الدور:۴۵۵. صحیح

(۲)مسلم: باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات اذا حصلت فی المسجد: ۶۸۷

(۳)مسلم : باب نہی من اکل ثوما او بصلااو کراثا او نحوھا عن حضور المسجد : ۱۲۸۲

(۴)مسلم : باب نہی من اکل ثوما : ۱۲۸۶

(۵)اعلاء السنن : ۱۷۲/۵

نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، مسجد میں تھوکنا برا کام ہے اور (اگر کسی نے کسی وجہ سے ایسا کر دیا ہے تو پھر) اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے (اگر فرش مٹی کی ہو یا ریت کی ہو ورنہ اسے اس طور پر صاف کر دینا چاہئے کہ کوئی اثر باقی نہ رہے) (۱)

(۲) گم شدہ چیز کی تلاش کرنا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتے ہوئے دیکھے تو اس سے کہے اللہ کرے تمہاری چیز نہ ملے، اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے (۲)

کوئی چیز مسجد کے باہر گم ہوئی ہو اور اس کا اعلان مسجد میں کیا جا رہا ہو تو یہ شکل نہایت قبیح ہے اور اگر مسجد ہی میں گم ہوئی ہے تو نمازیوں اور آداب مسجد کی رعایت کے ساتھ شائستگی سے اعلان کرنا مباح و جائز ہے (۳)

(۳) بلند آواز سے بولنا یا قرآن پڑھنا جب کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں:

ایک روز نبی ﷺ تشریف لائے دیکھا کہ لوگ بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کر رہا ہے؟ تم میں سے کوئی شخص اس طرح بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے کہ دوسرے کو دقت ہو (۴)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بازاروں کے سے شور و شغف سے اجتناب کرو۔ (۵)

---

(۱) مسلم: باب نهى عن البصاق فى المسجد: ۱۲۵۹ مع فتح الملهم: ۱۴۵/۲

(۲) مسلم: باب النهى عن نشد الضالة فى المسجد: ۱۲۸۸

(۳) معارف السنن: ۲۱۳/۳

(۴) مؤطا مالک: باب العمل فى القراءة: ۱۷۷

(۵) مسلم: باب تسوية الصفوف: ۱۰۰۲

(۴) فضول قسم کے اشعار پڑھنا:

رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا۔(۱)

اس حدیث میں اشعار سے مراد بیہودہ اور فضول قسم کے اشعار ہیں، رہے وہ اشعار جن کا تعلق حمد خداوندی یا نعت نبی یا دینیات سے ہو، ان کو مسجد میں پڑھنا منع نہیں۔

حضرت حسان ؓ مسجد نبوی میں سرور دو عالم ﷺ کی منقبت میں اور اسلام کے دفاع میں ممبر نبوی ﷺ پر کھڑے ہوکر اشعار پڑھا کرتے تھے اور آپ ﷺ بنفس نفیس ان کو سنا کرتے تھے اور ان ؓ کو داد دیا کرتے تھے(۲)

(۵) دنیاوی باتیں کرنا:

محض دنیاوی گفتگو کرنے کی غرض سے مسجد میں آنا سخت معیوب اور گناہ ہے، کیوں کہ اس مقصد کے لئے مساجد کی تعمیر نہیں ہوئی ہے، ارشاد خداوندی ہے: بلاشبہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو(۳)

ایک اور جگہ ہے: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان (مساجد) کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے(۴)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ محض دنیا کی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی، ایسے لوگوں میں تم نہیں بیٹھنا کیوں کہ ان کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں ہے(۵)

---

(۱) ابن ماجه تحقيق الباني : باب ما يكره في المسجد: ۷۴۹. حسن
(۲) اسد الغابه : ۱ / ۲۵۵ حسان بن ثابت ؓ
(۳) سورة الجن : ۱۸
(۴) سورة النور : ۳۵
(۵) مستدرک حاكم مع تعليقات الذهبي : كتاب الرقاق : ۷۹۱۶. صحيح

ہاں، مساجد میں حاضری کا اولین مقصد تو نماز اور عبادت ہی ہو، مگر ضمنی طور پر مباح اور جائز دنیوی گفتگو، آداب مساجد کی رعایت کے ساتھ کر لی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نبی ﷺ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا کرتے تھے جب سورج نکل آتا تو آپ ﷺ اٹھتے، اس دوران میں لوگ زمانۂ اسلام سے پہلے کی باتیں کرتے اور ہنستے تھے اور نبی ﷺ مسکراتے تھے(۱)

(۶) نماز جنازہ پڑھنا:

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے گا اس کو کچھ نہ ملے گا(۲) آپ ﷺ خود بھی جنازہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا دستور مسجد سے باہر نماز جنازہ پڑھنے کا تھا مگر کسی عذر کے وقت نماز جنازہ مسجد میں بھی پڑھ لی جاتی تھی، اور جائز اگرچہ دونوں ہی ہیں مگر افضل جنازہ کی نماز مسجد سے باہر ہی ہے(۳)

ارشاد نبوی ﷺ ہے: اپنی مسجدوں کی حفاظت کروا پنے (بے شعور) بچوں سے، پاگلوں سے، خرید وفروخت سے، جھگڑوں سے، شور وغل سے، اقامت حدود سے، اور تلوار سونتنے سے(۴)

چند چیزیں مسجدوں میں کرنے کی نہیں ہیں، اس کو راستہ نہ بنایا جائے، نہ ان میں

---

(۱)مسلم : باب فضل الجلوس في مصلاه: ۱۵۵۷

(۲) ابن ماجه : باب ماجاء في الصلوة على الجنائز في المسجد تحقيق البانی : ۱۵۱۷ . حسن

(۳)زاد المعاد : في الجنائز : ۴۸۱/۱

(۴) ابن ماجه : باب ما يكره في المسجد : ۷۵۰. معتبر : اعلاء : ۱۶۰/۵

ہتھیار تیز کئے جائیں، نہ کمان پکڑی جائے، نہ تیر پھیلائے جائیں نہ کچا گوشت لے کر گذرا جائے، نہ حد ماری جائے، نہ قصاص لیا جائے، اور نہ اسے بازار بنایا جائے۔(۱)

مسجد میں یہ امور ممنوع نہیں:

کھانا کھانا: بوقت ضرورت مسجد میں کھانا بھی جائز ہے، مسافر و معتکف کے لئے تو عام اجازت ہے، باقی لوگوں کے لئے بھی گاہ بہ گاہ اس کی گنجائش ہے بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں اعتکاف کی نیت کر لی جائے، روایت میں ہے کہ ہم لوگ عہد نبوی میں مسجد میں گوشت روٹی کھاتے تھے(۲)

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرماتھے آپ ﷺ کی خدمت میں گوشت روٹی حاضر کی گئی، آپ ﷺ نے تناول فرمایا، راوی کہتے ہیں کھانے میں آپ ﷺ کے ساتھ میں بھی تھا، کھانے کے بعد آپ ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے کنکریوں سے ہاتھ صاف کئے اور پھر نماز پڑھی (۳)

البتہ مسجد میں کھانے کے لئے یہ شرط ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہونے پائے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس کا لحاظ رکھنا اولی ہے (۴)

لیٹنا اور سونا

معتکف اور مسافر مسجد میں سو بھی سکتا ہے، بقیہ لوگوں کے لئے بھی بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے۔

---

(۱) ابن ماجه : باب ما يكره فى المسجد : ۷۴۸.معتبر:اعلاء السنن۵/۱۶۰

(۲)ابن ماجه : تحقيق البانى : باب الاكل فى المسجد : ۳۳۰۰. صحيح

(۳)ابـن مـاجـه: باب الشواء : ۳۳۱۱. يقويه و يعضده الحديث الصحيح:صحيح ابن حبان مع حواشى الارناؤوط: باب ذكر الاباحة للمرء اكل الخبرو اللحم فى المسجد:۱۶۵۷

(۴)مرقاة المفاتيح مع المشكوة : كتاب الأطعمه: ۱۲ / ۴۶۴

فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر معتکف کو جب ایسی ضرورت ومجبوری پیش آجائے تو اعتکاف کی نیت کرلے اور تھوڑی دیر نوافل وذکر اللہ میں بھی مشغول رہے(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کی مسجد میں استراحت کیا کرتے تھے(۲) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم عہد نبوی میں مسجد کے اندر سویا کرتے تھے (۳)

حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لائے، حضرت علیؓ غائب تھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خفا ہوکر چلے گئے ہیں، آپ ﷺ جب مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، چادر پہلو سے ہٹی ہوئی ہے اور پہلو گرد آلود ہورہا ہے، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے شفقت سے گرد جھاڑ دی اور فرمایا: اے ابوتراب اٹھو اٹھو (۴) البتہ مسجد کو سونے کا مستقل ٹھکانہ بنانا مناسب نہیں، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں سویا ہوا تھا، رسولِ خدا ﷺ تشریف لائے اور مجھے اپنے پائے اقدس سے بیدار کیا پھر فرمایا: کیا بات ہے میں تمہیں مسجد میں سویا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ: مجھے آنکھ لگ گئی تھی (۵)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک دفعہ مسجد تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ صحابہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں سے جاؤ یہ کوئی تمہاری خوابگاہ نہیں ہے(۶)

---

(۱)رد المحتار ۱/۶۱۹. احسن الفتاوی ۶/۴۵۳

(۲)بخاری : نوم الرجال فی المسجد : ۴۴۰

(۳)ابن ماجه : باب النوم فی المسجد: ۷۵۱

(۴)بخاری : باب نوم الرجال فی المسجد: ۴۱۱

(۵) مسند احمد تحقیق شعیب الارنووط : ۲۱۳۸۲. اسناده ضعیف

(۶) ناسخ الحدیث ومنسوخه للأثرم: اسناده مجهول و منقطع ۱/۴۲

ملا علی قاری فرماتے ہیں: پہلی قسم کی احادیث اور دوسری قسم کی احادیث میں اس طور پر تطبیق ممکن ہے کہ جو صاحب رہائش ہو اس کے لئے مسجد میں مستقل سونا مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں (۱)

مشرکین کا مسجد میں داخلہ:

عہد نبوی میں مشرکین اور یہود ونصاری کو مسجد میں ٹھہرانے کا رواج تھا، ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آئے تو ان کو مسجد ہی کے ایک ستون سے باندھا گیا تھا، بعد ازاں وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ (۲)

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وفد ثقیف کو مسجد ہی میں اتارا اور ان کے لئے خیمہ نصب کیا تا کہ وہ قرآن پاک سن سکیں اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں، اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: اس واقعہ سے مسجد میں کافر ومشرک کا اتارنا جائز ثابت ہوا (۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح : باب المساجد ۲/ ۳۸۲

(۲) بخاری : باب دخول المشرک المسجد: ۴۶۹

(۳) زاد المعاد جواز انزال المشرک فی المسجد : ۳/ ۵۲۵

سترہ

سترہ کے لفظی معنی پردہ یا اوٹ کے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان نماز پڑھتے ہوئے اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے تاکہ کوئی شخص اس کے آگے سے نہ گذرے۔

سترہ کا حکم

ایسی جگہ جہاں لوگوں کے گذرنے کا اندیشہ ہو وہاں اپنے آگے سترہ قائم کر لینا مستحب ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ سترہ کی طرف نماز پڑھے اور اسے چاہئے کہ اس کے قریب ہو(۱)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کھلی فضا میں نماز پڑھی (جہاں سامنے سے لوگوں کے گذرنے کا اندیشہ نہ تھا) اور آپ ﷺ کے سامنے کوئی چیز بطور (سترہ) نہ تھی (۲)

سترہ کی حکمت:

نمازی کے خشوع کو متاثر کرنے والی چیزوں کو نمازی کے سامنے سے گذرنے سے روکنا اور نمازی کے خیال کو نماز ہی میں محدود رکھنا، اِدھر اُدھر جانے سے روکے رکھنا ہے۔

(۳)

---

(۱)ابو داؤد :تحقیق البانی: باب الدنو من السترة:۶۹۵. صحیح

(۲) مسند ابی یعلی ۲۶۰۱ حسن. اعلاء السنن ۵/۷۷

(۳)الفقه الاسلامی وادلته : ۲/ ۹۴۰

سترہ کی صورت:

سترہ کم از کم ایک بالشت لمبا اور ضخامت میں کم از کم انگلی کے بقدر ہو، اگر ایسی صفت کا، سترہ دستیاب نہ ہو تو پھر خشوع وخضوع کی برقراری کی غرض سے، سترہ کے متبادل کے طور پر کسی تدبیر کو اختیار کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت سبرہ بن معبدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو تیر کے ذریعہ سترہ بنالے۔(۱)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ تیر کی لمبائی ایک ہاتھ اور چوڑائی ایک انگلی کے بقدر ہوتی ہے۔(۲)

حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے مانند کوئی چیز رکھ لے تو کون اس کے آگے سے گذر رہا ہے اس سے بے فکر ہو کر نماز پڑھ لے(۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے آگے کوئی چیز رکھ لے، اگر نہ پائے تو لاٹھی ہی رکھ لے اگر یہ بھی نہ ملے تو لکیر کھینچ لے، پھر اس کے بعد جو بھی اس کے آگے سے گذرے اس کے لئے کچھ نقصان دہ نہیں (۴)

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (مطلوبہ سترہ نہ ملنے پر) کجاوہ کی پچھلی لکڑی جس طرح کی بھی ہو کافی ہے خواہ وہ بال کی طرح باریک ہی کیوں نہ ہو(۵)

(۱) مسند احمد :تحقیق شعیب الارنووط ۱۵۳۷۸ .حسن

(۲)بنایه : ۱/ ۷۸۹

(۳)مسلم : باب سترة المصلی: ۱۱۳۹

(۴) مسند احمد : تحقیق شعیب الارنؤوط : ۷۴۵۴ حسن : بلوغ المرام : باب سترة المصلی ۲۳۶

(۵) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبی: باب التامین : ۹۲۴ . صحیح

سترہ نمازی سے قریب ہو مگر بالکل سامنے نہ ہو:

نبی ﷺ نے فرمایا: نماز پڑھنے والے کو چاہیئے کہ سترہ کے قریب ہو(۱)

حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ میں نے جب بھی نبی ﷺ کو کسی ٹہنی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو یہی دیکھا کہ آپ ﷺ اسے اپنے سامنے نہیں بلکہ کچھ دائیں یا بائیں طرف کیئے ہوئے تھے(۲)

امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے:

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام کا سترہ، مقتدیوں کا بھی سترہ ہے(۳)

نمازی کے آگے سے گذرنے کی حرمت:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کیا گناہ ہوتا ہے تو اس کا یونہی چالیس سال ٹھہر جانا، نمازی کے سامنے گذرنے سے بہتر ہوتا(۴)

یہ روایت صحیحین میں بھی ہے لیکن اس میں چالیس سال مذکور نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ: اگر نمازی اور اسکے نماز کی جگہ کے سامنے سے گذرنے والا جان لیتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو وہ چالیس (سال) ٹھہرے رہنے کو نمازی کے آگے سے گذرنے سے بہتر سمجھتا(۵)

---

(۱) ابو داؤد: تحقیق البانی: باب الدنو من السترة: ۶۹۵. صحیح

(۲) ابو داؤد: باب اذا صلی الی سارية: ۶۹۳. سکت عنه

(۳) طبرانی اوسط: ۴۷۲ حسن: اعلاء السنن ۵/۷۷

(۴) مسند بزار: ۳۷۸۲. صحیح: مجمع الزوائد: باب فیمن یمر بین یدی المصلی: ۲۳۰۲

(۵) مسند السراج: ۳۹۱. طبع ادارة العلوم الاثرية. اسناد صحیح: تخریج احادیث الاحیاء: ۵۲۹

اس کے پیش نظر علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت اس کے اوراس کی جائے سجدہ کے درمیانی حصہ ہی تک محدود ہے، جائے سجدہ کے آگے سے گذرنا منع نہیں (فتح الباری:۲/ ۲۶۵) احتیاط اس میں ہے کہ جائے سجدہ کے آگے اتنے حصہ کے اندر سے نہ گذرا جائے کہ نمازی اگر اپنی سجدہ کی جگہ پر نگاہ مرکوز رکھ کر نماز پڑھے تو آگے سے گذرنے والا اس کو نظر نہ آئے ،اس کا اندازہ فقہاء نے دوصف آگے یا تین ہاتھ کے ذریعہ لگایا ہے۔(۱)

فائدہ: مسجد حرام میں طواف کرنے والوں کا نمازیوں کے سامنے سے گذرنا ممنوع نہیں ہے۔

حضرت حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے قریب میں سترہ کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے اور مرد وعورت آپ ﷺ کے سامنے طواف کر رہے تھے (۲) باقی غیر طائفین کا نمازیوں کے سامنے سے گذرنا مسجد حرام میں بھی ممنوع ہے، البتہ حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اس کا بھی استثناء کرتے ہیں، بعض احادیث سے امام طحاویؒ کے اس موقف کی تائید بھی ہوتی ہے مثلاً: حضرت مطلبؓ فرماتے ہیں: رسول ﷺ کو مسجد حرام میں اس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ اور لوگوں کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا (۳)
تاہم دیگر فقہاء احناف، سابقہ روایات کی روشنی میں یہاں ،لوگوں سے طواف کرنے والے لوگ مراد لیتے ہیں۔(۴)

(۱)اعلاء السنن : ۵/ ۸۰

(۲)طبرانی کبیر:۲۶۶۸ . ایک راوی متکلم فیه هیں . اعلاء السنن ۵/ ۸۷

(۳)(مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط : ۲۷۲۸۴ .ایک راوی مبهم هے باقی رجال ثقه هیں)

(۴) (اعلاء السنن : ۵/ ۸۴

نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو روکنے کا طریقہ:

نمازی اپنے سامنے سے گذرنے والے کو تسبیح، اشارہ، یا عمل قلیل کے ذریعہ روک سکتا ہے اور متوجہ کرسکتا ہے اگر گذرنے والے کو روکنے میں عمل کثیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نماز میں کوئی معاملہ پیش آجائے تو تسبیح کہنی چاہئے اس لئے کہ جب وہ تسبیح کہے گا تو دوسرا اس کی طرف ضرور متوجہ ہو جائے گا(۱)

عمل کثیر کے ذریعہ نماز کے فاسد ہونے کا بیان سابق میں گذر چکا ہے۔

---

(۱)بخاری : باب ما جاء فی الاصلاح بین الناس: ۲۶۹۰

فقہاء کرام نے کہا ہے اگر مسجد صغیر ہو تو نمازی اور دیوارِ قبلہ کے درمیان سے گذرنا جائز نہیں، اور اگر بڑی مسجد ہو جس کی لمبائی چوڑائی ۴۰۔۴۰/ ہاتھ ہو تو ایسی بڑی مسجد میں نمازی کے آگے سے اتنے فاصلہ سے گذر سکتے ہیں کہ نمازی اگر خشوع وخضوع سے سجدہ کی جگہ نگاہ جما کر نماز پڑھے تو اس کی نظر گذرنے والے پر نہ جاسکے اس کا اندازہ سجدہ کی جگہ سے ایک یا دو صف سے کیا جاسکتا ہے، کتاب النوازل ۴/ ۴۶۵، فتاوی دار العلوم زکریا: ۲/۳۵۴

نماز باجماعت کے احکام

(الف) حکم اور فضیلت:

جمہور کے نزدیک جماعت سنت موکدہ ہے (۱) کوئی عذر لاحق نہ ہو تو جماعت میں شرکت کے لئے مسجد حاضر ہونا ضروری ہے تاہم اس کے باوجود کوئی بے جماعت نماز پڑھ لیتا ہے تو نماز ذمہ سے تو ادا ہو جاتی ہے مگر ترک جماعت کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوگا (۲)

فرض نماز میں جماعت سنت موکدہ اور شریعت کا جاری وساری طریقہ ہے، بے عذر ترک جماعت درست نہیں ہے حتی کہ اگر کسی شہر والے اجتماعی طور پر ترک جماعت کے مرتکب ہوتے ہیں تو اولاً انہیں فہمائش کی جائے گی پھر اگر وہ مانتے نہیں تو ان سے جنگ کی جائے گی کیوں کہ نماز باجماعت دین اسلام کی پہچان اور اس کے خصائص میں سے ہے، اس کا قیام واظہار ضروری ہے اور اس کے ترک کرنے پر تنبیہ بھی ضروری ہے (۳)

اب چند احادیث ملاحظہ ہوں:

نبی ﷺ کا فرمان ہے: میرا یہ قطعی ارادہ ہوا کہ موذن کو اذان کہنے کا حکم کروں پھر ایک آدمی کو لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دوں، بعد ازاں چند نوجوانوں کو لے کر، جن کے ساتھ لکڑی کے ڈھیر ہوں، ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں (۴) ایک اور روایت میں ہے کہ جو بے عذر اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں ان کو ان کے گھروں سمیت جلا ڈالوں (۵)

---

(۱) الفقه الاسلامی: ۲/۱۱۶۷، نیل الاوطار: ۳/۱۰۵

(۲) اعلاء السنن: ۴/۱۸۶

(۳) فتح الملهم: ۲/۲۱۷

(۴) مسلم: باب فضل صلاة الجماعة: ۱۵۱۴

(۵) ابو داؤد تحقیق البانی: باب فی التشدید فی ترک الجماعة: ۵۴۹ صحیح

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اگر ان کے گھروں میں بے گناہ عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ان کو جلا ڈالتا (۱)

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس بستی یا گاؤں میں تین آدمی رہتے ہوں اور پھر ان میں جماعت نہیں ہوتی تو یقیناً ان پر شیطان اپنا غلبہ پا چکا ہوتا ہے، لہذا تم ضرور جماعت سے نماز پڑھو اس لئے کہ بھیڑیا، ریوڑ سے دور بکری ہی کو اپنا نوالہ بناتا ہے، (اور انسان کا بھیڑیا در حقیقت شیطان ہے جب وہ (انسان) تنہا ہوتا ہے تو شیطان اسے کھا جاتا ہے) (۲)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اس کے تنہا نماز پڑھنے سے اچھا ہے، اور دو اشخاص کو لے کر نماز پڑھنا ایک شخص کو لے کر نماز پڑھنے سے اچھا ہے اور جتنی تعداد زیادہ ہوتی رہے گی اسی قدر وہ نماز اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ (۳)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جو آدمی "حی علی الفلاح" سنے پھر اس کا جواب نہ دے (مسجد نہ آئے) تو اس نے محمد ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا ہے (۴)

(ب) عورتوں کا مسجد میں آکر جماعت میں شریک ہونا:

جماعت میں شرکت و حاضری کی تاکید مردوں کے لئے ہے، عورتوں کے لئے گھر پر نماز پڑھنا بلکہ گھر پر بھی اندر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا، مسجد میں آکر باجماعت نماز

---

(۱) مسند احمد تحقیق شعیب الارنووط: ۸۷۸۲ سند کے ایک راوی ضعیف ہیں

(۲) نسائی تحقیق البانی : باب فی التشدید فی ترک الجماعة: ۸۴۷. حسن

(۳) ابو داؤد تحقیق البانی : باب فی فضل الجماعة: ۵۵۴. حسن

(۴) طبرانی اوسط: . ۷۹۹ صحیح: مجمع الزوائد: باب التشدید فی ترک الجماعة: ۲۱۷۱

پڑھنے سے بہتر ہے(۱)

ابوعمروشیبانیؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے روز عورتوں کو مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکال رہے تھے کہ اپنے گھروں کو جاؤ تمہارے لئے یہی بہتر ہے(۲) مجموعی اعتبار سے جمہور ائمہ اربعہ کا مسلک یہی ہے کہ عورتوں کا جماعت میں شرکت کی غرض سے مسجد آنا مناسب نہیں(۳)

فائدہ: نبی ﷺ کے زمانے میں مردوں کی طرح عورتیں بھی مسجد آیا کرتی تھیں، تاہم زمانہ رسالت میں خواتین کی حاضری کی نوعیت مختلف تھی، ایک تو ان خواتین کے پیش نظر صاحب وحی ﷺ سے استفادہ کرنا ہوتا تھا، دوسرے یہ خواتین ان حدود وقیود کی رعایت کے ساتھ حاضر ہوا کرتی تھیں جو بارگاہ رسالت ﷺ سے ان کے لئے مقرر کئے گئے تھے یعنی خستہ حالت(۴) اور بے خوشبو لگائے ہوئے(۵) مسجد آیا کرتی تھیں نیز ان کا باب الداخلہ مسجد میں الگ مقرر تھا(۶) گویا زمانہ رسالت میں خواتین کی حاضری مشروط ہوا کرتی تھی، بعد کے زمانہ میں خواتین نے ان قیود وشرائط کو نظرانداز کردیا تو ان کی حاضری بھی ممنوع ہوگئی چنانچہ حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے کہ اگر رسول پاک ﷺ اس صورتحال کا مشاہدہ فرمالیتے جو عورتوں نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد پیدا کررکھی ہے تو ضرور آپ ﷺ ان کو مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا(۷)

---

(۱)مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط : ۲۷۱۳۵.حسن

(۲)طبرانی کبیر: ۹۳۶۳ :رجاله موثقون : مجمع الزوائد : باب خروج النساء الی المسجد : ۲۱۱۹

(۳)الفقه الاسلامی : ۲/۱۱۷۲

(۴) ابوداؤد تحقیق الالبانی : باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد : ۵۶۵.حسن

(۵)مسلم : باب خروج النساء الی المساجد:۱۰۲۵

(۶)ابو داؤد :تحقیق البانی : باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال: ۴۶۲.صحیح

(۷)مسلم شریف باب خروج النساء الی المساجد۱۰۲۷ مع فتح الملهم : ۲/۶۸.۷۰

(ج) جماعت میں شرکت کے لئے چلنے کا ثواب: مسجد جانے کے لئے انسان کو جتنا زیادہ چلنا پڑے اتنا ہی اس کا ثواب زیادہ ہے، حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: نماز میں سب سے زیادہ اجر اس شخص کا ہے جو سب سے زیادہ چل کر جماعت میں شامل ہوتا ہے(۱)

(د) جماعت کی طرف سکون واطمینان سے چلنا:

مسجد کی طرف جماعت میں شریک ہونے کے لئے دوڑ کر یا تیزی سے نہیں چلنا چاہئے بلکہ سکون واطمینان سے چلنا چاہئے، اس لئے کہ جب انسان نماز کے لئے نکلتا ہے تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ ہم لوگ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ نے بعض لوگوں کا شور سنا، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا بات تھی؟ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ جماعت کی طرف تیزی سے آرہے تھے، فرمایا: ایسا نہ کرو جب تم نماز کی طرف آؤ تو اطمینان اور سکون کے ساتھ آؤ جتنی جماعت تم کو مل جائے اس کو پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پوری کرلو(۲)

(ہ) جماعت سے رہ جانے کے اعذار:

مندرجہ ذیل حالات میں جماعت سے رہ جانے کی رخصت ہے:

(۱) سخت سردی (۲) سخت گرمی (۳) تیز وتند ہوا (۴) موسلادھار بارش (۵) کیچڑ آلود راستہ۔ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک سخت سرد اور بادو باراں والی رات میں اذان کہی اور اذان کے آخر میں یہ اعلان بھی فرمایا کہ: لوگو اپنے

---

(۱) بخاری: باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ: ۶۵۱

(۲) بخاری: باب قول الرجل فاتتنا الصلاۃ: ۶۳۵

اپنے ٹھکانوں ہی میں نماز پڑھ لو، سنو! ٹھکانوں ہی میں نماز پڑھ لو! پھر فرمایا کہ رسول پاک ﷺ بھی سفر میں، سردیا بارش والی رات کے موقع پر موذن کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرماتے کہ اے لوگو! اپنے ٹھکانوں ہی میں نماز پڑھ لو(۱)

حضرت نعیم بن نحام سے مروی ہے کہ ایک نہایت سرد رات کی صبح، موذن رسول اللہ ﷺ نے اذان فجر کہی، مجھے یہ چاہت ہوئی کہ کاش (اذان کے اختتام پر) موذن یوں کہتا کہ جو جماعت میں نہ آئے اس پر کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ (میری چاہت کے مطابق) موذن نے (بحکم رسول اللہ ﷺ) ایسے ہی کہا(۲)

فقہاء نے شدت کی گرمی کو بھی شدت کی سردی کے حکم میں رکھا(۳)

حضرت ابوالملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر جمعہ کے روز، وہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے اسی اثناء کسی قدر بارش ہوئی (جس کی وجہ سے راستہ میں کیچڑ پیدا ہوگیا تھا اور پھسلن کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی) تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے ٹھکانوں ہی میں نماز پڑھنے کا حکم دیا(۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک موقع پر (راستوں میں) سخت کیچڑ بن جانے کے سبب اپنے موذن کے ذریعہ یہ اعلان کروایا کہ نماز گھروں ہی میں پڑھ لو مزید فرمایا کہ ایسا عمل خود نبی ﷺ نے بھی کیا ہے(۵)

(۶) بیماری (۷) خوف

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اذان

---

(۱)مسلم : باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر : ۱۶۳۲، ۱۶۳۳

(۲)مسنداحمد: ۱۷۹۶۳، قوی: ارواء الغلیل: ۵۵۳، ۲۰/۳۴۲

(۳)شامی : ۱/ ۵۸۰

(۴)ابوداؤد : تحقیق البانی: باب الجمعۃ فی الیوم المطیر: ۱۰۶۱، صحیح

(۵)بخاری : باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر: ۹۰۱

سنے پھر اسے اذان کی پیروی کرنے سے کوئی عذر خوف یا بیماری نہ روکے تو جونماز اس نے (بے جماعت کے) پڑھ لی ہے اللہ تعالی اسے قبول نہیں کرتے (۱)

بیماری کے تحت اپاہج، لنگڑا، فالج زدہ، مجبور بوڑھا، ہاتھ و پاؤں کٹا ہوا، سب داخل ہیں (۲) اور خوف عام ہے خواہ جان کا ہو یا مال کا (۳)

(۸) جب کھانا سامنے ہو:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کے سامنے کھانا آجائے تو اسے جلدی نہیں کرنی چاہئے اور اسے چاہئے کہ اپنی ضروری پوری کرے خواہ نماز کھڑی ہو جائے (۴)

دیگر روایات کی روشنی میں یہ رخصت اس صورت میں ہے جب کہ دل کھانے میں اٹکا ہوا ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو ورنہ تو نماز کو مقدم کرنا ہی ضروری ہے۔

چنانچہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کوئی روزہ کی حالت میں ہو تو اسے چاہئے کہ نماز مغرب سے پہلے شام کے کھانے سے فارغ ہو لے اور کھانے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے (۵) ظاہر ہے کہ آدمی جب روزہ سے ہوتا ہے تو اس کا ذہن کھانے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کو (اپنے وقت سے) نہ کھانے کی وجہ سے موخر کرو اور نہ کسی اور وجہ سے (۶)

---

(۱) ابوداؤد: تحقیق البانی: باب التشدید فی ترک الجماعۃ: ۵۵۱. صحیح

(۲) درمختار: ۱/۵۸۰

(۳) حوالۂ سابق

(۴) بخاری: باب اذا حضر الطعام و: اقیمت الصلاۃ: ۶۷۴

(۵) طبرانی اوسط: ۵۰۷۵ صحیح: مجمع الزوائد: باب الاعذار فی ترک الجماعۃ: ۲۱۹۱

(۶) ابوداؤد: تحقیق البانی: باب اذا حضر الصلاۃ و العشاء: ۳۷۶۰. ضعیف

پھر یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ سلف صالحین سادہ غذاؤں کے عادی تھے، کھجور، ستو یا دودھ کے چند گھونٹ ہی ان کے دسترخوانوں کی کل کائنات ہوا کرتے تھے، ایسے میں اگر وہ فوری جماعت میں شریک ہونے کے بجائے کھانے کو ترجیح دیا کرتے تو نماز تو درکنار، ان کی جماعت بھی فوت نہیں ہوا کرتی تھی، اب جب کہ پر تکلف اور نوع بہ نوع کھانوں کا شیوع ہوگیا ہے تو ایسی حالت میں کھانے کی مشغولیت جماعت تو جماعت، نماز کے فوت ہونے کا باعث بھی بن سکتی ہے، اس لئے اگر کھانے کا بہت شدید تقاضا نہ ہو تو پہلے اطمینان سے نماز باجماعت پڑھ لے پھر دسترخوان پر آئے (۱)

(۹) جب پیشاب پاخانے کا شدید تقاضا ہو:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھانے کی موجودگی میں اور بول و براز کے شدید تقاضے کے وقت کوئی نماز نہیں (۲)

(۱۰) سخت ضرورت کے وقت:

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ انسان کی دین کے بارے میں سمجھ کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر اسے نماز کے وقت کوئی ضرورت درپیش ہو تو پہلے وہ اپنی ضرورت پوری کرلے تاکہ جب وہ نماز کی طرف آئے تو پوری دلجمعی کے ساتھ آئے (۳)

احادیث و آثار کے مجموعہ سے یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ عذر جس کی وجہ سے آدمی کو جماعت کی حاضری میں غیر معمولی مشقت اٹھانی پڑتی ہو یا جس کی وجہ سے علانیہ اس کی جمعیت خاطر متاثر ہوتی ہو، اس کے پیش آنے پر اسے جماعت کی شرکت

---

(۱) اعلاء السنن: ۴/۲۰۷

(۲) مسلم: باب کراھۃ الصلاۃ مع مدافعۃ الاخبثان: ۱۲۷۴

(۳) بخاری: تعلیقا: باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلاۃ

سے رخصت مل جاتی ہے(۱)

(و) کتنے آدمیوں کے ملنے سے جماعت بنتی ہے:

امام کے علاوہ کم از کم ایک نمازی ہوتو جماعت ہو جاتی ہے خواہ وہ سمجھ دار بچہ ہو یا عورت ہو، حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی نے فرمایا: دو یا ان سے زیادہ افراد سے جماعت ہو جاتی ہے۔(۲) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ میمونہؓ کے یہاں سویا، رات کو نبی ﷺ جب اٹھ کر نماز پڑھنے لگے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہو گیا، میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے سر سے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا(۳) مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: اور میں اس وقت دس سال کا تھا(۴) معلوم ہوا کہ سمجھ دار بچہ ہو تو بھی جماعت بن جاتی ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو جاگا اور اس نے اپنی بیوی کو بھی جگایا اور پھر دونوں نے نماز پڑھی تو ان دونوں کو الذکرین اللّٰہ کثیراً والذکرات ۔ (اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتوں) میں لکھ دیا گیا۔(۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے علاوہ تنہا ایک عورت موجود ہو تو بھی جماعت بن سکتی ہے، البتہ اگر وہ عورت غیر محرم ہو تو پھر ایسی عورت کا امام بننا باعث فتنہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے(۶)

(۱) اعلاء السنن: ۴/ ۲۰۱

(۲) ابن ماجہ : باب الاثنان جماعۃ: ۹۷۲ یو یّدہ خبر البخاری: مرقاۃ المفاتیح: باب الجماعۃ ۱۰۸۱

(۳) بخاری: باب یقوم عن یمین الامام :۶۹۷.۶۹۸.۶۹۹

(۴) مسند احمد :۳۴۳۷ تحقیق شعیب ارنؤوط: ایک راوی ضعیف ہیں باقی رجال بخاری ومسلم کے رجال ہیں

(۵) ابوداؤد : تحقیق البانی: باب الحث علی قیام اللیل :۱۴۵۳. صحیح

(۶) درعلی الرد: ۱/ ۵۳۹ باب الامامۃ

مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ:

مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کرنا جمہور ائمہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ وامام شافعیؒ) کے نزدیک مکروہ ہے (۱) بلکہ امام شافعیؒ نے نہایت پرزور انداز میں جماعت ثانیہ کے قیام پر نکیر فرمائی ہے اور اسے سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف بتلایا ہے، مزید فرمایا کہ مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کا رواج امت مسلمہ کی وحدت و جمعیت کے لئے نقصان دہ ہے (۲)

ایک موقع پر جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا ارادہ یہ ہے کہ میں اپنی جگہ کسی آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم کروں اور خود ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں پھر ان کے گھروں کو لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر جلا ڈالنے کا حکم دیدوں (۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسجد میں ایک ہی جماعت کی جاتی تھی، جماعت ثانیہ کا کوئی تصور ہی نہ تھا، اگر جماعت ثانیہ کا رواج ہوتا تو جماعت اولی سے پیچھے رہ جانے والوں کے تعلق سے اس قدر شدید وعید رسول پاک ﷺ بیان نہ فرماتے۔

چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے اطراف سے تشریف لائے آپ ﷺ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا، لیکن آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، لہذا آپ ﷺ اپنے گھر چلے گئے اور گھر والوں کو اکھٹا کر کے نماز پڑھائی۔ (مسجد میں جماعت ثانیہ قائم نہیں کی) (۴)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صلّی فیه مرّة: ۲۲۰

(۲) کتاب الام فضل الجماعة و صلاة معهم: ۱/۱۵۴. ۱۵۵

(۳) مسلم باب فضل صلاة الجماعة: ۱۵۱۴

(۴) طبرانی اوسط: ۴۶۰۱ رجاله ثقات: مجمع الزوائد: باب فیمن جاء الی المسجد فوجد الناس قد صلوا: ۲۱۷۷

حضرت سالمؒ بن عبد اللہؓ بن عمرؓ سے لوگوں نے ایک موقع پر جماعت ثانیہ کی درخواست کی تو فرمایا: ایک مسجد میں ایک ہی نماز دو دفعہ با جماعت نہیں پڑھی جاسکتی (۱)

حضرت سالمؒ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی یہی بات منقول ہے (۲)

فائدہ: بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انسؓ نے ایک مسجد میں اذان واقامت کہہ کر جماعت ثانیہ فرمائی تھی (۳) محدثین کا خیال یہ ہے کہ مسجد مذکور شاید راستہ کی مسجد تھی جس کا کوئی امام وموذن مقرر نہ تھا اور ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ کسی کے یہاں مکروہ نہیں ہے، یہ خیال اس بنا پر بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت انسؓ نے باقاعدہ اذان اقامت کہہ کر جماعت ثانیہ فرمایا تھا، حالاں کہ جولوگ جماعت ثانیہ کے قائل ہیں وہ بھی تکرار جماعت کی صورت میں اذان کی تکرار کو نادرست سمجھتے ہیں (۴) ایسے ہی ترمذی شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص ایسے وقت حاضر ہوا جب کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا چکے تھے، رسول اللہ ﷺ نے (اسے دیکھ کر) فرمایا: کون ہے جو اس پر تجارت کرے گا؟ (اس کو جماعت کا ثواب دلا کر خود بھی شریک اجر ہوگا) ایک شخص کھڑا ہوا اور اس آنے والے کے ساتھ نماز پڑھ لیا (۵) اس روایت کے ذریعہ جماعت ثانیہ کے ثبوت پر استدلال اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں دوسری بار جماعت میں شریک ہونے والا نفل کی نیت سے شریک ہو رہا ہے فرض نماز تو وہ رسالت مآب ﷺ کی اقتداء میں ادا کر چکا ہے اور یہ چیز ممنوع نہیں، ممنوع تو وہ صورت ہے کہ جب امام اور مقتدی فرض نماز کی ادائیگی کے لئے جماعت ثانیہ کر رہے ہوں (۶)

---

(۱) المدونة الکبری لمالک : ۱/ ۹۰ رجاله کلهم ثقات :اعلاء السنن ۴/ ۲۸۰

(۲) ابوداؤد: باب اذا صلی فی جماعة ثم ادرک جماعة یعید

(۳) بخاری : تعلیقا :باب فصل صلاة الجماعة

(۴) اعلاء السنن : ۴/ ۲۸۰

(۵) ترمذی :باب ما جاء فی مسجد قد صلی فیه مرة : ۲۲۰ .حسن امام ترمذی

(۶) اعلاء السنن : ۴/ ۲۸۰

امامت کا بیان

(الف) امام کن صفات کا حامل ہو:

امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کی درستگی وفساد سے تعلق رکھنے والے ضروری مسائل سے واقفیت رکھتا ہو، معاصی اور گناہ کے کاموں سے اجتناب کرتا ہو، بقدر واجب قرآن کا حافظ ہو، بقدر ضرورت علم تجوید سیکھا ہوا ہو، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم کو اس بات سے مسرت ہو کہ تمہاری نمازیں مقبول ہوں تو تمہارے بھلے لوگ تمہارے امام ہونے چاہئے (۱) ایک اور روایت میں ہے: چاہئیں کہ تمہارے علماء تمہارے امام ہوں، اس لئے کہ ائمہ حضرات، تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ترجمان ہوتے ہیں (۲)

امامتِ صلاۃ درحقیقت نبی ﷺ کی، جو دنیا وآخرت کے پیشوا اور امام ہیں، نیابت کا ایک حصہ ہے، چوں کہ نبی ﷺ تمام اوصاف حمیدہ کے جامع اور نمونہ قرآن ہیں، اس لئے آپ ﷺ کی ہدایت یہ رہی کہ جو شخص آپ ﷺ کی نیابت کرے اس میں بھی ان اوصاف کا پرتو موجود ہو چنانچہ متعدد ارشادات کے ذریعہ نبی ﷺ نے امام کی صفات اور امامت کے معیارات کو بیان فرمایا ہے (۳)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی امامت، ان میں کتاب اللہ کا جو سب سے بڑا قاری ہو وہ کرے، پس اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو جوان میں سنت (دین) کا سب کے بڑا عالم ہو وہ کرے پس اگر وہ سنت میں بھی برابر ہوں تو جو ان میں ہجرت کے لحاظ سے قدیم

---

(۱) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی: ۴۹۸۱ .سکت علیہ الحاکم و الذھبی

(۲) طبرانی کبیر : ۷۷۷ .حسن لغیرہ: اعلاء ۴/۲۱۹

(۳) فتح الملھم : ۲/۲۳۱

ہو وہ کرے پھر اگر ہجرت کے معاملہ میں بھی سب ایک جیسے ہوں تو جوان میں زیادہ عمر والا ہو وہ امامت کرے(۱)

حضرت عقبہ بن عمرو ابو مسعود انصاریؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو دین کی زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والا ہے وہ قوم کی امامت کرے اور اگر اس صنف میں تمام لوگ، برابر ہوں تو جو سب سے بڑا قاری قرآن ہو وہ امامت کرے(۲)

حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کہنا تھا کہ قوم کی امامت، ان میں کا فقیہ ترین آدمی کرے، اگر فقہ میں وہ سب برابر ہوں تو جوان میں کا بڑا قاری ہو وہ کرے اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جوان میں بڑی عمر والا ہو وہ کرے(۳)

یہاں بظاہر حدیث اول اور حدیث ثانی وثالث میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اول میں تو قاری کو عالم وفقیہ پر مقدم رکھا گیا ہے اور دوسری وتیسری حدیث میں اس کے برعکس عالم وفقیہ کو قاری پر مقدم کیا گیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قاری کا جو مصداق ابتداء اسلام میں پایا جاتا تھا بعد میں وہ باقی نہ رہا، دور اول کے جملہ صحابہ جو قاری ہوتے تھے وہ دین کی کافی سمجھ بوجھ رکھنے والے بھی ہوا کرتے تھے، بعد کے دور میں یہ صورتحال نہیں رہی کہ جو قاری ہو وہ فقیہ بھی ضرور ہو، وجہ اس کی یہ تھی کہ جو صحابہ دور اول میں اسلام لائے وہ حفظ وقرأت قرآن اور فہم قرآن دونوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے تھے، بعد میں جو نسل اسلام میں پیدا ہوئی وہ اپنی عمر کے ابتدائی حصہ میں قرآن سیکھا کرتی تھی پھر آگے چل کر دین کی سمجھ بوجھ میں کمال پیدا کیا کرتی تھی، چنانچہ

---

(۱)مسلم : عن ابی مسعود الانصاری : باب من احق با لامامة ۱۵۶۴

(۲)مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبی:۸۸۷. سکت علیه الحاکم و الذهبی

(۳)کتاب الام : اجتماع القوم فی منزلهم سواء ۱/۱۵۸ . صحیح:اعلاء السنن ۴/۲۱۷

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے ہم دس آیتوں سے اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک کہ ان کے احکام اور اوامر و نواہی کی معرفت حاصل نہ کرلیں (۱)

ایک زمانہ کے بعد یہ صورتحال بھی عمومی طور پر برقرار نہ رہی ، بہت سے لوگ نرے قاری ہو کر رہ گئے ، قرآن فہمی کی طرف ان کی مطلق توجہ نہ ہوئی ، اس پس منظر میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ہم قرآن سے قبل ایمان کے خوگر ہو چکے تھے ، حال یہ تھا کہ کوئی سورت جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر اترتی تو ہم اس کے حلال و حرام کو اور اس کے اوقاف کو سیکھتے جیسے تم لوگ قرآن سیکھتے ہو ، پھر میں نے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا جو ایمان (کے راسخ ہونے) سے قبل ، قرآن کو لئے ہیں تو وہ سورۃ فاتحہ سے ختم قرآن تک پڑھ جاتے ہیں مگر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ قرآن انہیں کیا حکم دے رہا ہے اور کس سے روک رہا ہے اور قرآن میں کہاں کہاں اوقاف کرنے چاہئیں ، بس وہ بے قاعدہ قرآن پڑھتے چلے جاتے ہیں (۲)

غرض معلوم ہوا کہ اصل مطلوب اور اہمیت کی حامل چیز تفقہ اور قرآن فہمی ہے ، دور اول میں چوں کہ دینی سمجھ بوجھ ہر ایک کو فی الجملہ حاصل تھی ، نیز حفاظت قرآن کے مقصد کے پیش نظر لوگوں کو قرآن کے حفظ کی ترغیب دینا بھی عین مصلحت تھا ، اس لئے حفظ اور قرأت قرآن کی زیادتی کو وجہ ترجیح بنایا گیا کہ بسہولت اس کا ادراک ہوسکتا ہے ، بعد میں اس صورتحال میں فرق پیدا ہوگیا تو بقدر ضرورت قرأت و حفظ کو مدنظر رکھنے کے ساتھ علم فقہ ہی کو وجہ ترجیح قرار دیدیا گیا ، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت ابوبکرؓ کو منصب امامت پر فائز فرمایا تھا ، حالاں کہ حضرت ابوبکرؓ

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن و السبعون فی معرفة شروط المفسر و ادابه: ۶۲۸۸ . مصنف عبد الرزاق عن ابی عبد الرحمان السلمی: باب تعلیم القرآن و فضله: ۶۰۲۷ صحیح : احمد شاکر : مباحث فی علوم القران: التعریف بالعلم وبیان نشأته ۶/۱ .. فتح الملهم : ۲/۲۳۰

(۲) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبی : کتاب الایمان : ۱۰۱ . صحیح

گو تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے (۱) مگر سب سے بڑے قاری نہ تھے بلکہ سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب تھے (۲) معلوم ہوا کہ اعلم (علم میں بڑا) اقرأ (قرأت میں بڑا) پر فوقیت رکھتا ہے (۳) ☆

تفصیل بالا سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ: امامت کا زیادہ حقدار:

(۱) وہ شخص ہے جو دین کی (بالخصوص مسائل نماز کی) زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والا ہو (بقدر ضرورت علم تجوید وقرأت وحفظ قرآن کے ساتھ ساتھ)

(۲) پھر وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کا بڑا اقاری ہو۔

(۳) پھر وہ ہے جو ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہو۔

فقہاء کرام نے ہجرت کا رواج نہ ہونے کی بناء پر، گناہوں اور خطاؤں سے زیادہ اجتناب کرنے والے (متقی) کو تیسرے درجہ پر رکھا ہے، اس لئے کہ احادیث کی رو سے ایسا شخص بھی مہاجر (معنوی) کہلاتا ہے، ارشاد نبوی ہے: مہاجر وہ شخص کہلاتا ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو ترک کردے (۴)

(۴) پھر وہ ہے جو عمر میں زیادہ ہو۔

حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (دو مسافر صحابہ سے)

---

(۱) بخاری : باب اهل العلم و الفضل احق با لامامة: ۶۷۸

(۲) مستدرک حاکم : مع تعليقات الذهبی : ذکر مناقب ابی بن کعبؓ : ۵۳۲۸ سکت عنه الحاکم و الذهبی

(۳) اعلاء السنن : ۴/۲۱۷. ۲۲۲

☆ یہی امام مالکؒ وشافعیؒ کی بھی رائے ہے البتہ امام احمدؒ کے نزدیک اقرأ کو افقہ پر فوقیت حاصل ہے. الفقه الاسلامی : ۲/۱۲۰۱

(۴) بخاری: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده: ۱۰

فرمایا: جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہو اور اقامت دو پھر جو تم میں کا بڑا ہو وہ امامت کرے(۱)

(۵) پھر وہ جو زیادہ خوش اخلاق ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ اگر وہ عمر میں برابر ہوں تو ان میں جو حسن صورت رکھنے والا ہو وہ امامت کرے(۲) سلف کے مطابق اس سے مراد حسن کردار واخلاق ہے(۳)

(۶) پھر وہ جو عمدہ نسب والا ہو۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے بھلے لوگ تمہارے امام ہونے چاہئیں(۴)

عمدہ نسب والا بالعموم گھٹیا نسب والے سے عادات واطوار میں فائق وبرتر ہوتا ہے،

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح انسانوں کی مثال بھی کانوں جیسی ہے جو ان میں زمانۂ جاہلیت میں اچھا تھا وہ قبول اسلام کے بعد بھی اچھا رہا جب کہ دین کی سمجھ حاصل کرلی(۵)

(۷) پھر وہ جو خوش آواز رکھنے والا ہو۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، اچھی آواز رکھنے والا بندہ جب خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کی جانب اس سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں جتنا کہ ایک گلوکارہ کا مالک، گلوکارہ کی آواز کی طرف توجہ کرتا ہے(۶)

---

(۱)بخاری : باب سفر الاثنین: ۲۸۴۸

(۲)السنن الکبری للبیهقی : باب من قال یو مهم احسنهم ان صح الخبر:۵۵۰۵. اشار البیهقی الی تضعیفه

(۳)تلخیص الحبیر : ۲/۹۷ کتاب صلاة الجماعة

(۴)مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبی: ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی: ۴۹۸۱. سکت علیه الحاکم و الذهبی

(۵)بخاری : باب قول الله تعالی : یایها الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی : ۳۴۹۳

(۶)صحیح ابن حبان تحقیق شعیب الارنووط باب قراء ة القرآن : ۷۵۴ حسن

(۸) پھر پاکیزہ لباس والا:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی جمیل وخوبصورت ہے اور خوبصورتی و جمال کو پسند فرماتا ہے(۱)

فائدہ: خلیفہ وقت اپنے حدود سلطنت میں، صاحب خانہ اپنے مکان میں، مسجد کا امام اپنی مسجد میں جب کہ ان کے اندر امامت کے ضروری شرائط موجود ہوں تو یہ حضرات دوسروں کے مقابلہ امامت کا زیادہ حق رکھتے ہیں خواہ دوسرے لوگ علم وفقہ وغیرہ میں ان پر فائق ہوں۔

حضرت ابو مسعودؓ انصاری سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے افراد خانہ میں کوئی اور شخص اس کی امامت نہ کرے اور نہ اس کے دائرہ اختیار میں کوئی اس کا امام بنے الّا یہ کہ وہ خود (صاحب خانہ یا سلطان) اس کی اجازت دے دے(۲)

حضرت ابن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ خود صاحب خانہ امامت کے لئے آگے بڑھے(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی کام سے مدینہ منورہ کے ایک محلّہ میں تشریف لے گئے، نماز کا وقت آیا تو وہاں کی قریبی مسجد میں تشریف لے گئے، مسجد کا امام حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا آزاد کردہ (صاحب علم وفضل) غلام تھا، امام مسجد نے حضرت ابن عمرؓ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب میں فرمایا کہ تم اپنی مسجد میں مجھ سے زیادہ امامت کے حقدار ہو، چنانچہ انہی امام صاحب نے نماز پڑھائی(۴)

(۱)مسند احمد : تحقیق شعیب الارنووط : مسند عبداللہ بن مسعودؓ : ۳۷۸۹.صحیح لغیرہ

(۲)مسلم : باب من احق بالامامۃ : ۱۵۶۴

(۳)طبرانی کبیر : ۸۴۱۴صحیح . مجمع الزوائد : باب امامۃ الرجل فی رحلہ : ۲۳۳۳

(۴)مسند الشافعی : الباب السابع فی الجماعۃ : ۳۲۱. السنن الکبری للبیہقی : باب الامام الراتب اولی من الزائر : ۵۵۳۱حسن : ارواء الغلیل : ۵۲۲

(ب) وہ لوگ جن کی امامت مکروہ ہے:

(۱) فاسق وفاجر

نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، تمہارے بھلے لوگ تمہارے امام ہونے چاہئیں ۔ (۱) تاہم کوئی فاسق و بدکار آدمی بزور طاقت امام بن گیا ہو، اسے برطرف کرنا قدرت واختیار میں نہ ہو، اوراس کے پیچھے نماز پڑھے بغیر چارہ کار بھی نہ ہوتو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینے سے کوئی کراہت یا جماعت کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ۔

ارشاد نبوی ہے : کوئی بدکار آدمی ، کسی صالح مومن کا امام نہ بنے ، ہاں اگر وہ تلوار اور کوڑے کی طاقت سے امام بن جائے (تو پھراس میں صالح مومن کا کوئی قصور نہیں ، اسے بدستور جماعت کا بھرپور ثواب ملے گا)(۲) ☆

ایسی ہی ناگوار صورتحال کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ ہر امام کے پیچھے (خواہ متقی ہو یا فاسق) نماز پڑھو ۔(۳)

اور عمل صحابہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حجاج بن یوسف (جیسے ظالم وفاجر) کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے ۔(۴)

حضرت حسنؓ و حسینؓ مروان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور اعادہ بھی نہیں

---

(۱) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی: ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی: ۴۹۸۱. سکت علیه الحاکم والذھبی

(۲) ابن ماجه: باب فی فرض الجمعه: ۱۰۸۱

☆ سند کے لحاظ سے یہ اگرچہ ضعیف ہے تاہم معتبر وقابل استدلال ہے (اعلاء السنن: ۴/۲۲۹)

(۳) طبرانی کبیر: ۱۶۷۸۳. الاسناد منقطع وھو حجة عند الاصحاب اعلاء السنن ۴/۲۳۱

(۴) مصنف ابن شیبه: فی الصلوۃ خلف الامراء: ۷۶۴۱. صحیح. ارواء الغلیل: ۵۲۵

کرتے تھے (۱) عبدالکریم البکاء کہتے ہیں: میں نے دس صحابہ کرام کو ایسے پایا کہ وہ ظالم حکمرانوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے (۲)

(۲) غلام (۳) گنوار (۴) نابینا (۵) ولد الزنا، ان کی امامت بھی مکروہ ہے، دو وجہ سے ایک تو اس بنا پر کہ حصول علم کے مواقع ان کو میسر نہیں ہوتے، دوسرے اس لئے کہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت نہیں ہوتی، لوگ ان سے خوش نہیں رہتے اور حدیث پاک میں ہے کہ وہ امام، جس سے مقتدی راضی نہیں، اس کی نماز اس کے کانوں سے بھی اوپر نہیں اٹھتی (چہ جائیکہ بارگاہ خداوندی اور عرش معلیٰ تک رسائی ہو) (۳)

حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ مہاجرین کو آگے بڑھنے اور اگلی صفوں میں رہنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور یوں ارشاد فرماتے کہ یہ لوگ، بے وقوفوں اور گنواروں سے کہیں زیادہ نماز کی جانکاری رکھتے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ گنوار لوگ، ان کے امام بنیں حالاں کہ انہیں یہ بھی پتہ نہ ہو کہ نماز کیسے ہوتی ہے؟ (۴)

معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی امامت کے مکروہ ہونے کی وجہ، ان کی لاعلمی اور بے وقعتی ہے، پس اگر یہ لوگ علم و فضل سے آراستہ ہو جائیں اور معاشرہ میں شرف وعزت حاصل کرلیں تو ان کے امام ہونے میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔

---

(۱) السنن الکبری للبیھقی: باب الصلوۃ خلف من لا یحمد فعله: ۵۰۸۶، ۵۰۸۷. صحیح: ارواء الغلیل: ۵۲۶

(۲) التاریخ الکبیر للامام البخاریؒ: باب عبد الکریم: ۱۸۰۰

(۳) ترمذی تحقیق الالبانی: /باب فیمن ام قوما وھم له کا رھون: ۳۶۰. حسن

(۴) مسند بزار: ۴۶۴۵ اسناد ضعیف: مجمع الزوائد: باب فیمن یستحق ان یکون فی الصف الاول: ۲۵۲۵

چنانچہ حضرت عائشہؓ کے باکمال غلام ابوعمرؒ کے پیچھے بعض صحابہ اور جلیل القدر تابعین کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔(۱) مشہور نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو ایک موقع پر خود نبی پاک ﷺ نے، مدینہ میں نماز وغیرہ امور کے متعلق اپنا جانشین بنایا تھا۔(۲) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: گنوار آدمی، غلام اور ولد الزنا جب نماز قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ان کے امام بننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۳)

(ج) امام اور مقتدی کے باہمی ربط کی نوعیت:

شریعت کی نظر میں امام ومقتدی کی نماز یکساں ومتحد شمار کی جاتی ہے یعنی مقتدیوں کی نماز، امام کی نماز میں ضم رہتی ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) شریعت نے امامت کا زیادہ حقدار، اس شخص کو قرار دیا ہے، جو فضل وکمال میں باقی افراد سے بڑھا ہوا ہو۔(۴) یہ اس وجہ سے ہے کہ انسان جس طرح سفر کے لئے عمدہ سواری کا انتخاب کرتا ہے تاکہ آرام کے ساتھ سفر ہو سکے، اسی طرح شریعت نے عمدہ امام کے انتخاب کرنے کو کہا ہے تاکہ مقتدیوں کی نماز عمدہ ہو سکے، کیوں کہ ان کی نماز، فضیلت ونقصان میں امام کی نماز کے تابع ہے جیسے سوار آدمی، تیز رفتاری اور سست رفتاری، کج روی اور راست روی میں سواری کے تابع ہوتا ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ تمہاری نمازیں مقبول ہوں تو تمہارے بھلے اور نیک لوگ، (۵) ایک راویت کے مطابق تمہارے

(۱) مسند الشافعی: الباب السابع فی الجماعة: ۳۱۴. صحیح او حسن: خلاصة الاحکام: ابواب صفة الائمه: ۲۴۱۹

(۲) مسند احمد تحقیق شعیب الارنووط: مسند انس بن مالک: ۱۳۰۲۳. حسن

(۳) مصنف عبد الرزاق: هل یوم ولدالزنی: ۳۸۳۸. صحیح

(۴) مسلم: باب من احق بالامامة: ۱۵۶۴

(۵) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبی: ذکر مناقب مرثد ابن ابی مرثد: ۴۹۸۱. سکت علیه الحاکم والذهبی

علماء، تمہارے امام ہونے چاہئیں کیوں کہ ائمہ حضرات تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ترجمان ہوتے ہیں۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدیوں کی نماز متحد ہے۔

(۲) شریعت کی نظر میں، امام کی نماز کا فساد، مقتدیوں کی نماز کو بھی متاثر وفاسد کر دیتا ہے، اس کے برخلاف مقتدی کی نماز کا فساد خود اس کی نماز تک محدود رہتا ہے امام کی نماز کو متاثر نہیں کرتا۔

نبی ﷺ کا ارشاد: امام ضامن ہوتا ہے(۲) یعنی نماز کی صحت وفساد کے اعتبار سے ذمہ دار، امام ہوتا ہے نہ کہ مقتدی۔(۳)

سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت حمادؒ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔(۴) معلوم ہوا کہ امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو ضم کئے رہتی ہے۔

(۳) امام کے سہو سے خود اس پر اور تمام مقتدیوں پر سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے مگر مقتدی کے سہو سے نہ اس پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے نہ دوسرے مقتدیوں پر اور نہ امام پر، متعدد صحابہ وتابعین سے یہ مسئلہ منقول ہے۔(۵) معلوم ہوا کہ امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو ضم کئے رہتی ہے۔

---

(۱) طبرانی کبیر:۷۷۷. حسن لغیرہ: اعلاء السنن ۴/۲۱۹

(۲) ترمذی تحقیق الالبانی: باب ما جاء ان الامام ضامن:۲۰۷. صحیح

(۳) عمدة القاری ۵/۲۳۹ باب اذا طول الامام و کان للرجل حاجة.

(۴) مصنف عبد الرزاق: باب الرجل یؤم القوم: ۳۶۵۹ کتاب الاثار لامام محمد: باب مایقطع الصلوة عن ابراهیم النخعیؒ: ۱۳۲. صحیح

(۵) مصنف عبد الرزاق: باب هل علی من خلف الامام سهو: ۳۵۰۶، ۳۵۰۹. مصنف ابن ابی شیبه: الامام یسهو فلا یسجد: ۴۵۵۶، ۴۵۶۱. سکت علیه المحقق محمد عوامه

(۴) شرعی حکم ہے کہ امام کا سترہ، مقتدیوں کے لئے بھی کافی ہے(۱) امام بخاری اور دیگر اصحاب صحاح نے اس کو ترجمۃ الباب بنایا ہے۔ یہ مسئلہ بھی دلالت کرتا ہے کہ امام اور مقتدیوں کی نماز ایک (متحد) ہے۔

(۵) عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب واحد کی اضافت جمع کی طرف ہوتی ہے تو مضاف ایک ہوتا ہے اور مضاف الیہ متعدد ہوتا ہے مثلاً **کتابھم** (ان کی کتاب) **ابوھم** (ان کے والد) پس کتاب اور والد ایک ہیں اور مالک اور بیٹے متعدد ہیں، اور جب جمع کی اضافت جمع کی طرف ہوتی ہے تو مضاف اور مضاف الیہ دونوں متعدد ہوتے ہیں جیسے **أخذوا أقلامھم** (انہوں نے اپنے اپنے قلم لئے) یہاں اشخاص بھی متعدد ہیں اور قلم بھی، خلاصہ یہ کہ اضافت کی پہلی صورت میں جمع کے تمام افراد واحد میں شریک رہتے ہیں اور دوسری صورت میں علیحدہ علیحدہ، جمع کے تمام افراد پر شئی کی تقسیم ہوتی ہے، اب تمام احادیث پر نظر ڈال لیجئے اور عرف کو بھی دیکھ لیجئے کہ سب جگہ صلوۃ الجماعۃ کہا جاتا ہے، کسی جگہ صلوات الجماعۃ نہیں ملے گا، اس سے بھی ثابت ہوا کہ کل جماعت کی نماز ایک ہے، اور امام کی نماز میں شامل ہے۔(۲)

امام ومقتدی کے اس باہمی ربط وتعلق (کہ امام کی نماز اصل اور مقتدیوں کی نماز کو اپنے اندر ضم اور شامل کئے رہتی ہے) کی نوعیت پر بیشتر مسائل اقتداء موقوف ہیں مثلاً

(۱) مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) وضو والا آدمی، تیمّم والے امام کی اقتداء کرسکتا ہے۔

---

(۱) سند میں ضعف ہے(طبرانی اوسط: ۴۶۵، مجمع الزوائد: باب سترة الامام سترة من خلفه: ۲۳۰۶

(۲) شرح توثیق الکلام ملحضاً: ۸۰ ۔ ۸۷

(۳) نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے۔

(۴) کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والا، بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے۔

ان تمام مسائل میں امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو اپنے اندر ضم کرنے کی شرعاً صلاحیت وقوت رکھتی ہے۔

(۵) فرض پڑھنے والا، نفل پڑھنے والے کی ایسے ہی بالغ، نابالغ کی اقتداء نہیں کرسکتا کیوں کہ یہاں امام کی نماز، مقتدیوں کی نماز کو اپنے اندر ضم کرنے کی شرعاً صلاحیت وقوت نہیں رکھتی۔

اب ان مسائل پر تھوڑی تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے۔

قرأت خلف الامام کا مسئلہ:

مقتدی کو امام کے پیچھے نہ جہری نماز میں قرأت کرنی ہے نہ سری نماز میں، ارشاد خداوندی ہے: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو۔(۱)

امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق بالاجماع اس آیت کا نزول، امام کے پیچھے قرأت کرنے کے سلسلہ میں ہوا ہے۔(۲)

امام بیہقیؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے (۳)

---

(۱) الاعراف : ۲۰۴

(۲) المغنی لابن قدامة : ۱/ ۶۳۶ .فتاوی ابن تیمیه : ۲/ ۲۸۸ . تحقیق عبدالقادر عطا. الناشر: دار الکتب العلمیه

(۳) التعلیق الحسن : ۱/ ۸۴

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سلف سے بطریق شہرت منقول ہے کہ یہ آیت نماز کے اندر قرأت کرنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کسی فرض نماز میں قرأت فرمائی اور صحابہ نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کی اور آپ ﷺ پر (قرأت کے معاملہ میں) اشتباہ پیدا کر دیا، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔(۲)

حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قرأت فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے (مقتدیوں میں سے) ایک انصاری نوجوان کی قرأت کو سنا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو۔(۳)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: آیت کریمہ کی رو سے قرآن پاک کو کان لگا کر سننا قرأت کرنے سے بہتر ہے اور جو اس کے برعکس کہے وہ نص یعنی کتاب وسنت اور اجماع کا مخالف ہے، تعجب ہے کہ چند لوگ ضم سورۃ میں تو کان لگا کر سننے کو، قرأت کرنے سے بہتر تسلیم کرتے ہیں لیکن قرأت فاتحہ میں یہ تسلیم نہیں کرتے حالاں کہ قرآن کا اہم ترین مصداق فاتحہ ہی ہے جس کے (قرآن کے) پڑھے جانے پر غور سے سننے اور خاموش رہنے کا آیت اعراف میں حکم ہے(۴)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: مقتدیوں کے لئے غور سے سننے اور خاموش رہنے کے حکم خداوندی میں دو مصلحتیں ہیں ایک تو تلاوت قرآن کو بغور سماعت کرنا، جو ظاہر ہے، دوسری مصلحت امام کو اپنا ترجمان ونمائندہ تسلیم کرنا یعنی بارگاہ خداوندی میں

---

(۱) فتاوی ابن تیمیه : ۲/ ۲۸۸

(۲) طبری : ۹ / ۱۱۲

(۳) القراءة خلف الامام: للبيهقى: ۲۱۶ .وهذا مرسل: الدرايه: ۱/ ۱۶۴

(۴) فتاوی ابن تیمیه : ۲/ ۲۸۸

بشکل سورۃ فاتحہ ہدایت کی درخواست پیش کرنے پھر وہاں سے ہدایت کے سرچشمہ (ضم سورۃ اور باقی قرآن) کا نشان وسراغ پانے میں امام کو واسطہ بنانا۔

سلاطین کے دربار اور آداب شاہان سے آگاہ، ہر خاص وعام یہ بخوبی جانتا ہے کہ وہاں یکساں ضرورت وغرض سے جب کوئی جماعت حاضر ہوتی ہے اور جماعت میں سے ہر ایک جب اپنی ضرورت کو بیان کرنے لگتا، تو شور وشغف کا سماں پیدا ہو جاتا ہے، جو بدتہذیبی اور آداب شاہی کے سخت خلاف ہے، شائستگی اور سلیقہ مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک صاحب علم وفضل، ان سب کی طرف سے ترجمانی وعرض گذاری کا فریضہ انجام دے، احکم الحاکمین اور مالک الملوک کا دربار، اس شائستگی وسلیقہ مندی کے مظاہرہ کا اصل حقدار ہے۔(۱)

احادیث:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرنے لگے تو تم خاموش رہو اور جب وہ **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** کہے تو آمین کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے تو **اللھم ربنا لک الحمد** کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرنے لگے تو خاموش ہو جاؤ۔(۳)

(۱) فتح الملھم : ۲/۲۲

(۲) سنن ابن ماجه تحقيق الالبانی: ۸۴۶. حسن صحيح

(۳) ابوداؤد :تحقيق الالبانی باب الامام يصلی من قعود : ۶۰۴. صحيح

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں اس مضمون کی روایت حضرت ابوموسی اشعریؓ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اپنی عادت کے بالکل برخلاف نہ صرف اس حدیث کی تصحیح کی ہے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی بھی تصحیح کی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر نہ کرنے کا یہ عذر بیان کیا کہ میں نے ہر ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کا التزام نہیں کیا ہے (بلکہ میری یہ کتاب بے شمار صحیح احادیث میں سے ایک انتخاب ہے)(۱)

محققین حدیث کے مطابق حدیث مذکور مجموعی طور پر بارہ طریقوں سے ثابت ہے، کچھ طریقے ان میں سے صحیح ہیں اور بعض کی سندیں ضعیف ہیں، اصول حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث متعدد سندوں سے ثابت ہو اور ساری سندیں ضعیف ہوں تب بھی وہ حدیث ضعیف کے خانہ سے نکل کر حدیث حسن کے دائرہ میں آجاتی ہے، اور معتبر قابل حجت ہوجاتی ہے، یہاں جب کہ حدیث مذکور کی کچھ سندیں صحیح بھی ہیں، وہ معتبر اور قابل حجت کیوں نہیں ہوگی۔(۲)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث بالا کا پہلا جملہ کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے تنہاء یہی ارشاد نبوی زیر بحث مسئلہ میں فیصلہ کن اور قاطعِ نزاع ہے، وہ اس طور پر کہ اس ارشاد گرامی میں مقتدیوں کو امام کی کامل پیروی کا حکم دیا گیا ہے ،تکبیر تحریمہ میں پیروی یہ ہے کہ امام جب تکبیر تحریمہ کہے تو مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہے، رکوع وسجود میں پیروی یہ ہے کہ امام صاحب رکوع وسجدہ کرے تو مقتدی بھی کرے یہ تو بالکل ظاہر ہے، مشکل یہ ہے کہ قرأت میں پیروی بھی آیا یہی ہے کہ مقتدی بھی قرأت کرے یا پیروی کا معنی یہ ہے کہ مقتدی امام کی قرأت کے موقع پر خاموش اور چپ رہے۔

---

(۱) مسلم شریف : باب التشهد فی الصلوة : ۲۱۲

(۲) (بذل المجهود : ۱/۳۴۰

غور کرنے پر واضح ہوا کہ امام کی قرأت کے موقع پر خاموشی اختیار کرنا ہی فی الحقیقت، قرأت میں امام کی پیروی کرنا ہے، اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ روایت ہے کہ نبی ﷺ شروع زمانے میں نزول وحی کے وقت سخت مشقت اٹھایا کرتے تھے، عین نزول وحی کی حالت میں (اس کی بغور سماعت کے ساتھ ساتھ) ہونٹوں کو بھی حرکت دیا کرتے تھے (تاکہ وحی یاد ہو جائے اور سینہ میں محفوظ ہو جائے) اس پر اللہ تعالی نے یہ آیتیں نازل فرمائیں (اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان ہلایا نہ کرو، یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے، پھر جب ہم اسے (جبرئیلؑ کے واسطہ سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ (القیامۃ: ۱۶۔۱۸) یعنی خاموشی سے بغور اس کو سنو، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب جبرئیل امین علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس وحی لے کر آتے تو آنحضرت ﷺ بغور اس کو سماعت فرماتے پھر جبرئیل کے واپس چلے جانے کے بعد اسے ویسے ہی پڑھ لیتے جیسے انہوں نے پڑھا تھا۔ (۱) پس معلوم ہوا کہ قرأت میں پیروی کا مطلب خاموشی کے ساتھ بغور اس کو سننا ہے، اسی مفہوم کی جانب حدیث کا بعد والا جملہ بھی اشارہ کر رہا ہے کہ جب امام قرأت کرنے لگے تو تم خاموش رہو۔ (۲)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی جہری نماز میں، نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قرأت کی ہے، ایک شخص نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ میں (دل ہی دل میں) کہہ رہا ہوں کہ کیا بات ہے آج قرآن سے میں الجھ رہا ہوں، حضرت ابو ہریرہؓ

---

(۱) بخاری باب بدء الوحی: ۵

(۲) فتح الملھم: ۲ / ۲۳

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سننے کے بعد صحابہ کرام جہری نمازوں میں نبی ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے باز آگئے (۱)

یہ واقعہ اگر چہ جہری نماز کا ہے تاہم نبی ﷺ نے قرآن سے الجھاؤ کا جو احساس ظاہر کیا وہ جہری نمازوں تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ شکل سری نمازوں میں بھی پیش آسکتی ہے کہ سری نمازوں میں بھی جب تمام مقتدی قرأت کرنے لگ جائیں تو مخارج وحروف کی صحت کے ساتھ ادائیگی کی جدوجہد میں خفیف سا اضطراب آمیز ماحول پیدا ہو جائے گا، اور امام کو قرأت کرنے میں دشواری پیش آئے گی۔ (۲)

یہ توجیہ وتفصیل الجھاؤ کے عام معنی کے اعتبار سے ہے، ائمہ حدیث نے الجھاؤ کے ایک اور معنی بھی بیان کئے ہیں وہ یہ کہ امام کو قرأت کرنے کے لئے تنہا نہ چھوڑنا بلکہ اس کے ساتھ (آہستہ و بے آواز ہی سہی) خود بھی قرأت کرنا اس معنی کے لحاظ سے جہری وسری دونوں قسم کی نمازوں میں، مقتدیوں کا امام کے ہمراہ قرأت کرنا، امام کو الجھانے کا باعث ہوگا جو ممنوع ہے، (۳)

یہاں ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ سورۃ اعراف کی آیت کے نازل ہونے کے بعد مقتدیوں کے لئے قرأت کرنا ممنوع اور منکر شرعی ہو گیا، پھر بھی بعض لوگ بالخصوص جہری نمازوں میں (چپکے چپکے) اس منکر کا ارتکاب کرنے لگے تو نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر اس کی وجہ سے تکدر اور انقباض کے آثار محسوس ہوئے اور قرأت میں الجھاؤ پیدا ہو گیا، یہ باطنی اثر ایسا ہی ہے جیسے بعض لوگوں کی جانب سے طہارت و وضو میں بے قاعدگی و بد معاملگی برتنے کی وجہ سے ایک دفعہ نماز صبح میں آپ ﷺ کو سورۃ روم کی تلاوت میں اشتباہ لگ گیا تھا اور

---

(۱) ابوداؤد تحقیق الالبانی :باب من کرہ القرأة بفاتحة الكتاب اذا جهر الامام : ۸۲۶ .صحیح

(۲) حجة الله البالغه : ۲/ ۴۳، بذل المجهود : ۱/ ۴۴۰

(۳) شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک باب ترک القراءة خلف الامام فيما جهر فيه: ۱/ ۲۵۸

آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کو تنبیہ بھی فرمائی تھی ۔(۱) ظاہر ہے امر منکر، اصل میں امام کے پیچھے قرأت کرنا ہے جہری وسری نمازوں کی اس میں تخصیص نہیں ۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی تو ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے سورۂ ''سبح اسم ربک الاعلی'' پڑھنے لگا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: پڑھنے والا کون آدمی ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ صاف محسوس ہوا کہ تم میں سے کسی نے مجھے قرأت میں الجھا دیا ہے۔(۲)

(۳) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص قرأت کررہا تھا ایک صحابی اس کو نماز میں قرأت کرنے سے منع کرنے لگے، اسی اثنا میں نبی ﷺ نے نماز ختم فرمائی تو وہ صاحب ان صحابی سے کہنے لگے: تم کون ہوتے ہو جو مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کررہے ہو؟ دونوں میں بحث ہوئی پھر یہ قضیہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت کرنا ہی اس کی قرأت ہے، (۳)

امام ابو حنیفہؒ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ واقعہ نماز ظہر یا عصر میں پیش آیا تھا(۴)

یہ حدیث مسنداً اور مرسلاً دونوں طریقوں سے مروی ہے، مسند روایت (جس میں حضرت جابرؓ کا واسطہ مذکور ہے) کے بارے میں محدثین وسلف صالحین کا تبصرہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں اور اس کی سند بخاریؒ و مسلمؒ کے شرائط پر پوری اترتی ہے۔

(۱) مسند احمد: حديث ابی روح الكلاعیؓ: تحقيق شعيب الارنووط: ۱۵۹۱۴. حديث حسن

(۲) مسلم : باب نهى الماموم عن جهره بالقرأة خلف الامام : حديث نمبر : ۹۱۴

(۳) ابن ماجه: تحقيق الالبانی: باب اذا قرأالامام فانصتوا: ۸۵۰. حسن

(۴) مسند ابی حنيفه لابی نعيم : ۱/ ۲۲۹. الناشر: مكتبة الكوثر

مرسل روایت حضرت عبداللہ بن شدادؓ سے ہے (حضرت جابرؓ کا واسطہ مذکور نہیں) عبداللہ بن شدادؓ صغار صحابہ میں سے ہیں، ان کو دیدار نبوی تو نصیب ہوا ہے مگر سماع حدیث کا موقع نہیں مل سکا، اس مرسل روایت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ اس کو، قرآن وسنت کے ظاہر سے تقویت حاصل ہے، طبقہ صحابہ وتابعین کے جمہور اہل علم اس روایت کے مضمون کے قائل ہیں اور اس قسم کی مرسل روایت باتفاق ائمہ اربعہ حجت ہوتی ہے (۱)

حضرت جابر بن عبداللہ کے علاوہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام سے اسی مضمون کی مرفوع روایات ثابت ہیں کہ جس شخص کا امام ہو تو اس کی قرأت کرنا ہی مقتدی کے لئے قرأت ہے۔ (۲)

جن کا حاصل یہی ہے کہ امام گویا بارگاہ خداوندی میں پوری قوم کا ترجمان ہوتا ہے اور اس عظیم الشان بارگاہ میں ادب کا تقاضا یہی ہے کہ باقی تمام لوگ دست بستہ وزبان بستہ تصویر عجز ونیاز بنے رہیں۔

مجموعی اعتبار سے اسّی بڑے بڑے صحابہ کرام، (۳) بہت سے جلیل القدر تابعین وتبع تابعین (۴) امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ (۵) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (جہری نمازوں میں) ان کے نامور شاگرد علامہ ابن القیمؒ (۶) یہ سارے حضرات قرأت خلف الامام سے منع کیا

---

(۱) فتح الملهم : ۲/ ۲۵) (فتاوی ابن تیمیه : ۲/ ۲۸۹

(۲) بذل المجهود : ۲/ ۵۳

(۳) عمدة القاری : ۶/ ۱۳

(۴) اعلاء السنن : ۴/ ۱۲۷

(۵) الفقه الاسلامی ۲/ ۸۳۷

(۶) احسن الکلام : ۱/ ۷۰

کرتے تھے۔(۱) امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں،(۲)

تاہم امام شافعی کا قول جدید جو شوافع کا موجودہ مسلک ہے، وہ یہ ہے کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں مقتدی پر قرأت فاتحہ واجب اور ضروری ہے(۳) امام لیثؒ ،ابوثورؒ، امام اسحٰق وغیرہ بھی اس کے قائل ہیں۔(۴)

قائلین فاتحہ خلف الامام کے دلائل کا جائزہ:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ کے مطابق، ان حضرات کے دلائل کا بنیادی سقم یہ ہے کہ اگر وہ دلائل سنداً صحیح ہیں تو زیر بحث مسئلہ پر صریح نہیں ہیں اور اگر صریح ہیں تو صحیح نہیں ہیں۔ ان حضرات کا اولین مستدل حضرت عبادۃ بن صامتؓ کی روایت ہے: واضح ہو کہ حضرت عبادہؓ کی روایت کتب احادیث میں تین طرح سے آئی ہے:

طریق اول: محمود بن ربیعؓ نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ کی قرأت نہیں کرتا۔(۵) اس حدیث کا مضمون صرف اتنا ہی ہے اور یہ روایت صحیحین کی ہے، اعلی درجہ کی سند رکھتی ہے، تاہم مسئلہ پر صریح نہیں کہ اس حکم کے تحت مقتدی بھی داخل ہے یا نہیں ہے؟

سابق میں ذکر کردہ دلائل کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس حکم کے مخاطب امام و منفرد ہی ہیں، مقتدی اس کے تحت داخل نہیں ہیں؛ کیوں کہ نبی ﷺ نے تو

(۱) فتاوی ابن تیمیه : ۲/ ۳۰۰

(۲) السعایه : ۲/ ۲۹۱

(۳) الفقه الاسلامی : ۲/ ۸۳۷

(۴) السعایه : ۲/ ۲۹۱

(۵) بخاری باب وجوب القراءۃ للامام: ۷۵۶. مسلم باب وجوب قراءۃ الفاتحه: ۹۰۰

مقتدی کو امام کی قرأت کے موقع پر خاموش رہنے کا حکم فرمایا ہے(۱) اور امام کی قرأت کو مقتدی کی قرأت کے بجائے قرار دیا ہے(۲) مقتدی حکم نبوی کی تعمیل میں خاموش رہتا ہے اور شریعت کی نظر میں قرأت کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے، پس اس کی نماز بے قرأت رہتی ہی نہیں کہ اس پر یہ حکم چسپاں کیا جائے کہ جو سورۃ فاتحہ کی قرأت نہیں کرتا، اس کی نماز نہیں ہوتی۔

طریق ثانی: محمود بن ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بازو میں نماز پڑھی، تو انہوں نے (باوجود مقتدی ہونے کے) سورۃ فاتحہ کی قرأت کی، بعد میں انہوں نے کہا: اے ابولید (حضرت عبادہؓ) کیا ایسی بات نہیں کہ میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ کی قرأت کرتے سنا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں! اس لئے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔(۳)

یہ روایت بھی سنداً صحیح ہے مگر مرفوع نہیں بلکہ یہ حضرت عبادہؓ کا اپنا اجتہاد ہے یعنی انہوں نےؓ نے ''**لاصلوۃ لمن لم یقرأبفاتحة الکتاب**''۔(اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی) والی حدیث کو امام اور مقتدی دونوں کے لئے عام سمجھا اور اس سے یہ حکم مستنبط کیا کہ مقتدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے، لیکن ان کا یہ استنباط احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتا، بلکہ اس روایت سے تو جمہور کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ وتابعین امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت محمود بن ربیعؒ حضرت عبادہؓ کو قرأت فاتحہ کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب سے سوال نہ کرتے، ان کا تعجب سے سوال کرنا اس بات کی دلیل

(۱) مسلم باب التشهدفی الصلاة: ۶۱۲

(۲) ابن ماجه :باب اذا قرأ الامام فأنصتوا. ۸۵۰ حسن

(۳) مصنف ابن ابی شیبه من رخص فی القرأة خلف لامام : ۳۷۹۱.سکت علیه المحقق محمد عوامه

ہے کہ حضرت عبادہؓ کا یہ عمل، صحابہؓ وتابعینؒ کے عام عمل کے خلاف تھا۔

اس کے علاوہ یہاں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت محمود بن ربیعؓ نے فاتحہ کی قرأت نہیں کی، اس کے باوجود حضرت عبادہؓ نے ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبادہؓ کے نزدیک بھی قرأت فاتحہ مقتدی کے لئے واجب نہیں تھی۔

طریق ثالث: نافع بن محمودؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبادہؓ نماز صبح میں تاخیر سے تشریف لائے، اس دوران ابونعیمؒ موذن نے نماز کھڑی کردی اور لوگوں کو نماز پڑھائی، حضرت عبادہؓ بھی حاضر ہوگئے، میں بھی ان کے ہمراہ تھا، پھر ہم ابونعیمؒ کے پیچھے صف میں کھڑے ہوگئے، ابونعیمؒ جہراً قرأت کررہے تھے، حضرت عبادہ بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے لگے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے حضرت عبادہؓ سے کہا: میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھتے سنا ہے حالاں کہ ابونعیم جہراً قرأت کررہے تھے، حضرت عبادہؓ نے جواب دیا ہاں! پھر فرمایا ہم کو رسول اللہ ﷺ کوئی جہری نماز پڑھارہے تھے دوران قرأت آپ ﷺ کو اشتباہ لگ گیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد، آپ ﷺ نے ہماری جانب متوجہ ہوکر فرمایا: کیا جس وقت میں جہراً قرأت کرتا ہوں تو تم لوگ بھی قرأت کرنے لگتے ہو، ہم میں سے چند لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم ایسا کرتے ہیں! اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کرو مجھے بار بار یہ احساس ہورہا تھا کہ میں قرآن سے الجھ رہا ہوں، جب میں جہراً قرأت کروں تو سوائے سورۃ فاتحہ کے کچھ قرآن نہ پڑھو۔(۱)

یہ روایت مسئلہ پر صریح ہے لیکن صحیح نہیں، کبار محدثین اور ناقدین حدیث نے اسے معلول و ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، اس روایت میں جو علت و کمزوری ہے وہ یہ ہے کہ نیچے

(۱) السنن الکبری للبیھقی: باب من قال یقرأ خلف الامام:: ۳۰۳۴ . ۳۰۳۶، ابو داؤد تحقیق الالبانی: باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب: ۸۲۴. ضعیف

کے کسی راوی نے حدیث مرفوع (جو بطریق اول مروی ہے) اور حدیث موقوف (حضرت عبادہؓ کا اپنا واقعہ جو بطریق ثانی مروی ہے) کو وہم کھا کر خلط ملط کر دیا ہے جس کے نتیجے میں، تیسرے طریق والی روایت وجود میں آئی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ ائمہ اھل حدیث، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے مطابق یہ روایت معلول ہے اور سچ بات یہ ہے کہ بعض شامی راویوں کو حدیث مرفوع وموقوف میں اشتباہ لگ گیا ہے۔(۱)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: مکحول شامی کے پیش نظر طریق اول اور طریق ثانی والی دونوں روایتیں تھیں، انہوں نے غضب یہ کر دیا کہ وہم وشبہ میں پڑ کر دونوں کو باہم خلط ملط کر دیا۔(۲)

مکحول شامی اگر چہ بحیثیت مجموعی ثقہ ہیں، لیکن محدثین اور علماء جرح وتعدیل نے ان کے بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ بسا اوقات ان کو روایات میں وہم ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہوا ہے (۳)

فائدہ: دلائل بالا سے پورے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا ممنوع ہے، رہی یہ شکل کہ امام سورۃ فاتحہ کے اختتام پر کچھ دیر کے لئے خاموش رہے اور مقتدی اس وقفہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تو یہ ایسا عمل ہے جو نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وسلف وصالحین سے، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس طریقہ کو بدعت کا نام دیا ہے، حافظ ابن قیمؒ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے (۴)

(۱) فتاوی ابن تیمیہ : ۲/ ۲۹۹

(۲) فتح الملھم : ۲/ ۲۶

(۳) علل الحدیث لابن ابی حاتم: علل أخبار رویت فی الاطعمة: ۱۵۹۰

(۴) اعلاء السنن : ۴/ ۱۲۴

یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ختم قرأتِ فاتحہ پر لطیف سکتہ فرمایا کرتے تھے مگر وہ اتنا طویل نہیں ہوا کرتا تھا کہ اس میں سورۃ فاتحہ پڑھی جا سکے بس اس کا حال اسی قدر تھا کہ جیسے ختم آیت پر سانس کی بحالی کے لئے ایک لمحہ سکوت کیا جاتا ہے جو حقیقت میں سکتہ نہیں کہلاتا۔(۱)

باوضو آدمی کا تیمّم والے امام کی اقتداء کرنا:

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھے غزوہ ذات السلاسل میں ایک نہایت سرد رات میں احتلام ہو گیا، مجھے یہ خوف ہوا کہ غسل کروں تو ہلاک ہو جاؤں میں نے تیمّم کر لیا پھر ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی، ساتھیوں نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ عذر بیان کر دیا جس نے مجھے غسل کرنے سے باز رکھا تھا (یعنی سخت جان لیوا سردی) مزید عرض کیا کہ میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد بھی سن رکھا تھا کہ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔(۲)

حضرت معمرؒ کہتے ہیں، میں نے امام زہریؒ سے دریافت کیا، ایک قوم کے امام کو جنابت لاحق ہو گئی اور پانی موجود نہیں تھا جس سے وہ وضو کر سکے تو وہ کیا کرے؟ فرمایا: تیمّم کرے اور آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پاک کر دیا ہے (۳) حضرت حسن اور حضرت سعید بن المسیب کا فرمان ہے کہ تیمّم، پانی کے درجہ میں ہے جب تک حدث پیش نہ آئے، اس سے تمام نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔(۴)

---

(۱) فتاوی ابن تیمیہ : ۲/ ۲۹۴

(۲) ابو داؤد تحقیق الالبانی :باب اذا خاف الجنب البرد ایتیمم: ۳۳۴، صحیح

(۳) مصنف عبد الرزاق باب امام قوم اصابة جنابة فلم یجد ماء: ۳۶۶۴

(۴) مصنف عبد الرزاق :باب کم یصلی بتیمم واحد: ۸۳۵

نفل پڑھنے والے کا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کرنا:

حضرت جابر بن یزیدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نوجوانی کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کے ایک گوشہ میں دو آدمیوں کو دیکھا جو نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو طلب فرمایا، گھبراہٹ کے مارے، ان کے سینہ اور مونڈھے کے درمیان کا گوشت حرکت کر رہا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے مقام پر نماز پڑھ کر آئے تھے! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے مقام پر نماز پڑھے پھر وہ امام کو اس حال میں پائے کہ اس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تو وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے، یہ اس کے لئے نفل نماز ہو جائے گی (۱)

فائدہ: نماز فجر، عصر اور مغرب میں ایسا آدمی امام کے ساتھ شریک نہ ہو، کیوں کہ ایک دفعہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو دوسری بار پڑھی جانے والی یہ نماز اس کے حق میں نفل ہوگی اور فجر و عصر کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے نیز طاق رکعتوں کے ساتھ نفل پڑھنا بھی منع ہے، اس لئے مغرب میں بھی شرکت نہ کرے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے۔ (۲)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی نماز مغرب یا فجر پڑھ چکا ہو پھر یہ دو نمازیں امام کو پڑھتا ہوا پائے تو وہ ان دونوں نمازوں کو دوبارہ نہ پڑھے (۳)

---

(۱) ابوداؤد: تحقیق الالبانی: باب فیمن صلی فی منزله ثم أدرک الجماعة ۵۷۵. صحیح

(۲) بخاری: باب لا یتحری الصلاة قبل غروب الشمس: ۵۸۶.۵۸۵

(۳) موطا امام مالک باب اعادة الصلاة مع الامام: ۳۰۲

ظہر وعشاء میں بھی دوبارہ امام کے ساتھ نفل کی نیت سے شریک ہونے کا حکم اس آدمی کے لئے ہے جس نے یہ دونمازیں تنہا پڑھی ہو، رہا وہ شخص جوان دونمازوں کوایک دفعہ باجماعت ادا کرچکا ہو، اس کے لئے دوبارہ ان نمازوں میں شریک ہونا پسندیدہ نہیں، نبی ﷺ کے اس ارشادگرامی سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں (تنہا اور بے جماعت) نماز پڑھے پھر مسجد میں آئے اور لوگ نماز پڑھ رہے ہوں توان کے ساتھ شریک ہوجائے۔(۱) معلوم ہوا کہ ان نمازوں میں دوبارہ شریک ہونے کا حکم اس شخص کے لئے جس نے ان نمازوں کواپنے گھر میں جماعت کے بغیر پڑھا ہے۔

قائم کا قاعد کی اقتداء کرنا:

بیٹھ کررکوع سجدہ کرنے والا کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی قدرت رکھنے والوں کی امامت کرسکتا ہے، البتہ مقتدیوں میں جو قیام پر قدرت رکھتے ہوں ان کے لئے کھڑے ہوکر اقتداء کرنا ہی ضروری ہے، بیٹھ کرنماز پڑھیں گےتو نماز نہیں ہوگی۔

نبی ﷺ کا اخری عمل اوراخری تعلیم یہی رہی، مرض الوفات میں ایک دفعہ نبی ﷺ نے بیٹھ کرامامت فرمائی تھی اورلوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوکر اقتداء کررہے تھے۔(۲)

نبی ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جنہیں بواسیر کی بیماری تھی، یہ فرمایا کہ کھڑے ہوکرنماز پڑھولیکن اگراس کی استطاعت نہ ہوتو بیٹھ کرپڑھواوراگراس کی بھی قدرت نہ ہوتو پھر پہلو پرلیٹ کرنماز پڑھ لو۔(۳) معلوم ہوا کہ قیام پرقدرت کے باوجود بےعذر بیٹھ کرنماز پڑھنا جائزنہیں ہے۔

---

(۱) طبرانی کبیر: ۱۸۳۸۲ . دوراوی غیرمعروف ہیں۔ مجمع الزوائد: باب فیمن صلی فی بیتہ ثم وجد الناس یصلون فی المسجد: ۲۱۷۶

(۲) بخاری: باب انما جعل الامام لیتوتم بہ: ۶۸۹

(۳) بخاری: باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب: ۱۱۱۷

فائدہ: نبی ﷺ نے مرض الوفات سے بہت سال پہلے اپنے ایک حادثاتی مرض کے موقع پر فرمایا تھا، جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔(۱) اس ارشاد گرامی کے بارے میں امام بخاریؒ اپنے استاذ حمیدیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حکمِ مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم مرض کے موقع کا ہے، اس کے بعد مرض الوفات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی اور لوگ کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور قاعدہ یہی ہے کہ نبی ﷺ کے آخری عمل ہی کو اختیار کیا جاتا ہے۔(۲)

امام شافعیؒ نے بھی پورے وثوق کے ساتھ سابقہ حکم کے منسوخ ہونے کی تصریح کی ہے۔(۳)☆

(۱)بخاری:باب انما جعل الامام لیتوتم بہ: ٦٨٩

(۲)بخاری باب انما جعل الامام لیتوتم بہ: ٦٨٩

(۳) (الرسالۃ: ۱/ ۲۵۴ : ۷۰۲. کتاب الام باب صلاۃ الامام قاعداً: ۱۹۹۷)

☆امام شافعیؒ اور جمہور سلف کا یہی مسلک ہے۔(نیل الاوطار: ۳/ ۴۹) امام مالکؒ کے یہاں بیٹھ کر امامت کرنا نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، آپ ﷺ کے بعد کسی اور کے لئے بیٹھ کر امامت کرنا درست نہیں، امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مستقل امام شروع نماز ہی سے کسی عارضی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں گے اور اگر امام روزمرہ کا نہیں بلکہ اتفاقی طور پر امام بن گیا ہو یا روزمرہ کا امام ہی ہو مگر اس نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی پھر دوران نماز عذر کی وجہ سے بیٹھنا پڑا تو ان دونوں صورتوں میں مقتدی کھڑے ہو کر ہی اقتداء کریں گے۔(الفقہ الاسلامی : ۲/ ۱۲۴۴. فتح الباری : ۲/ ۱۷٦)

فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی یا بالغ کا نابالغ کی اقتداء کرنا:

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام ضامن ہوتا ہے۔(۱) یعنی مقتدیوں کی نمازوں کی ذمہ داری لیتا ہے اور احکام کے لحاظ سے ان کی نمازوں کو اپنی نماز میں شامل کر لیتا ہے، اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ امام کی نماز قوت وصفت میں مقتدی کی نماز سے بڑھی ہوئی ہو (بایں طور پر کہ امام فرض پڑھ رہا ہو اور مقتدی نفل کی نیت سے شریک ہو جیسا کہ اس کا جائز ہونا سابق میں معلوم ہو چکا ہے) یا کم از کم برابر ہو (بایں طور کہ دونوں فریضہ وقت کی ادائیگی کر رہے ہو)۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا اس سے اختلاف نہ کرو(۲) اختلاف کے عمومی مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مقتدی کی نیت امام کی نیت کے مخالف ہو، پس امام کی نیت نفل کی ہو اور مقتدی کی فرض کی ہو تو اس سے امام کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو ممنوع ہے(۳)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ متعدد روایات میں: نابالغ کو (جس پر شرعاً نماز فرض نہیں رہتی) بالغ لوگوں (جن پر شریعت نے نماز فرض کر دی ہے) کا امام بننے سے روکا گیا ہے۔(۴) معلوم ہوا کہ مفترض، متنفل کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔☆

---

(۱) ترمذی :تحقیق الالبانی:باب ما جاء ان الامام ضامن: ۲۰۷. صحیح

(۲) بخاری : ۷۲۳ باب اقامة الصف من تمام الصلوة

(۳)اعلاء السنن : :۴/۲۹۰

(۴)مصنف ابن ابی شیبہ:باب امامة الغلام قبل ان یحتلم: ۳۵۲۴. ۳۵۲۵ .سکت علیہ المحقق محمد عوامہ

☆امام مالکؒ واحمدؒ کے یہاں بھی مفترض متنفل کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔(معارف السنن : ۵/ ۹۱. ۹۲،الفقہ الاسلامی : ۲/۱۲۴۳

صف بندی کی اہمیت

صفوں کی درستگی سنت موکدہ ہے،صفوں کا بگاڑ و اختلاف دلوں کے بگاڑ و اختلاف کا سبب اور اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث ہے،

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: نماز میں صفوں کو سیدھی رکھو، کیوں کہ صفوں کی درستگی ، نماز کا حسن ہے(۱)ایک اور روایت میں ہے کہ صفوں کی درستگی سے نماز کامل و مکمل ہوتی ہے۔(۲)

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کے درمیان چلتے اور لوگوں کے سینوں اور کندھوں کو درست فرماتے اور ارشاد فرماتے: اختلاف نہ کرو(صفوں میں)ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو صف کو جوڑتا ہے اللہ اس کو(اپنی رحمت اور لطف وعنایت سے)جوڑ دیتا ہے اور جو صف کو کاٹتا ہے اللہ اس کو کاٹ دیتا ہے(۴)صف کی درستگی کا طریقہ یہ ہیکہ کندھے، گردن ، گھٹنے،قدم ایک سیدھ میں ہوں اور درمیان میں خلا نہ ہو،

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں،اپنی صفوں کو درست کرو اور اپنے کندھوں کو ایک سیدھ میں رکھو اور خلاء کو بند کرو کیوں کہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچے کی طرح داخل ہو جاتا ہے(اور نماز خراب کر دیتا ہے)(۵)

---

(۱) بخاری :باب اقامة الصف: ۷۲۲

(۲) مسلم :باب تسوية الصفوف:۱۰۰۳

(۳) ابو داؤد تحقيق الالبانی:باب تسوية الصفوف: ۶۶۴.صحيح

(۴)نسائی:تحقيق الالبانی:باب من وصل صفا: ۸۱۹.صحيح

(۵) ابو داؤد تحقيق الالبانی:باب تسوية الصفوف:۶۶۷

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صفوں کو ملائے رکھو قریب قریب کھڑے ہواور گردنوں کو ایک سیدھ میں رکھو۔(۱)

شروع زمانے میں صحابہ کرام صفوں کی درستگی کے عادی نہ تھے اس سلسلہ میں کبھی کبھار ان سے بے ترتیبی بھی ہو جایا کرتی تھی، حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو دیکھا کہ ہم حلقہ نما شکل میں کھڑے ہوئے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے تم لوگ بکھرے بکھرے ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہو؟ پھر دوبارہ تشریف لائے تو فرمایا تم لوگ ویسے صف بندی کیوں نہیں کرتے جیسے ملائکہ اپنے پروردگار کے حضور میں صف بندی کرتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ اپنے پروردگار کے حضور میں صف بندی کس طرح کرتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں (۲)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے ذہنوں میں صفوں کی درستگی کی اس قدر اہمیت بٹھادی تھی کہ صحابہ کرام نماز شروع کرنے سے قبل یہ یقین کرنے کے لئے کہ صف درست ہوگئی ہے باہم ایک دوسرے کے گھٹنے اور ٹخنے ملالیا کرتے تھے، حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے پھر تین دفعہ فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھی رکھو، قسم بخدا صفوں کو درست رکھو ورنہ اللہ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈالدے گا، حضرت نعمانؓ کہتے ہیں (اس قسم کے ارشادات سن کر) ہم لوگ ایک دوسرے کے کندھے، گھٹنے اور ٹخنے ملالیا کرتے تھے۔(۳)

بخاری کی روایت میں ہے کہ ہم میں ایک اپنا قدم دوسرے کے قدم سے ملالیا کرتا تھا(۴)

---

(۱) ابو داؤد تحقیق الالبانی: باب تسویة الصفوف ٦٦٧. صحيح

(۲)مسلم :باب الامر بالسكون فی الصلاة: ٩٩٦

(۳)مسلم : باب تسوية الصفوف: ١٠٠٧. ابوداؤد: تحقیق الالبانی باب تسوية الصفوف: ٦٦٣. صحيح

(۴)بخاری: باب الزاق المنكب بالمنكب: ٧٢٥

تاہم صفوں کی درستگی میں اصل مقصود اور منشائ شریعت، آگے پیچھے نہ ہونا اور درمیان میں خالی جگہ نہ رکھنا ہے، رسول اللہ ﷺ کا اہتمام بھی یہی تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے انہی دو باتوں کا حکم بھی دیا ہے، اور ان سے پہلو تہی کرنے پر سخت وعید بھی بیان فرمائی ہے، نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی کیا کرتے تھے کہ ان کے سیدھے پن سے تیر کی سیدھ بھی ڈھالی جاسکتی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم صفوں کی درستگی کی اہمیت کو سمجھ چکے ہیں اچانک ایک دن آپ ﷺ نے عین تکبیر تحریمہ کے موقع پر دیکھا کہ ایک شخص اپنے سینے کو صف سے آگے کیا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے (جوش سے) فرمایا اللہ کے بندو! صفوں کو درست رکھو ورنہ اللہ تعالی تمہارے چہروں میں مخالفت پیدا کردے گا۔(۱)

باقی قدم کا قدم سے یا گھٹنے کا گھٹنے سے ملائے رکھنے کا نہ ہی آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے اور نہ ہی اس کا لحاظ نہ رکھنے پر کوئی وعید بیان فرمائی ہے اور نہ ہی ختم نماز تک یہ شکل برقرار رکھنا ممکن ہے، اس لئے صفوں کی درستگی کے اصل معیار کو نظر انداز کر کے اس طریقہ پر اصرار کرنا مناسب نہیں ہے۔

(الف) صف اول اور سیدھی جانب میں کھڑے ہونے کی فضلیت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ اذان اور پہلی صف کا کیا ثواب ہے اور پھر انہیں قرعہ ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا تو وہ قرعہ ڈالا کرتے۔(۲)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر سلامتی بھیجتے ہیں جو صفوں کی دائیں طرف نماز پڑھتے ہیں۔(۳) البتہ اگر صف کا

(۱)مسلم : باب تسویة الصفوف: ۱۰۰۷ .ابو داؤد: تحقیق الالبانی باب تسویة الصفوف: ۶۶۳. صحیح

(۲)بخاری باب الاستہام فی الاذان : ۶۱۵

(۳)ابو داؤد: تحقیق الالبانی باب من یستحب ان یلی الامام فی الصف : ۶۷۶ .حسن

بایاں حصہ پُر نہ ہوتو پھر اس کو آباد کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مسجد کا بایاں حصہ خالی پڑ گیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بھی مسجد کے بائیں حصہ کو آباد کرے اس کو ثواب کے دو حصے ہیں۔(۱)

(ب) صف اول کو مکمل کرنا:

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگلی صف کو مکمل کرو پھر بعد والی صف کو جو کمی ہو تو وہ پچھلی صف میں رہنی چاہئے۔(۲)

صف اول میں جگہ پانے کے شوق سے عاری ہونا، نیکی کی جانب دوڑ دھوپ کے جذبہ سے عاری ہونے کی علامت ہے کوئی آدمی صف اول میں جگہ رکھتے ہوئے، بے عذر پچھلی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ فعل نہایت مکروہ وقبیح ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض لوگ صف اول سے پیچھے رہنے کی عادت بنائے ہوتے ہیں، ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی انہیں دوزخ میں پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔(۳)

(ج) صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا مکروہ ہے:

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں آیا تو دیکھا کہ نبی ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں اور رکوع میں ہیں، میں اس صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں آ گیا بعد میں رسول اللہ ﷺ سے میں نے اپنا یہ عمل بیان کیا تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تمہارے

---

(۱)ابن ماجة تحقيق الالباني : باب فضل ميمنة الصف : ۱۰۰۷ . ایک راوی ضعیف هیں .

(۲)ابوداؤد: تحقيق الالباني باب تسوية الصفوف: ۶۷۱ . صحيح

(۳)ابوداؤد تحقيق الالباني: باب صف النساء وكراهية التاخر عن الصف الاول: ۶۷۹ . صحيح

شوق وحرص میں مزید اضافہ کرے، آئندہ ایسا نہ کرو۔(۱)

اگر کوئی شخص اس وقت آئے جب کہ صف پوری ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ تنہا نماز پڑھنے کے بجائے صف میں کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملالے۔

حضرت مقاتل بن حیانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص آئے اور وہ کسی دوسرے شخص کو نہ پائے تو اسے چاہئے کہ صف میں سے کسی آدمی کو کھینچ کر اپنے بازو میں کھڑا کرلے، جس شخص کو کھینچا جائے گا اس کا ثواب بہت ہے۔(۲) اگر سامنے کی صف میں کھڑا آدمی مسائل سے ناواقف ہو تو اس کو پیچھے کھینچنے کی سعی نہ کی جائے (کہ اس میں فساد کا اندیشہ ہے) بلکہ تنہا ہی کھڑا ہو جائے (۳)

(د) اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو وہ امام کے ساتھ دائیں جانب کھڑا ہوگا اور اگر دو یا دو سے زیادہ مقتدی ہیں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آکر آپ ﷺ کی بائیں جانب شامل ہو گیا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا، پھر جبار بن صخرؓ آگئے اور نبی ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے ہمارے ہاتھ پکڑے اور ہمیں دھکیل دیا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔(۴)

(ہ) اگر جماعت میں مرد، عورت بچے سب موجود ہوں تو آگے مردوں کی صف رہے گی پھر بچوں کی پھر عورتوں کی، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہمارے گھر میں، میں نے اور یتیم نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ہماری ماں ام سلیمؓ ہمارے پیچھے (نماز ادا کر رہی) تھی

(۱) بخاری :اذا رکع دون الصف: ۷۸۳

(۲) مراسیل ابوداؤد : ۸۰

(۳) البحر الرائق : ۱/۳۵۳

(۴) مسلم باب حدیث جابر الطویل: ۷۷۰۵

(ا) حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جماعت میں مردوں کو سب سے آگے رکھتے تھے، ان کے پیچھے بچوں کو اور ان کے پیچھے عورتوں کو۔(۲)

(و) جماعت ختم ہونے کے بعد، امام و باقی مقتدیوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ سنن و نوافل، اگر مسجد ہی میں پڑھنی ہو تو اپنی جگہ تبدیل کرلیں، (۳) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام کو چاہئے کہ وہ نماز پڑھانے کے بعد جگہ تبدیل کر کے نماز پڑھے۔(۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نماز سے فارغ ہو تو کچھ آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں ہونے سے وہ عاجز و مجبور نہ ہو جائے؟ (۵) امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے جو ان کے نزدیک حدیث کے معتبر ہونے کی دلیل ہے، مسلم شریف میں بھی ایک روایت حدیث مذکور کے مضمون کی فی الجملہ تائید کرتی ہے۔(۶)

جگہ تبدیل کر کے نماز پڑھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ کل قیامت کے دن یہ جگہیں نمازی کے حق میں گواہی دیں گی۔(۷)

---

(۱)بخاری باب صلوة النساء خلف الرجال:: ۸۷۱

(۲)مسند احمد:تحقیق شعیب الارنووط: ۲۲۹۶۲ .اسناده ضعيف لضعف شهر بن حوشب

(۳)طحطاوی علی المراقی : ۳۱۳

(۴)ابو داؤد تحقیق الالبانی :باب الامام يتطوع فی مكانه: ۶۱۶. صحيح

(۵)ابوداؤد:تحقيق الالبانی:باب الرجل يتطوع فی مكانه الذی صلی فيه المكتوبة: ۱۰۰۸. صحيح

(۶)عمدة القاری : ۳/ ۲۹،اعلاء السنن : ۳۷۵

(۷) السنن الكبرى للنسائی :كتاب المواعظ: ۱۱۸۶۱،در منثور : ۱۳/ ۲۷۵.سورة الدخان

اگر نماز ایسی ہو کہ اس کے بعد سنن ونوافل نہیں تو نمازیوں کو اختیار ہے، چاہیں تو وہیں بیٹھے رہیں اور ذکر ودعا میں مشغول رہیں اور چاہیں تو چلے جائیں، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: جب امام نماز سے فارغ ہو گیا اور اپنی جگہ سے نہ کھڑا ہوا نہ ہی اپنی نشست ابھی تبدیل کی اور تم کو کوئی ضرورت درپیش ہو تو اٹھ کر چلے جاؤ اس لئے کہ تمہاری نماز مکمل ہو چکی ۔(۱) ایسے ہی امام کو بھی یہ اختیار ہے تاہم اگر وہ مصلے پر ذکر ودعا میں مشغول رہنا چاہتا ہے تو اپنی سیدھی جانب مڑ کر صف کے داہنی جانب کے نمازیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے (۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو بکثرت اپنی سیدھی جانب پھرتے دیکھا ہے (۳)

حضرت براءؓ کہتے ہیں: ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ ﷺ کی سیدھی جانب میں ہونے کو پسند کرتے تھے تاکہ آپ ﷺ (بعد فراغت نماز) ہماری جانب متوجہ ہوں (۴)

ہاں سیدھی جانب رخ کرنے ہی کو ضروری سمجھنا زیادتی اور غلط خیال ہے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: تم سیدھی جانب رخ کرنے ہی کو ضروری خیال کر کے اپنی طرف سے شیطان کے لئے کوئی حصہ مقرر نہ کرو، میں نے بارہا نبی ﷺ کو بائیں طرف بھی پھرتے دیکھا ہے ۔(۵)

---

(۱) طبرانی کبیر: ۹۲۳۷. رجالہ ثقات: مجمع الزوائد: باب متابعۃ الامام: ۹ ۲۴۱

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۱۳۴

(۳) مسلم: باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال: ۱۶۷۵

(۴) مسلم: باب استحباب یمین الامام: ۱۶۷۶

(۵) مسلم: باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال: ۱۶۷۲

(ز) ارکان کی ادائیگی میں امام سے سبقت کرنے کی ممانعت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے لہذا اس کی مخالفت نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو: اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ امام سے سبقت نہ کرو بلکہ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم امین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ (۲)

(ح) امام کے ساتھ رکوع پانے والا رکعت پانے والا ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکرہؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ رکوع کی حالت میں تھے، انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، بعد ازاں نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہارے شوق میں اور اضافہ کرے، آئندہ ایسی جلد بازی نہ کرنا۔ (۳)

امام بخاری کے رسالہ ''القرأۃ خلف الامام'' میں ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ نے اپنی عجلت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ مجھے آپ ﷺ کے ساتھ رکعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا اس لئے میں نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا (۴) معلوم ہوا کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے۔

---

(۱) مسلم: باب ائتمام الماموم بالامام: ۹۵۷

(۲) مسلم: باب النهی عن مبادرة الامام: ۹۵۹

(۳) بخاری: باب اذا رکع دون الصف: ۷۸۳

(۴) القرأة خلف الامام: للامام بخاری: ۱۲۵. مصدر الکتاب: موقع جامع الحدیث

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہمیں سجدہ کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں شامل ہو جاؤ مگر اس کو کچھ شمار نہ کرو، ہاں جو آدمی رکوع پالے تو اس کو نماز (رکعت) مل گئی (۱)

(ط) رکعت ملنے کے لئے امام کا تعاون:

کسی مقتدی کی ذاتی حیثیت ومعرفت سے قطع نظر کوئی امام محض اس نیت سے کہ مقتدیوں کو رکعت مل جائے، رکعت یا رکوع کو قدرے طویل کرتا ہے تو اس میں کوئی قباحت ومضائقہ نہیں ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نماز فجر وظہر میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلہ میں طویل کیا کرتے تھے، (۲) بعض روایات میں یہ اضافہ بھی منقول ہے کہ ہمارا خیال یہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ، ایسا اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں۔ (۳)

(ی) مسبوق اپنی نماز کیسے پوری کرے:

مسبوق اپنی فوت شدہ رکعتوں میں تو شروع نماز ادا کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے مگر قعدہ وتشہد کے لحاظ سے، ترتیب وار رکعتوں کو ادا کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اقامت کو سنو تو نماز کی جانب وقار واطمینان کے ساتھ آؤ، جلد بازی نہ کرو، پھر جتنی رکعتیں تم کو مل جائیں وہ پڑھ لو، اور جو چھوٹ گئی ہوں، ان کی قضا کرو۔ (۴)

---

(۱) ابو داؤد تحقیق الالبانی: باب فی الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع: ۸۹۳. حسن

(۲) بخاری: باب یطول فی الرکعة الاولی: ۷۷۹

(۳) ابو داود تحقیق الالبانی: باب ماجاء فی القراء ۃ فی الظهر: ۸۰۰ صحیح

(۴) بو داؤد تحقیق الالبانی: باب السعی الی الصلاة: ۸۶۱. صحیح

حضرت ابن مسعودؓ سے مسبوق کے بارے میں حکم دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ، امام کے ساتھ پانے والی رکعتوں کو اپنی نماز کا اخیر حصہ قرار دے لے (اور اول حصہ کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرلے)(۱)

ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ حضرت مسروقؒ اور جندبؒ امام کے ساتھ مغرب کی تیسری رکعت میں شریک ہوئے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد دونوں حضرات اپنی فوت شدہ دو رکعتوں کی قضا کے لئے کھڑے ہو گئے، حضرت مسروقؒ نے ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں بھی قعدہ کیا اور حضرت جندبؒ نے قعدہ نہیں کیا، بلکہ صرف اخیر رکعت میں قعدہ کیا، پھر یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں پہنچ کر اپنا اپنا عمل بیان کیا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا دونوں نے ہی خوب کیا ہے؛ البتہ مجھے اسی طرح پر نماز پوری کرنا پسند ہے جیسے مسروقؒ نے پوری کیا ہے۔(۲)

(ک) امام نے بے وضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھا دی تو؟

حضرت علیؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے کہ ایسی صورت میں امام اور مقتدی سب نماز کا اعادہ کریں۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور واپس تشریف لے گئے پھر دوبارہ اس حال میں تشریف لائے کہ سر مبارک سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے حالت جنابت میں تمہیں نماز پڑھا دی تھی، پس جس کسی کو میری طرح کوئی صورت پیش

(۱)طبرانی کبیر: ۹۲۶۴ صحیح: مجمع الزوائد :باب فیما یدرک مع الامام وما فاته: ۲۴۰۰

(۲) طبرانی کبیر: ۹۲۶۵. ۹۲۶۷ کتاب الاثار امام محمدؒ: باب من سبق بشیء من صلاته: ۱۲۹ ۔سند کے ایک راوی متکلم فیہ ہیں: مجمع الزوائد: باب فیما یدرک مع الامام وما فاته: ۲۴۰۱

آجائے تو وہ ایسا ہی کرے جیسے میں نے کیا ہے(۱)

حضرت علیؓ نے اس امام کے بارے جس نے بحالت جنابت نماز پڑھادی ہو، یہ فرمایا کہ وہ بھی نماز کا اعادہ کرے اور لوگ بھی کریں۔(۲)

حضرت عمرؓ سے نماز مغرب میں قرأت میں بھول ہوگئی تھی، آپؓ نے بھول سے قرأت ہی نہیں فرمائی، نماز کے بعد آپؓ کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو آپؓ نے لوگوں کو نماز کا اعادہ کروادیا تھا(۳) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ترک قرأت پر نماز کے فاسد ہونے میں پھر بھی اختلاف ہے! اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے نماز کا اعادہ فرمایا تھا، ترک طہارت کے ساتھ تو کسی کے یہاں بھی نماز نہیں ہوتی تو ترک طہارت کی بنا پر نماز کا لوٹانا تو عین لائق وضروری ہے(۴)

بعض راویات میں حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حالت جنابت میں نماز پڑھادی تھی، بعد کو احساس ہوا تو خود تو نماز کا اعادہ کیا لیکن لوگوں کو اعادہ صلوۃ کا حکم نہیں دیا۔(۵)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں: اس کی دو وجہ ہیں: ایک تو یہ کہ انہیں، اس رطوبت کے منی ہونے میں شک تھا، اس طرف بھی ذہن جاتا تھا کہ شاید مذی ہو اور نماز کے بعد نکلی ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ معمولی مقدار میں شاید یہ منی، بیوی سے مجامعت کے درمیان لگی ہو پھر غسل کے بعد یہی کپڑا جسم پر رہ گیا، ایک آدھ دن کے بعد دھبہ پر نظر پڑی تو شبہ ہوگیا کہ تازہ احتلام کا دھبہ ہے یا دوران مجامعت لگی ہوئی منی ہے جس کے بعد غسل کرلیا

(۱) مسند احمد : ۶۶۷. ۶۶۹ . حسن اعلاء السنن : ۴/ ۳۱۱

(۲) کتاب الاثار: امام محمد باب ما یقطع الصلاۃ: ۱۳۳ . حسن: اعلاء السنن ۴ / ۳۰۹

(۳) طحاوی : باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعا: ۲۳۶۵ . اعلاء السنن ۴/ ۳۱۴

(۴) طحاوی : ۲۳۶۵

(۵) السنن الکبری للبیھقی : باب امامۃ الجنب : ۳۸۶۶

گیا تھا، ظاہر ہے ایسی مشتبہ صورتحال میں حضرت عمرؓ نے خود تو احتیاط کے تقاضے پر عمل کرنے کو ضروری خیال فرمایا، مگر لوگوں کو نماز کے اعادہ کے حکم نہیں کیا۔

بعض روایات سے ایک اور وجہ سامنے آتی ہے کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے اس مسئلہ میں یہ تھی کہ تنہا امام اعادہ کرے مقتدیوں کو اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ، بعد میں ان کی رائے بدل گئی اور آپؓ نے حضرت علیؓ کی رائے کی طرف رجوع فرمالیا۔(۱)

(۱)اعلاء السنن : ۳۱۶/۴، مصنف عبدالرزاق باب الرجل یؤم القوم وھو جنب: ۳۶۶۲.قابل استدلال:اعلاء السنن ۳۱۷/۴

نماز وتر

وتر کے وجوب اور اس کے وقت کا بیان:

وتر کی نماز واجب ہے اور اس کا وقت وہی ہے جو عشاء کا ہے، نبی ﷺ نے مختلف طریقوں سے وتر کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے، اور وتر کے ترک کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی ہے، وتر کے فوت ہونے کی صورت میں اس کی قضاء کی تاکید کی گئی ہے، اور ان اوقات میں بھی، اس کی قضا کا موقع رکھا گیا ہے، جن میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے، لیکن فرائض کی قضاء مکروہ نہیں جیسے صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا درمیانی وقت، تاہم وتر کا درجہ فرض نمازوں کی طرح نہیں ہے۔

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وتر (بندوں پر ایک) حق ہے، جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، تین دفعہ یہ جملہ ارشاد فرمایا (۱)

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: بلاشبہ اللہ تعالی نے ایک ایسی نماز کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے، وہ نماز وتر ہے، عشاء سے فجر تک کے درمیانی وقت میں اللہ تبارک وتعالی نے تمہارے لئے یہ نماز مقرر فرمائی ہے۔ (۲) اس مضمون کی احادیث آٹھ یا نو صحابہؓ سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ (۳) حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وتر (حق) واجب ہے۔ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ (۵)

---

(۱) مستدرک مع تعلیقات الذہبی: کتاب الوتر: ۱۱۴۶.۱۱۴۷. صحیح امام حاکمؒ، حسن. فتح القدیر: باب صلوۃ الوتر: ۱/۴۲۵

(۲) المستدرک مع تعلیقات الذہبی: کتاب الوتر: ۱۱۴۸. صحیح امام حاکمؒ و ذہبیؒ

(۳) اعلاء السنن: ۸/۶

(۴) دار قطنی باب الوتر بخمس او بثلاث: ۱۶۵۹. رواتہ کلھم ثقات: اعلاء السنن: ۱۱/۶

(۵) مسند بزار: ۱۶۳۷. ۱۴۵۵. حسن: اعلاء السنن: ۱۴/۶

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے اخیر حصے میں نہیں اٹھ سکے گا تو وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جو رات کے اخیر حصہ میں بیدار ہونے کی قوی امید رکھتا ہو تو وہ اخیر رات میں وتر پڑھے، اس لئے کہ اخیر رات کی نماز، حضوری کی ہوتی ہے اور یہ افضل بھی ہے۔(۱)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب صبح صادق ہو جائے تو رات کی تمام نمازوں اور وتر کا وقت نکل گیا، لہذا صبح صادق سے قبل وتر ادا کرلو۔(۲)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی صبح اس حالت میں کردے کہ اس نے وتر نہیں پڑھی تو اب وتر پڑھ لے۔(۳) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے وتر، فرض کی طرح ضروری نماز نہیں، لیکن رسول پاک ﷺ نے (نہایت پابندی واہتمام سے) وتر ادا فرمائی ہے۔(۴)

ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نماز وتر رہ گئی تھی، فجر کے اخیر وقت میں آنکھ کھلی تو اپنے احباب سے پوچھا کیا وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ میں تین رکعت وتر، دو رکعت سنت فجر اور نماز فجر پڑھ سکوں؟ احباب نے کہا ہاں!(۵)

رکعات وتر:

نماز وتر کی تین رکعت ہیں، درمیان میں دوسری رکعت میں قعدہ کرنا ہے، تیسری رکعت میں قرأت فاتحہ وضم سورۃ پھر تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنا، تیسری رکعت کے ختم پر سلام پھیرنا ہے،

تین رکعت ایک سلام سے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات پر (

---

۱)مسلم :باب من خاف ان لا یقوم من اخر اللیل: ۱۸۰۲

(۲)ترمذی تحقیق الالبانی باب ما جاء فی مبادرۃ الصبح بالوتر: ۴۶۹.صحیح

(۳) مستدرک مع تعلیقات الذھبی: کتاب الوتر: ۱۱۳۶ .صحیح:امام حاکمؒ وذھبیؒ

(۴)مستدرک مع تعلیقات الذھبی: کتاب الوتر:۱۱۱۸ . لہ شواھد : امام حاکمؒ

(۵) طحاوی:باب الوتر:۱۷۲۳ .صحیح:اعلاء السنن: ۶/۴۷

اضافہ نہیں فرماتے تھے (یعنی نماز تہجد میں)، اولاً چار رکعت پڑھتے ان کی عمدگی اور ان کی طوالت نا قابل بیان ہے، پھر اس کیفیت کے ساتھ مزید چار رکعت ادا فرماتے، پھر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھتے (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں شب گذاری کی تو، انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی یہی کیفیت بیان فرمائی پھر فرمایا: (اخیر میں) آپ ﷺ نے تین رکعت وتر ادا فرمائی۔(۲)

حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ: وتر کی پہلی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔(۳)

حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور صرف اخیر رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔(۴) امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی وتر بھی اسی طرح تھی اور اس کو اہل مدینہ نے آپؓ سے سیکھا تھا (۵)

چنانچہ ابو الزنادؒ مدینہ کے فقہاء سبعہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ سب اس پر متفق تھے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے اور سلام بالکل اخیر میں ہے۔(۶) اہل مکہ اصحاب ابن عباسؓ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔(۷)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام سے تین رکعت ہیں۔(۸)

(۱) بخاری: باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ: ۱۱۴۷

(۲) مسلم: باب الدعاء فی صلوۃ اللیل وقیامہ: ۱۸۳۵

(۳) مستدرک مع تعلیقات الذہبی: کتاب الوتر: ۱۱۳۹۔ صحیح: امام حاکمؒ وذہبیؒ

(۴) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذہبی: ۱۱۴۰۔ حسن: اعلاء السنن: ۶/۳۰

(۵) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذہبی: ۱۱۴۰۔ حسن: اعلاء السنن: ۶/۳۰

(۶) طحاوی: باب الوتر: ۱۷۵۸۔ حسن: آثار السنن ۲/۱۳

(۷) اعلاء السنن: ۶/۳۹

(۸) مصنف ابن ابی شیبہ: من کان یوتر بثلاث او اکثر: ۶۹۰۴۔ لا بأس بہ فی المتابعات: اعلاء السنن ۶/۵۰

وتر کی دوسری رکعت پر قعدہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نماز مغرب کی طرح وتر کی نماز بھی تین رکعت ہے،(۱)

اس مضمون کی متعدد صحیح روایات صحابہ وتابعین سے ثابت ہیں(۲) وتر کو مغرب کی نماز کے مشابہ قرار دینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وتر میں بھی مغرب کی طرح دوسری رکعت پر قعدہ کیا جائے گا نیز نبی ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات میں یہ قاعدۂ کلیہ بھی بیان فرما دیا کہ: ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔(۳)

ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے جس کے ضمن میں پیغمبروں اور ان کے متبعین، نیکوکار بندگان خدا پر سلام بھیجا جاتا ہے(۴) ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔(۵) اس سے بھی دوسری رکعت پر قعدہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، نبی کریم ﷺ، شب کو اٹھتے تو مسواک کرتے، وضو فرماتے پھر نو رکعت ادا فرماتے، ان نو رکعتوں میں سے (کسی میں لگاتار دو قعدے نہ فرماتے سوائے نماز وتر کے کہ) صرف آٹھویں رکعت پر (جو وتر کی دوسری رکعت ہوتی تھی اور چھ رکعت شروع کے نمازِ تہجد) بیٹھتے تھے، ذکر، حمد اور دعا کرتے پھر کھڑے ہو جاتے، سلام نہ پھیرتے نویں رکعت (جو وتر کی تیسری رکعت ہوتی تھی) ادا کرتے پھر سلام پھیرتے۔(۶)

---

(۱)طحاوی :باب الوتر : ۱۷۴۴.صحیح:اثار السنن: ۱/ ۱۲.ابواب الوتر

(۲) طحاوی :باب الوتر : ۱۷۴۴.صحیح:اثار السنن: ۱/ ۱۲.ابواب الوتر

(۳)مسلم:باب ما یجمع صفة الصلاة: ۱۱۳۸

(۴)طبرانی کبیر: ۱۹۳۱۲. ایک راوی مختلف فیہ ہیں تاہم انہیں ثقہ قرار دیا گیا ہے. مجمع الزوائد:باب التشهد: ۲۸۳۹

(۵)ترمذی باب التخشع فی الصلوة : ۳۸۵ صحیح : اعلاء السنن ۶/ ۵۲

(۶)مسلم باب جامع صلاة اللیل :۱۷۷۳ :مع فتح الملهم : ۲/ ۳۰۳

اخیر رکعت میں قرأت:

تاہم وتر کی نماز اور نماز مغرب میں ایک فرق ادائیگی کے لحاظ سے یہ ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کرنا ضروری ہے، پھر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنا ہے۔

حضرت ابو العالیہؒ کہتے ہیں: اصحاب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ سکھلایا کہ نماز وتر، مغرب کی نماز ہی کے مانند ہے سوائے اس کے کہ (وتر میں) تیسری رکعت میں بھی قرأت کرنا۔(۱)

---

(۱)طحاوی :باب الوتر:۱۷۴۳. صحیح:آثار السنن: ۲ /۱۳

بعض روایات میں ایک رکعت وتر کا تذکرہ بھی آیا ہے تاہم اس کا مفہوم ومصداق سابقہ روایات کی روشنی میں، وہ ایسی ایک رکعت ہے جو دوگانہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یعنی تین رکعت کا مجموعہ مگر ان تین رکعتوں میں سے وتر اور طاق رکعت حقیقت میں چوں کہ اخیر والی رکعت ہی ہے، اس لئے اس پورے مجموعہ پر وتر کا اطلاق کرنے کے بجائے صرف اخیر والی رکعت کو وتر سے تعبیر کردیا گیا ہے۔(طحاوی باب الوتر: ۱۷۱۳. ۱۷۱۲) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے تنہاء ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکہری رکعت سے منع فرمایا ہے کہ آدمی بس ایک رکعت پڑھے جسے وتر بنالے۔(التمہید لابن عبدالبر:باب النون:نافع بن جرجیس: ۱۳ /۲۵۴ ۔سند کے ایک راوی پر صرف علامہ عقیلیؒ نے خفیف جرح کی ہے،تاہم امام حاکمؒ نے مستدرک میں اس راوی کے واسطے سے بھی حدیث تخریج کی ہے۔الجوهر النقی: ۲۷/۳)

حضرت ابن مسعودؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت سعدؓ صرف ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہوگی۔(طبرانی کبیر: ۹۳۱۲. حسن:مجمع الزوائد:باب عدد الوتر:۳۴۵۷

حضرت حسن بصریؒ سے عرض کیا گیا کہ: حضرت ابن عمرؓ وتر کی رکعتوں پر سلام پھیر دیا کرتے تھے، اس پر حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا: حضرت عمرؓ ان سے زیادہ فقیہ تھے وہ تو تیسری رکعت کے لئے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوجاتے تھے۔(مستدرک حاکم : ۱۱۴۱ کتاب الوتر سکت عنه الحاکمؒ والذهبی)

رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھنا:

حضرت براء بن عازبؓ نے وتر میں قنوت پڑھنے کو شریعت کا جاری وساری طریقہ قرار دیا ہے(۱)

حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت میں سورۃ اعلی، دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے، اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔(۲) اس روایت سے نماز وتر کا تین رکعت ہونا اور اس میں دائمی طور پر دعائے قنوت کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت علقمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر اصحاب رسول اللہ ﷺ: وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھا کرتے تھے۔(۳)

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ: ہر رات مکمل سال نماز وتر میں رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔(۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی والدہ محترمہ جو بطور خاص، رسول اللہ ﷺ کی نماز وتر کی کیفیت کا مشاہدہ کرنے اپنے لائق وذی احترام فرزند کی درخواست پر، شب کے اوقات میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں قیام پذیر تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ منشأ خداوندی کے مطابق، شب کی گھڑیوں میں نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ اخیر شب کا وقت آیا اور آپ ﷺ وتر پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو پہلی رکعت میں سورۂ اعلی پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون تلاوت فرمائی دوسری رکعت پر قعدہ فرمایا اور سلام پھیرے بغیر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پھر اس میں سورۃ اخلاص کی تلاوت فرمائی،

---

(۱)مسند السراج لمحمد بن اسحاق بن ابراهیم السراج الثقفی النیسا بوری:۱۳۳۳،دار النشر:ادارة العلوم الاثریه باکستان.صحیح ابن خزیمه: کتاب الوتر:۱۰۹۷.حسن:اٰثار السنن:۱۵/۲

(۲)نسائی تحقیق الالبانی:ذکر اختلاف الناقلین لخبر ابی بن کعب فی الوتر: ۱۶۹۹.صحیح

(۳)مصنف ابن ابی شیبه :فی القنوت قبل الرکوع او بعده: ۶۹۸۳ .صحیح:اٰثار السنن:۱۷/۲

(۴)کتاب الأثار لامام محمد:باب القنوت فی الصلاة: ۲۰۹.مرسل جید:اٰثار السنن:۱۷/۲

بعدازاں تکبیر کہی پھر قنوت ودعا پڑھی پھر تکبیر کہی اور رکوع فرمایا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ وتر کی اخیر رکعت میں **قل هو الله احد** پڑھتے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھتے۔(۲) ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ دعائے قنوت، رمضان وغیر رمضان دونوں میں، رکوع سے قبل پڑھنا واجب ہے، لہذا جب تم قنوت پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو اور جب رکوع کرنا ہو تب بھی تکبیر کہو(۳)

(۱) شرح مسند ابی حنیفه : ۱ / ۴۶۸ .مصدر الکتاب موقع یعسوب.حسن:اعلاء السنن: ۶/۸۳

(۲)جزء رفع الیدین للبخاریؒ: ۹۱ .صحیح:امام بخاریؒ

(۳) کتاب الأثار لامام محمد:باب القنوت فی الصلاۃ:۲۱۰ .صحیح: اثار السنن : ۲/۱۷

فائدہ (۱) حضرت ابی بن کعب کے بارے میں منقول ہے کہ وہ، رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔(**ابو داؤدتحقیق الالبانی:باب القنوت فی الوتر: ۱۴۳۰ .ضعیف**) تاہم حضرت ابی بن کعبؓ کا یہ عمل کئی وجہ سے قابل حجت نہیں (الف) ان کا یہ عمل، انہی کے حوالے سے سابق میں ذکر کردہ اس مرفوع راویت کے معارض ہے جس سے دائمی طور پر رسول اللہ ﷺ کا نماز وتر میں قنوت پڑھنا معلوم ہوتا ہے، (ب) روایت مذکور کی سند منقطع اور ضعیف ہے(**امام نوویؒ خلاصة الاحکام: کتاب الوتر: ۱۹۱۵**) (ج) بفرض صحت: رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنے کا مطلب قیام کو طویل کرنا ہے جو رمضان کے مہینے میں بالخصوص اخیر نصف میں محمود وپسندیدہ ہے(**فتح القدیر : ۱/۳۷۵،باب صلاۃ الوتر**) اور قیام پر قنوت کا اطلاق بالاتفاق حدیث سے ثابت ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے افضل ترین نماز، طویل قنوت (قیام) والی ہوتی ہے۔(**مسلم شریف :باب افضل الصلاۃ طول القنوت: ۱۸۰۴**)

فائدہ (۲) وتر کے سوا کسی اور نماز میں دائمی طور پر قنوت پڑھنا ثابت نہیں، البتہ اگر مسلمان کہیں عمومی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہوں تو اس مصیبت کے ہٹنے تک عارضی طور پر نماز فجر میں قنوت نازلہ کا پڑھنا ثابت ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بس ایک ماہ تک نماز فجر میں قنوت پڑھا تھا، جس میں آپ ﷺ ان لوگوں کو بددعا فرمائے تھے جنہوں نے قرّاءِ صحابہ کو قتل کر دیا تھا، (**بخاری : باب القنوت قبل الرکوع و بعده : ۱۰۰۱ . ۱۰۰۲**) اس پر بعض حضرات نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ چند لوگوں کا خیال ہے کہ رسول۔۔۔۔

۔۔۔۔اللہ ﷺ دائمی طور پر نماز فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے، حضرت انسؓ نے جواب دیا: ان لوگوں کا خیال غلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو بس ایک ماہ تک قنوت پڑھا تھا جس میں آپ ﷺ بعض قبائل مشرکین کے لئے بد دعاء فرمایا کرتے تھے۔(التلخيص الحبير : ۱/۵۹۹. حسن:اعلاء السنن: ۶/۹۳)

حضرت قتادۃؓ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا: رسول اللہ: (نماز فجر میں) قنوت نہیں پڑھتے تھے الا یہ کہ کسی قوم کے حق میں یا کسی قوم کے خلاف دعا کرنی ہو۔(صحیح ابن خزیمه :باب ذكر بيان ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن يقنت دهره كله: ۶۲۰. صحيح:الدرايه: ۱/۱۹۵)

اس مفہوم کو حضرت انسؓ نے ایک اور روایت میں اس طرح بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرمانے تک (خاص حالات میں) نماز فجر میں قنوت (نازلہ) پڑھا کرتے تھے (مصنف عبد الرزاق:باب القنوت: ۴۹۶۴. في اسناده مقال:اثار السنن:۲/۱۸)

چنانچہ حضرت انسؓ کا خود اپنا عمل یہ تھا کہ وہ پر امن حالات میں نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے، غالب بن فرقد کہتے ہیں، میں حضرت انس بن مالکؓ کے یہاں دو ماہ رہا مگر انہوں نے نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھی۔(طبرانی کبیر: ۶۹۲. حسن:اثار السنن:۲/۲۱)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا نماز فجر میں تاحیات قنوت پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندگی بھر نماز فجر میں طویل قیام فرمایا کرتے تھے، کیوں کہ بعض احادیث میں طول قیام کو بھی قنوت سے تعبیر کیا گیا ہے(زاد المعاد :فصل في هديه في الصلاة: ۱/۲۸۲)

مسلمانوں پر غیر معمولی حالات ومصائب پیش آنے کے موقعہ پر امام نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتا ہے تو مقتدی بھی اس کی پیروی کریں، اگر وہ آہستہ آواز میں قنوت نازلہ پڑھتا ہے تو مقتدی بھی قنوت نازلہ پڑھیں ،اور اگر وہ باواز بلند پڑھتا ہے تو مقتدی آمین کہیں(شامی : ۱/۴۹۶)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے لگاتار ایک ماہ تک قنوت پڑھا اور مقتدی امین کہتے رہے۔(ابوداود تحقيق الالباني: باب القنوت في الصلوات: ۱۴۴۵ : حسن) تاہم قنوت نازلہ کو آہستہ آواز میں پڑھنا بہتر ہے کہ یہ ایک دعا ہے اور دعا میں آواز کو پست رکھنا مطلوب ہے(الاعراف : ۵۵)

اور اگر کوئی امام معتدل ومعمول کے حالات میں نماز فجر میں قنوت پڑھتا ہے تو مقتدی پڑھنے میں ساتھ نہ دیں بلکہ ساکت کھڑے رہیں۔ طحطاوی علی المراقی : ۳۸۵

دعائے قنوت کے الفاظ:

اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَانَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ إِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نَصَلِّی وَنَسْجُدُوَإِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ إِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔(۱)

دعائے قنوت آہستہ پڑھنا:

دعا کے عام آداب کے مطابق دعاء قنوت کو بھی آہستہ پڑھنا بہتر ہے (واجب نہیں) (۲) ارشاد ربانی ہے: اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ اور خفیہ طور پر پکارو۔(۳)

وتر کے بعد نفل پڑھنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر کے بعد بیٹھ کر ہی دو رکعتیں ہلکی پھلکی پڑھ لیا کرتے تھے(۴)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی سفر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفر، مشقت و تکلیف کا نام ہے، لہذا تم میں سے جب کوئی وتر پڑھنے لگے تو ساتھ میں دو رکعت بھی ادا کرلے، اگر (اخیر شب میں تہجد کے لئے) آنکھ کھلی تو بہت خوب ورنہ تو یہ دو رکعتیں اس کے لئے ہو جائیں گی۔(۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرتے تھے، جن میں سورۃ زلزال اور سورۃ کافرون پڑھتے تھے(۶)

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبه فی قنوت الوتر من الدعاء: ۶۹۲۵،سکت علیه المحقق محمد عوامه

(۲)شامی : ۲/۷

(۳) اعراف : ۵۵

(۴)مسلم : باب صلاۃ اللیل:۱۷۵۸،ابن ماجه:تحقیق الالبانی:باب ما جاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً:۱۱۹۵ .صحیح

(۵)دارقطنی باب فی الرکعتین بعد الوتر:۱۷۰۰ .صحیح:مسند احمد تحقیق شعیب الارنووط:۶۵۳/۳۶

(۶) مسند احمد تحقیق شعیب الارنووط:۲۲۳۱۳ .صحیح لغیره

اس سے معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نفل نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ان نوافل کو بے عذر اگر بیٹھ کر ادا کرے گا تو ثواب میں کمی واقع ہوگی، اس بارے میں نبی ﷺ کا معاملہ خاص ہے کہ آپ ﷺ کے حق میں ثواب کی ایسی کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مجھے علم تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا ثواب آدھا ہوتا ہے لیکن ایک دفعہ جب میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں، اس پر میں اپنا سر پکڑ لیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے اپنی پریشانی بیان کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مسئلہ تو وہی ہے (کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے) لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔(۱)

فائدہ: بعض روایات میں یہ حکم آیا ہے کہ رات کی اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو رات کے اخیر حصے میں وتر ادا کرتے ہیں، باقی جو لوگ شروع رات وتر پڑھ لیتے ہیں ان کے لئے بعد وتر نوافل پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۳) علامہ نوویؒ کا خیال یہ ہے کہ یہ حکم، استحباب کے طور پر ہے اور بعد وتر نوافل پڑھنا، جواز کے دائرہ میں آتا ہے(۴)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا خیال یہ ہے کہ اس حکم کا مطلب: دو مرتبہ وتر پڑھنے سے منع کرنا ہے اس لئے کہ جب دو دفعہ وتر پڑھی جائے گی تو رات کی نماز وتر نہیں بلکہ جفت ہو جائے گی؛ چنانچہ بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ ایک رات میں دو وتر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔(۵)

(۱) مسلم :باب جواز النافلة قائما وقاعداً: ۱۷۴۹
(۲) بخاری:باب لیجعل آخر صلاة وتراً:۹۹۸
(۳)فتح الباری : ۴۸۰/۲باب ما جاء فی الوتر
(۴)شرح مسلم نووی باب صلاۃ اللیل : ۲۱/۶
(۵) ابوداؤد تحقیق الالبانی:باب فی نقض الوتر : ۱۴۴۱ .صحیح . اعلاء السنن :۱۲۶/۶

سنن ونوافل کا بیان

دن رات کی بارہ رکعتیں

حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھتا رہے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔

(الف) چار رکعت ظہر سے پہلے (ب) دو رکعت ظہر کے بعد (ج) دو رکعت مغرب کے بعد (د) دو رکعت عشاء کے بعد (ہ) دو رکعت فجر سے پہلے (۱)

عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے کی چار رکعت اور فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (کبھی) نہیں چھوڑتے تھے۔(۲)

عبداللہ بن شقیقؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے نبی ﷺ کی سنن ونوافل کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا: نبی ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت میرے حجرے میں پڑھا کرتے تھے پھر باہر تشریف لے جاتے، لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر حجرہ میں داخل ہوتے اور دو رکعت ادا فرماتے ایسے ہی لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر حجرہ میں داخل ہوتے اور دو رکعت ادا کرتے عشاء کی نماز پڑھاتے پھر میرے حجرہ میں داخل ہوتے اور دو رکعت ادا فرماتے، اسی طرح جب صبح صادق طلوع ہوتی تو دو رکعت ادا کرتے۔(۳)

ان روایات سے مذکورہ بالا، بارہ رکعتوں کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے عصر سے قبل کی چار رکعت کے بارے میں اتنا اہتمام منقول نہیں، ہاں اس کا لحاظ رکھنے والے کو دعائے رحمت دی گئی ہے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اس بندہ پر رحم

(۱) ترمذی تحقیق الالبانی: باب ماجاء فیمن صلی فی یوم و لیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة: ۴۱۴. صحیح

(۲) بخاری: باب الرکعتین قبل الظهر: ۱۱۸۲

(۳) مسلم: باب جواز النافلة قائما وقاعداً: ۱۷۳۳

کرے جو عصر سے قبل چار رکعت پڑھتا ہے۔(۱) پس عصر سے قبل کی چار رکعت سنت غیر مؤکدہ کے درجہ میں ہیں۔

عشاء سے قبل کی چار رکعت کا درجہ اور کم ہے، اسلاف یعنی صحابہؓ وتابعینؒ: عشاء سے قبل ان چار رکعتوں کے پڑھنے کو اچھا ومستحب خیال کرتے تھے۔(۲)

فائدہ (۱) بارہ رکعت سنت مؤکدہ میں سے بھی: نماز فجر سے قبل کی سنتیں نہایت تاکیدی اہمیت کی حامل ہیں، نبی ﷺ نے ان دو رکعتوں کو دنیا ومافیہا سے بہتر قرار دیا ہے(۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اتنا سخت اہتمام نبی ﷺ کسی اور نفل وسنت نماز کا نہیں فرمایا کرتے تھے۔(۴) فجر کی ان دو سنتوں کے بارے میں یہاں تک آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ دشمن کے گھوڑے تمہیں روند رہے ہوں تب بھی تم ان دو رکعتوں کو نہ چھوڑو۔(۵) اسی اہمیت وتاکید کے پیش نظر جماعت کھڑی ہو جانے کے باوجود علیحدہ وکنارہ ہو کر جلد جلد ان کو پڑھ لینے کی تعلیم دی گئی ہے، تاہم اس کا موقع بھی نہ مل سکے اور جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو تو فی الحال جماعت میں شریک ہو جانے اور بعد طلوع آفتاب ان دو سنت فجر کی قضا کا حکم دیا گیا ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں ہے۔(۶) بیہقی کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے کہ سوائے فجر کی دو رکعت (سنت) کے(۷) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اقامت کے وقت دو رکعت (سنت فجر)

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی الاربع قبل العصر: ۴۳۰. حسن: امام ترمذیؒ

(۲)(مختصر قیام اللیل: یصلی بین المغرب والعشاء اربع رکعات: ۷۰)

(۳)(مسلم: باب استحباب رکعتی سنة الفجر: ۱۷۲۱)

(۴)بخاری: باب تعاهد رکعتی الفجر: ۱۱۶۹

(۵)ابو داؤد: باب فی تخفیف رکعتی الفجر: ۱۲۶۰. صحیح: اثار السنن: ۲/۲۹

(۶)مسلم: باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع الموذن: ۱۶۷۸)

(۷)السنن الکبری للبیهقی: باب کراهیة الاشتغال بهما بعد ما اقیمت الصلاة: ۴۷۲۹. حسن: اعلاء السنن: ۷/۱۱۰

پڑھا کرتے تھے(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؓ ایسے وقت مسجد میں تشریف لائے کہ امام نماز فجر شروع کر چکا تھا، ابھی آپؓ نے سنت فجر نہیں پڑھی تھی تو آپؓ نے ایک ستون کی اوٹ میں ہو کر ان کو ادا فرمایا۔(۲)

حضرت ابو الدرداءؓ کے بارے میں مروی ہے کہ بسا اوقات آپؓ ایسے وقت تشریف لاتے کہ لوگ نماز فجر کے لئے صفیں باندھ چکے ہوتے، ایسے موقع پر آپؓ مسجد کے کسی گوشے میں دو رکعت ادا کر لیتے پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جاتے (۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ وتابعین کا بھی معمول یہی تھا۔(۴)

مسجد میں صفوں کے پر ہونے یا جماعت فوت ہو جانے کے خطرہ کی بنا پر فجر کی سنتیں رہ گئی ہوں تو بعد طلوع آفتاب ان کی قضا کر لی جائے، فرض کی ادائیگی کے فوری بعد ان کی قضا مکروہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے فجر کی رکعتیں نہ پڑھی ہوں، وہ طلوع آفتاب کے بعد ان کو ادا کر لے (۵) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کی سنت فجر رہ جاتی تو وہ آفتاب نکلنے کے بعد ان کو پڑھتے تھے(۶)

نبی ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک اور فجر کی نماز کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے(۷)

---

(۱)ابن ماجه باب ما جاء فی الركعتين قبل الفجر : ۱۱۴۷ .حسن :اعلاء السنن:۷/۱۰۵

(۲)طبرانی كبير: ۹۲۷۹ .رجاله موثقون:مجمع الزوائد باب اذا اقيمت الصلاة هل يصلی غيرها: ۲۳۹۲

(۳)طحاوی :باب الرجل يدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر: ۲۲۰۵ .حسن:اثار السنن: ۲/۳۲

(۴)حواله سابق

(۵)ترمذی تحقيق الالبانی باب ماجاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس:۴۲۳ .صحيح

(۶)مؤطا مالک :باب ماجاء فی ركعتی الفجر: ۲۸۶

(۷)بخاری :باب لايتحری الصلاة قبل غروب الشمس: ۵۸۶

(فائدہ:۲) ظہر کی سنن قبلیہ کسی وجہ سے نہیں پڑھی جاسکیں تو ظہر کے بعد ان کو پڑھ لینا چاہیے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کسی وجہ سے نبی ﷺ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں نہیں پڑھے ہوتے تو نماز کے بعد ان کو پڑھ لیا کرتے تھے۔(۱)

سنن ابن ماجہ میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ ان چار رکعتوں کو آپ ﷺ ظہر کی دو سنتوں کے بعد ادا کرتے تھے۔(۲)

وقت نکلنے کے بعد ظہر کی سنتوں کی قضا نہیں ہے۔حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا تو تعجب سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ یہ کونسی دو رکعتیں ہیں جنہیں آپ ﷺ نے پڑھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دو رکعتیں وہ ہیں جو میں نماز ظہر کے بعد پڑھا کرتا ہوں کہیں سے مال کی آمد کی وجہ سے میں انہیں نہ پڑھ سکا تھا تو اب میں نے انہیں پڑھ لیا! حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ کیا ہم بھی ان کی قضا کر سکتے ہیں جب وہ ہم سے فوت ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں!(۳)

اس حدیث سے دو باتیں صاف معلوم ہوتی ہیں (الف) وقت ختم ہونے کے بعد ظہر کی سنتوں کی قضا نہیں اور دیگر نمازوں کی سنتوں کا بھی یہی حکم ہے (ب) عصر کے بعد نفل پڑھنا خواہ وہ سنتوں کی قضا ہی کیوں نہ ہو ممنوع ہے، سنت فجر کی قضا کا بھی یہی حکم ہوگا۔

فائدہ (۳) بعض روایات سے نماز فجر کی سنت اور فرض کے درمیان ''داہنی کروٹ پر لیٹنا''، عمل نبی ﷺ ہونا معلوم ہوتا ہے۔(۴) اس بارے میں ایک حدیث قولی بھی موجود ہے کہ جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعت سنت پڑھے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جائے۔(۵) مگر یہ قولی روایت

---

(۱) ترمذی :تحقیق الالبانی باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر:۴۲۶.حسن

(۲) ابن ماجہ:باب من فاتتہ الاربع قبل الظہر:۱۱۵۸،فیہ قیس بن الربیع وقد وثق و بقیۃ الاسناد ثقات.فتح الغفار:۵/۲۰۲

(۳) مسند ابو یعلی: تحقیق حسین سلیم اسد:۷۰۲۸.صحیح

(۴) بخاری :باب الضجعۃ علی الشق الایمن:۱۱۶۰

(۵) ابو داؤد :باب الاضطجاع بعدھا:۱۲۶۳

محدثین کی نظر میں لائق اعتبار نہیں، کیوں تمام ثقہ راویوں نے اسے عمل نبوی کے طور پر روایت کیا ہے، تنہا ایک راوی نے اسے فرمان نبوی کے طور پر نقل کیا ہے، اصول حدیث کی رو سے ایسی روایت مردود ونا قابل استدلال قرار پاتی ہے(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی قولی روایت کو باطل قرار دیا ہے اور فعلی روایات کی تصحیح کی ہے۔(۲)

رہا عمل نبوی ﷺ تو یہ بطور عبادت کے نہیں بلکہ بغرض استراحت ہوا کرتا تھا، پھر مسجد میں نہیں بلکہ حجرہ عائشہؓ میں یہ صورت ہوا کرتی تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اگر میں اس موقع پر جاگ رہی ہوتی تو آپ ﷺ مجھ سے بات چیت کرتے ورنہ تو لیٹ جاتے۔(۳)

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ سے صاف مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ لیٹنا بطور سنت کے نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ (شب بیداری کی وجہ سے) آپ ﷺ تھکے ہارے ہوتے تھے تو (کچھ دیر) استراحت کرلیا کرتے تھے۔(۴) یہی وجہ ہے کہ جو آدمی اس کو سنت سمجھتا یا مسجد میں یہ کام انجام دیتا تو صحابہ کرام اس پر سخت نکیر فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے آدمی کے بارے میں فرمایا اسے کیا ہوگیا ہے کہ دو رکعت پڑھنے کے بعد، جانوروں اور گدھوں کی طرح لوٹتا ہے(۵) حضرت عمرؓ نے مسجد میں اس عمل کے انجام دینے والے کو کنکریوں سے مارا ہے(۶) اور حضرت ابن عمرؓ نے اس عمل کو سنت خیال کرنے والے کو باخبر کیا کہ یہ بدعت ہے۔(۷)

---

(۱) تدریب الراوی : ۱۴۸

(۲)زاد المعاد : فصل ضجعته بعد سنة الفجر : ۱/۱۷۰

(۳) مسلم :باب صلاۃ اللیل: ۱۷۶۶

(۴)مصنف عبد الرزاق :باب الضجعة بعد الوتر : ۴۷۲۲.حسن:اعلاء السنن:۷/۲۶

(۵)(۶)(۷) مصنف ابن ابی شیبه:من کره الاضطجاع بعد رکعتی الفجر :۶۴۴۸. ۶۴۴۹. ۶۴۵۵ .سکت علیها المحقق محمد عوامه والعلامه ابن القیم فی زاد المعاد: ۱/۱۷۰ ،فصل ضجعته بعد سنة الفجر

جمعہ کی سنتیں

جمعہ سے قبل چار رکعت، جمعہ کے بعد چار پھر دو رکعت پڑھنا سنت ہے، تاہم اخیر کے دو رکعت کا درجہ سنت غیر مؤکدہ کا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی غسل کرے پھر جمعہ میں حاضر ہو پھر جو میسر ہو اتنی نماز پڑھے پھر خطیب کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہے پھر اس کے ہمراہ نماز پڑھے تو اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک کے گناہ بلکہ مزید تین دن کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔(۱) ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو جمعہ سے پہلے چار اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جمعہ سے قبل چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت ایک ایک سلام سے پڑھا کرتے تھے(۳)

ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ کہتے ہیں: عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضرت علیؓ کا فرمان سنا کہ چھ رکعت پڑھو(۴)

نماز اشراق

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتے ہیں: اے ابن اٰدم تو دن کے شروع حصہ میں چار رکعت پڑھ لے میں دن کے ختم ہونے تک تیری کفالت کروں گا(۵)

---

(۱)مسلم :باب فضل من استمع وانصت فی الخطبة : ۲۰۲۴

(۲)مصنف عبدا لرزاق : باب الصلوة قبل الجمعة وبعدها : ۵۵۲۵صحیح : اثار السنن :۹۶/۲

(۳) طبرانی کبیر : ۱۲۵۰۶ . حسن : اعلاء السنن : ۱۴/۷

(۴)طحاوی : باب التطوع بعد الجمعة کیف هو : ۱۹۷۹ . صحیح : اثار السنن : ۹۶/۲

(۵) ترمذی : تحقیق الالبانی : باب صلاة الضحی : ۴۷۵ صحیح

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی پھر آفتاب کے طلوع ہونے تک اللہ کا ذکر کرتے بیٹھ گیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی تو اس کے لئے ایک حج وعمرہ کا کامل ثواب ملتا ہے(۱)

نماز چاشت:

سورج میں گرمی آجانے کے بعد زوال سے قبل دو، چار، آٹھ رکعت پڑھتے ہیں اس کو صلاۃ الضحی کہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ چار رکعات صلوۃ الضحی ایک سلام سے پڑھا کرتے تھے(۲)

حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعات چاشت کی نماز پڑھی اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرا۔(۳)

حضرت ابو الدرداء سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی چاشت کی دو رکعت نماز پڑھے وہ غافلوں میں سے شمار نہیں ہوتا اور جو چار پڑھے وہ عبادت گذاروں میں شمار ہوتا ہے اور جو چھ پڑھے اسکا پورا دن سلامتی کے ساتھ گذرتا ہے اور جو آٹھ پڑھے اللہ اسے فرمانبرداروں میں سے لکھ دیتے ہیں اور جو بارہ پڑھے اللہ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں۔(۴)

---

(۱) ترمذی: تحقیق الالبانی باب ذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاۃ الصبح حتی تطلع الشمس : ۵۸۶. حسن .

(۲) مسند ابویعلی:تحقیق حسین سلیم اسد : ۴۳۶۶. صحیح.

(۳)ابوداؤد : باب صلاۃ الضحی : ۱۲۹۲ .اسنادہ علی شرط البخاری : التلخیص الحبیر : باب صلوۃ التطوع : ۵۳۶

(۴)مجمع الزوائد : باب صلاۃ الضحی : ۳۴۱۹. حسن : اعلاء السنن : ۳۵/۷

نماز اوابین

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص بعد نماز مغرب چھ رکعت اس انداز سے پڑھے کہ درمیان میں کوئی بات نہ کرے تو یہ عمل بارہ سال کی عبادت کے برابر ہے(۱)

فائدہ: صحیح روایات میں صلوۃ الاوابین کا لفظ نماز چاشت کے لئے استعمال ہوا ہے تاہم محمد بن المنکدر کی مرسل روایت میں مغرب وعشاء کے مابین پڑھی جانے والی نماز کو بھی صلوۃ الاوبین کہا گیا ہے۔(۲)

نماز تہجد

نماز تہجد کی بے حد فضیلت اور بے شمار فائدے ہیں

ارشاد خداوندی ہے: اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز، نماز تہجد ہے(۴) تہجد کی چار چھ آٹھ دس رکعات ثابت ہیں، عام معمول نبوی ﷺ آٹھ رکعات تہجد پڑھنے کا تھا(۵) انسان اپنی بشاشت ونشاط کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

نماز کسوف

سورج گرہن ہو جائے تو عام نوافل کی طرح امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے، جس میں طویل قرأت کرے خواہ سراً ہو یا جہراً ہو۔

(۱) ترمذی : باب ماجاء فی فضل التطوع وست رکعات بعد المغرب : ۴۳۵. صحیح : اعلاء السنن :۱۹/۷)

(۲) مختصر قیام اللیل : باب الترغیب فی الصلوۃ مابین المغرب والعشاء : ۶۸. ۶۳. سکت علیه العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء : ۵۹۸

(۳) بنی اسرائیل : ۷۹

(۴) ترمذی : فضل صلاۃ اللیل : ۴۳۸. حسن صحیح : امام ترمذیؒ

(۵) مسلم شریف باب صلوۃ اللیل مع فتح الملهم : ۲/ ۲۸۷. ۳۲۰

حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں: عہد رسالت میں سورج گرہن ہوا تو رسالتمآب ﷺ بے قراری کے عالم میں مسجد تشریف لائے ہم بھی مسجد پہنچے تو آپ ﷺ نے ہمیں (عام نوافل کی طرح) دو رکعتیں پڑھائیں، یہاں تک کہ سورج کھل گیا۔(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے (عام نوافل کی طرح) دو رکعت نماز پڑھائی البتہ اس میں خوب طویل قیام فرمایا پھر نماز سے فارغ ہوئے، سورج بھی کھل چکا تھا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں، جن سے اللہ عزوجل ڈراتے ہیں؛ لہذا جب تم اس کو دیکھو تو اس تازہ فرض نماز (نماز فجر) کی طرح جسے تم پڑھ کر فارغ ہو چکے ہو، نماز کسوف بھی پڑھو۔(۲)

سمرۃ بن جندب کی روایت میں ہے کہ کسوف کے موقع سے آپ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی تو اتنا طویل قیام فرمایا کہ ایسا کسی نماز میں بھی نہیں فرمایا آپ ﷺ کی کوئی آواز ہم نہیں سنتے تھے، رکوع وسجدہ کا حال بھی یہی تھا۔(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سرّی قرأت فرمارہے تھے، بعض روایات سے جہراً قرأت کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نماز کسوف میں نبی ﷺ نے جہراً قرأت فرمائی۔(۴)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ایک دو آیتیں جہراً پڑھ دی ہو جیسا کہ کبھی کبھار آپ ﷺ ایسا فرمایا کرتے تھے اور باقی سورۃ آہستہ ہی پڑھی ہو،

---

(۱)بخاری : باب الصلوۃ فی کسوف الشمس : ۱۰۴۰

(۲)مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی : کتاب الکسوف : ۱۲۳۸. صحیح

(۳)(ابوداؤد : باب من قال اربع رکعات : ۱۱۸۶. ترمذی : باب ماجاء فی صفۃ القرأۃ فی الکسوف : ۵۶۲. حسن صحیح امام ترمذیؒ

(۴)بخاری : باب الجھر بالقرأۃ فی الکسوف : ۱۰۶۵

حضرت عائشہؓ نے خاص انہی ایک دو آیتوں کے اعتبار سے نماز کسوف میں جہری قرأت ہونے کو بیان فرمایا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: سورج گہن کے دن میں نے آپ ﷺ کے پہلو میں نماز پڑھی مگر آپ ﷺ سے کسی قسم کی قرأت کو نہیں سنا(۱)

یہ روایت سنداً کمزور ہے تاہم اوپر ذکر کردہ سنن ابوداؤد کی روایت نیز دن کی نمازوں میں سری قرأت ہونے کو بیان کرنے والی عام احادیث، اس روایت کی موافقت کرتی ہیں، پس ثابت ہوا کہ کسوف میں قرأت سراً کرنا بہتر ہے۔☆

نماز استسقاء

استسقاء کہتے ہیں اللہ تعالی سے بارش مانگنا، بارش اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے جب لوگ زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں تو کبھی کبھی تنبیہ کے لئے اللہ تعالی بارش کو روک دیتا ہے، ایسے موقع پر دعا اور استغفار کرنا چاہئے۔

ارشاد ربانی ہے: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کردے گا۔(۲)

استسقاء کے لئے لوگ معمولی لباس میں عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے، جنگل یا عیدگاہ روانہ ہوں، بلا اذان واقامت کہے پہلے امام دو رکعت نفل جماعت کے ساتھ، عام نمازوں کی طرح پڑھائے پھر خطبہ دے، پھر امام قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو اور ہاتھ اچھی طرح اٹھا کر دعا

---

(۱) طبرانی کبیر : ۱۱۶۱۲. حسن: اثار السنن : ۲/۱۱۴

(۲)سورۃ نوح : ۱۰ تا ۱۲

☆ یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، البتہ امام احمدؒ وصاحبینؒ کے نزدیک جہراً قرأت کرنی چاہئے۔(۱)فتح الملھم : ۲/۴۷۵

کرے اور چادر پلٹ دے اور مقتدی بیٹھ کر دعا کریں،(۱)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ: (استسقاء کے لئے) نہایت خستہ، درماندہ اور آہ وزاری کی حالت میں (آبادی سے) باہر نکلے۔(۲)

نماز حاجت:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ سے یا کسی انسان سے اپنی کوئی ضرورت پوری کرانا چاہتا ہو، اسے اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد یہ دعا کرنی چاہئے:

لا الہ الاّ اللّٰہ الحلیم الکریم سبحان اللّٰہ ربّ العرش العظیم الحمد للّٰہ رب العالمین أسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کلّ بر والسلامة من کلّ إثم لا تدع لی ذنبا الّا غفرته ولا هما الّا فرجته ولاحاجة هی لک رضا الّا قضیتها یا ارحم الراحمین (۳)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی برد باری اور کرم کرنے والا ہے، بڑے عرش کا مالک اللہ پاک ہے، حمد وثنا جہانوں کے رب اللہ ہی کے لئے ہے، اے اللہ میں تجھ سے ان کاموں کے کرنے کی توفیق چاہتا ہوں جو تیری رحمت ومغفرت کا باعث ہوں، میں تجھ سے تیری اطاعت کرنے اور ہر گناہ سے بچا رہنے کی توفیق چاہتا ہوں، میرا جو گناہ ہے اسے بخش دے، میرے دل میں جو فکر وپریشانی ہے اسے دور کردے اور میری ہر حاجت جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہے اسے پورا کردے، اے سب سے بڑے رحم کرنے والے میری دعا قبول فرما!

(۱)مسند احمد : تحقیق شعیب الارنوط ۸۳۲۷. صحیح لغیره

(۲)ابوداؤد : تحقیق الالبانی : الاستسقاء : ۱۱۶۷ . حسن

(۳)ترمذی :صلاة الحاجة : ۴۷۹. للحدیث طرق اخری : فتح الغفار : کتاب الصلوة : ۲۳۹/۵

صلوۃ التسبیح

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو یہ نماز خاص اہتمام سے سکھائی تھی، اور یہ فرمایا تھا کہ اس سے تمہارے چھوٹے بڑے گناہ سب معاف ہو جائیں گے، اگر ہو سکے تو ہر روز پڑھ لیا کرو اور ہر روز نہ پڑھ سکو تو ہفتہ میں ایک بار پڑھ لیا کرو، ہر ہفتہ نہ پڑھ سکو تو مہینہ میں ایک بار پڑھ لیا کرو، ہر مہینہ نہ پڑھ سکو تو سال میں ایک بار پڑھ لو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساری عمر میں ایک دفعہ پڑھ لو۔(۱)

نماز تسبیح کا طریقہ: چار رکعت نفل کی نیت باندھے اور ثنا و سورۃ فاتحہ پڑھ کر پندرہ مرتبہ **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** پڑھے، پھر رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کے بعد دس مرتبہ یہ کلمے پڑھے پھر رکوع سے کھڑے ہو کر **سمع اللہ لمن حمدہ** کے بعد دس مرتبہ پڑھے پھر پہلے سجدے میں **سبحان ربی الاعلی** کے بعد دس مرتبہ پڑھے، پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھے تو دس مرتبہ پڑھے پھر دوسرے سجدے میں **سبحان ربی الاعلی** کے بعد دس مرتبہ پڑھے پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھے تو دس مرتبہ پڑھے دوسرے سجدے میں **سبحان ربی الاعلی** کے بعد دس مرتبہ پڑھے، پھر دوسرے سجدے سے اللہ اکبر کہہ کر اٹھے اور بیٹھ جائے اور دس مرتبہ یہ کلمے پڑھ کر اللہ اکبر کہے بغیر کھڑا ہو جائے اسی طرح دوسری رکعت پڑھے اور جب دوسری رکعت میں التحیات کے لئے بیٹھے تو پہلے دس مرتبہ یہ کلمے پڑھے پھر التحیات پڑھے اسی طرح چار رکعتیں پڑھے(۲)

دوسرا طریقہ

تکبیر تحریمہ کہہ کے ثنا پڑھنے کے بعد، سورۃ فاتحہ سے پہلے پندرہ مرتبہ یہ کلمے پڑھے پھر الحمد للہ اور ضم سورۃ کے بعد دس مرتبہ پڑھے اور باقی سب جگہ پہلے طریقہ کے موافق پڑھے البتہ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر نہ پڑھے اور نہ التحیات کے ساتھ پڑھے(۳)

---

(۱)(۲) ابوداؤد: تحقیق الالبانی باب صلوۃ التسبیح : ۱۲۹۹ صحیح

(۳) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی : کتاب صلاۃ التطوع : ۱۱۹۷. رواۃ ھذا الحدیث عن ابن المبارک کلھم ثقات اثبات ولا یتھم عبد اللہ ان یعلمه مالم یصح عندہ سندہ . امام حاکم

نمازاستخارہ:

اگرکوئی کام پیش آجائے مگراس کے کرنے یا نہ کرنے میں تر دد ہواور فیصلہ نہ کر سکے کہ کرو ں یا نہ کروں یا ابھی کروں یا کچھ دن بعد، تو دو رکعت استخارہ پڑھے پھر دعا پڑھے، پھر جس طرف رجحان پیدا ہو وہ کام کرے۔(نیند لینا پھر نیند میں خواب دیکھنا ضروری نہیں)

دعائے استخارہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ . اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الاَمْرَ خَیْرٌلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ ..... شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ .

(ترجمہ) اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعہ تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ قدرت طلب کرتا ہوں، میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، اس لئے کہ تو قدرت رکھتا ہے میں قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہی غیب کے کاموں کو جاننے والا ہے ،اے اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے لئے میرے دین، میری معاش اور میرے انجام کار میں بہتر ہو تو اسے میرے لئے مقدر فرمادے، اسے میرے لئے آسان کردے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا کردے اور اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے لئے میرے دین میری معاش اور انجام کار میں برا ہے تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے جہاں بھی خیر ہے مقدر کردے اور پھر مجھے اس پر راضی و مطمئن کردے۔لفظ ان ھذا الامر پر اپنی حاجت کا ذکر کرے یا خیال کرلے۔(۱)

(۱)بخاری: باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی : ۱۱۶۲

نماز تراویح

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں دو یا تین رات نماز تراویح پڑھائی ہے جس میں صحابہ کرام نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ شرکت فرمائی تھی، رسول اللہ ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کی بنا پر یہ نماز امت پر فرض نہ کردی جائے پھر امت مشقت میں پڑ جائے، اس اندیشے سے آنحضرت ﷺ نے تراویح پڑھانے کا اہتمام ترک فرمایا: (۱) تاہم اس کے باوجود آنحضرت ﷺ لوگوں کو انفرادی طور پر قیام رمضان کی تلقین فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ارشاد گرامی ہے، جو شخص بحالت ایمان اور بامید ثواب، قیام رمضان کا اہتمام کرے تو اللہ تبارک وتعالی اس کے گذشتہ گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔(۲)

چوں کہ رسول اللہ نے ایک مصلحت سے تراویح کے اہتمام واظہار کو بالکل ترک فرمادیا تھا ،اس لئے اس بارے میں، معمول نبوی ﷺ بھی مشہور نہ ہوسکا، نماز تراویح اور اس کی رکعات سے متعلق احادیث کم ہیں، بلکہ اکابر صحابہؓ سے اس بارے میں حضور ﷺ کا کوئی معمول منقول نہیں ہے۔

ہاں چند ایک صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیس رکعت کا پڑھنا نقل کیا ہے مگر محدثین کو ان روایات میں کلام ہے حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت اور فاروق اعظم کے شروع کے دور تک بھی یہی صورتحال رہی، پھر آگے چل کر دور فاروقی ہی میں تراویح کا مسئلہ صاف ہوگیا اور صحابہ کرام وسلف صالحین کا اس پر اجماع ہوا کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ یقین بھی ہوگیا کہ رکعات تراویح کے تعلق سے سنت نبوی ﷺ بھی بیس رکعت ہی ہے، کیوں کہ یہ بات محال ہے کہ صحابہ کرام نے کسی ایسے عمل پر اجماع کرلیا ہو جو سنت نبوی کے مخالف ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسے ہی نازک موڑ پر آثار صحابہ اور تعامل اسلاف راحت ورہنمائی کا کام دیتے ہیں انہی موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی اہمیت وضرورت سمجھ میں آتی ہے جس

---

(۱)(مسلم :باب الترغیب فی قیام رمضان : ۱۸۱۹ . ۱۸۲۰)

(۲)(مسلم :باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراويح: ۱۸۱۵ . ۱۸۱۶)

میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور دانت سے مضبوطی سے پکڑ لو یعنی اس پر سختی سے عمل پیرا رہو۔(۱)

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جن کی بھی تم پیروی کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے(۲) میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی۔(۳)

وہ لوگ جو صحابہ کرام کو خاطر میں نہیں لاتے، اثار صحابہ کو ٹھکرا دیتے ہیں، ان پر ایک مسئلہ تراویح کیا، بہت سارے ضروریات دین کو بھی ثابت کرنا مشکل ہے، ایسے لوگ بہت جلد گمراہی کا شکار ہوکر بجائے شریعت کے خواہش نفس کے متبع ہوکر رہ جاتے ہیں اور اس آیت کریمہ کی عملی تصویر بن جاتے ہیں: پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈالدیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟(۴)
ذیل میں تراویح کی بیس رکعات کے تعلق سے بعض احادیث وآثار کو نقل کیا جاتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے مہینے میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔(۵)

اس روایت کی سند کے تمام راوی علاوہ ابراہیم بن عثمانؒ کے ثقہ ہیں، تاہم ائمہ جرح وتعدیل کی اراء کی روشنی میں ابراہیم بن عثمانؒ کا کم از کم حسن الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لئے

---

(۱)ابوداود : تحقیق الالبانی : باب لزوم السنة : ۴۶۰۹ صحیح

(۲)مشکوة : باب مناقب الصحابة : ۶۰۱۸الحدیث الصحیح یؤدی بعض معناه : الاعتقاد للامام بیهقیؒ : باب القول فی اصحاب رسول الله : ۲۹۲

(۳)ابن ماجه : تحقیق الالبانی : باب السواد الاعظم : ۳۹۵۰. صحیح

(۴)سورة الجاثیه : ۲۳

(۵)مصنف ابن ابی شیبه : باب کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۷۷۷۴

یہ روایت گو صحیح کے خانہ میں نہ آتی ہو مگر حسن ضرور ہے خاص کر جب کہ آثار صحیحہ سے اس روایت کی تائید بھی ہوتی ہے۔(۱)

اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ رمضان کی کسی رات مسجد تشریف لے گئے، دیکھا کہ لوگ چیدہ چیدہ بے نظمی سے نمازیں پڑھ رہے ہیں کوئی تنہاء ہے تو کوئی کسی قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے، یہ صورتحال دیکھ کر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا اگر میں انہیں ایک امام وقاری کے پیچھے جمع کردوں تو خوب رہے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے بعد ازاں حضرت ابی ابن کعبؓ کے پیچھے سب کو جمع کردیا۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کا معمول عہد رسالت ہی سے چلا آرہا ہے، حضرت عمرؓ کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ آپؓ نے تمام لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کردیا، گویا باجماعت تراویح کا طریقہ رائج فرمایا، اس لئے یہ کہنا بے جا ہے کہ تراویح (اور اس میں بیس رکعات) سنت نبوی ﷺ نہیں بلکہ سنت عمریؓ ہے (بلکہ بعض دریدہ دہنوں کے مطابق بدعت عمریؓ ہے)(۳)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔(۴) حضرت یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تئیس رکعات (۲۰ر تراویح ۳ وتر) پڑھا کرتے تھے۔(۵)

حضرت سائب بن یزیدؒ سے راویت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں قیام لیل (تراویح) سے فارغ ہوتے تو فجر کا وقت قریب ہوتا اور قیام اللیل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس

---

(۱)اعلاء السنن : ۸۲/۷

(۲) بخاری : باب فضل من قام رمضان : ۲۰۰۹. ۲۰۱۰

(۳)اعلاء السنن : ۶۶/۷

(۴)مصنف ابن ابی شیبه : کم یصلی فی رمضان من رکعة : ۷۷۷۴. حسن : اعلاء السنن : ۸۳/۷

(۵)مؤطا امام مالک : باب ماجاء فی قیام رمضان) (مرسل قوی : اثار السنن : ۵۵/۲

رکعت ہوتا تھا (بیس رکعات تراویح اور ۳ رکعت وتر) (۱) حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ فرماتے ہیں: حضرت ابی بن کعبؓ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے اور وتر تین رکعت۔ (۲)

حضرت یحیی بن سعیدؒ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو اس پر مامور فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔ (۳)

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی امت کا تعامل بیس رکعات تراویح پڑھنے ہی کا رہا، عہد عثمانیؓ میں بسا اوقات لوگ، قیام کی شدت اور قرأت کی طوالت کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔ (۴)

ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرے اور حضرت علیؓ خود ان کو وتر پڑھاتے تھے۔ (۵)

حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ: میں نے لوگوں کو وتر سمیت تیئیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ (۶)

(۱) مصنف عبد الرزاق : باب قیام رمضان : ۷۷۳۳. بعضها یقوی بعضا : اثار السنن : ۵۶/۲

(۲) مصنف ابن ابی شیبه : کم یصلی فی رمضان من رکعة : ۷۷۶۶. مرسل قوی : اثار السنن : ۵۵/۲

(۳) مصنف ابن ابی شیبه : کم یصلی فی رمضان من رکعة : ۷۷۶۴ . مرسل قوی : اثار السنن : ۵۵/۲

(۴) السنن الکبری للبیهقی : باب ماورد فی عدد رکعات القیام فی رمضان : ۴۸۰۱: اسناده صحیح قد صحح اسناده غیر واحد من الحفاظ کالنووی فی الخلاصة وابن العراقی فی شرح التقریب والسیوطی فی المصابیح . التعلیق الحسن : ۵۴/۲

(۵) السنن الکبری للبیهقی : باب ماورد فی عدد رکعات القیام فی رمضان : ۴۸۰۴: حسن: اعلاء السنن : ۸۸/۷

(۶) مصنف ابن ابی شیبه : کم یصلی فی رمضان من رکعة : ۷۷۷۰ . حسن : اثار السنن : ۵۵/۲

ان خلفاء راشدین، صحابہ کرام کے علاوہ اجلہ تابعین سے تراویح کی بیس رکعات منقول ہیں، اوراسی کوان بزرگان نے امت محمدیہ کا عام تعامل بتایا ہے، ذیل میں چندنام شمار کرائے جاتے ہیں، (علماء مکہ میں سے) حضرت عطاءؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابن ابی ملیکہؒ (علماء کوفہ میں سے) حضرت سوید بن غفلہ، حضرت علی بن ربیعہؒ، حضرت حارث اعور، (۱) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم ۲۰ رکعت تراویح کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور نبی ﷺ کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم سے منقول ہے، یہی سفیان ثوریؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں ایسے ہی پایا ہے کہ وہاں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔(۲)

مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ ہی کے عہد سے ۲۰ رکعت تراویح ہوتی تھی اور ہر ترویحہ پر چار چار رکعت نفل پڑھی جاتی تھی اور پھر تین رکعت وتر اور وتر کے بعد کی دو رکعت، اس طرح اکتالیس رکعتیں ہوجاتی تھیں، امام ترمذیؒ نے اکتالیس والا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ یہی اہل مدینہ کا قول ہے اوراس پر ان کا عمل ہے۔(۳) گویا صحابہؓ اوراس کے بعد کے ادوار میں، مکہ اور کوفہ جیسے علمی مراکز میں بیس رکعات تراویح ہی کا معمول رہا ہے اور یہی تین شہر عہد صحابہ وتابعین میں علوم اسلامی اور بالخصوص فن حدیث کے مراکز رہے ہیں۔

بعض حضرات کو حضرت عائشہؓ کی اس راویت سے کہ نبی ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے،(۴) یہ شبہ ہوا کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہے۔

(۱) ملاحظہ ہو: مصنف ابن ابی شیبہ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة: و اثار السنن : ۲/۵۵

(۲) ترمذی : ۸۰۶ باب ماجاء فی قیام شھر رمضان

(۳) ترمذی حوالہ سابق

(۴) بخاری: باب فضل من قام رمضان :۲۰۱۳

حالاں کہ اس روایت کو نہ ہی تعداد رکعات کے معاملہ میں قانون کلی قرار دیا جا سکتا ہے، نہ ہی تراویح وغیر تراویح (تہجد) میں اس کے عموم کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے شب میں آٹھ رکعات سے کم وبیش (چار۔ چھ۔ دس) (۱) بلکہ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق، دن رات کی فرض رکعات کے بقدر ۱۷ رکعتیں (۲) پڑھنا نیز رمضان المبارک میں عبادت وریاضت (۳) دعا اور نمازوں کی کثرت کر دینا (۴) صحیح ومستند روایات سے ثابت ہے، ایسی صورت میں حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا خلاف انصاف ہوگا کہ آنحضرت ﷺ شب میں آٹھ رکعات ہی پڑھا کرتے تھے اور یہ نماز نمازِ تراویح ہوا کرتی تھی، صحیح بات یہ ہے کہ روایات کے مجموعہ سے حدیث مذکور کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ عموماً نبی ﷺ شب کو آٹھ سے زیادہ رکعات نہیں پڑھا کرتے تھے اور یہ معمول نماز تہجد کا تھا، باقی رمضان المبارک میں آنحضرت ﷺ (علاوہ نماز تہجد کے) نمازوں کی کثرت فرما دیا کرتے تھے، جن کی تعداد بشکل تراویح ۲۰/رکعات ہوا کرتی تھی، اور یہ معاملہ رمضان کے ساتھ خاص ہوا کرتا تھا، واللہ اعلم۔

فائدہ: نماز تراویح میں ہر چار رکعت پر ترویحہ کرنا (یعنی بقدر چار رکعت راحت وآرام سے بیٹھنا) مستحب ہے، ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحہ کے ساتھ۔ ۲۰/رکعت پڑھائے۔ (۵)

---

(۱) ابو داود تحقیق الالبانی : باب فی صلاۃ اللیل : ۱۳۶۴ . صحیح

(۲) التلخیص الحبیر : ۱۴/۲ باب صلوۃ التطوع

(۳) مسلم : باب الاجتھاد فی العشر الاواخر من رمضان : ۲۸۴۴.

(۴) بیھقی شعب الایمان : باب فضائل شھر رمضان : ۳۶۲۴

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ : کم یصلی فی رمضان من رکعۃ : ۷۷۶۳. سند کے ایک راوی غیر معروف ھیں . اثار السنن : ۵۷/۲

فائدہ: نماز تراویح میں کم از کم ایک قرآن ختم کرنا سنت ہے

ثعلبہ ابن ابی مالک ؓ کہتے ہیں کہ رمضان میں کسی رات رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، کسی نے جواب میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں (یعنی مکمل قرآن یہ معنی نہیں کہ ان کو اتنا قرآن بھی نہیں آتا جس سے وہ از خود نماز پڑھ سکیں کہ یہ حضرات صحابہ کی شان سے نہایت بعید ہے) اور ابی ابن کعب ؓ قرآن پڑھ رہے ہیں اور لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں نے بہت خوب کیا اور بہت ٹھیک کام کیا اور آپ ﷺ نے کوئی ناپسندیدگی ظاہر نہیں فرمائی۔(۱) معلوم ہوا کہ تراویح میں ایک ختم قرآن کرنا منشأ نبوی ﷺ بھی ہے۔

---

(۱) معرفة السنن والآثار للبیهقی : باب قیام رمضان: ۱۴۴۱ : سندجید ہے اثار السنن: ۲/۴۹.۵۰
اعلاء السنن : ۷/۷۴

فوت شدہ نمازوں کی قضا کا بیان

قضا نمازوں کی ادائیگی انسان کے ذمہ ضروری ہے ورنہ وہ اس کے ذمہ رہ جائیں گی، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آجائے پڑھ لے، یہی اس کا کفارہ ہے (ارشاد ربانی ہے) اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ (سورۃ طہٰ:۱۴) (۱)

ایک موقع پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کا قرض پابجائی کا زیادہ مستحق ہے۔ (۲)

قضا اور ادا نماز کے درمیان ترتیب:

کسی کی کوئی نماز فوت ہوگئی ہو یا چند نمازیں فوت ہوگئی ہوں تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ پہلے فوت شدہ نماز کی قضا کرے پھر وقتیہ نماز پڑھے نیز متعدد نمازوں کے فوت ہونے کی صورت میں یہ بھی ضروری ہے کہ بالترتیب ان کی قضا کرے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن، کفار ومشرکین کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ: میں نماز عصر نہیں پڑھ سکا، یہاں تک کہ آفتاب بھی غروب ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم بخدا میں بھی نماز عصر نہیں پڑھ سکا پھر ہم وادیٔ بطحان آئے، آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور ہم نے بھی پھر غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ نے عصر پہلے پڑھی پھر مغرب۔ (۳) حالاں کہ مغرب کی نماز میں کسی قدر تاخیر کرنے کو بھی، آنحضرت ﷺ نے کبھی گوارا نہ فرمایا، یہاں اس موقع سے جب نماز عصر کی قضا کی خاطر اس میں تاخیر گوار کی

---

(۱) بخاری : باب من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها : ۵۹۷

(۲) بخاری : باب الحج والنذور عن الميت : ۱۸۵۲

(۳) بخاری : باب قضاء الصلوات الأولى فالأولى : ۵۹۸

گئی تو معلوم ہوا کہ فوت شدہ اور وقتیہ نماز میں ترتیب قائم رکھنا ضروری ہے، ارشاد نبوی ہے: تم ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتا دیکھتے ہو۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں خندق کے دن مشرکین نے آنحضرت ﷺ کو چار نمازوں کے پڑھنے سے روک دیا، بعدازاں آپ ﷺ کو فرصت ملی تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان واقامت کہنے کا حکم فرمایا اور نماز ظہر پڑھی پھر حضرت بلالؓ نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز عصر پڑھی پھر حضرت بلالؓ نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز مغرب پڑھی پھر حضرت بلالؓ نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز عشاء پڑھی، (۲) معلوم ہوا کہ قضا نمازوں کو ترتیب وار پڑھنا ضروری ہے۔

قضا اور ادا نمازوں کے درمیان ترتیب کا ضروری ہونا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو بھول کر امام کے ساتھ، وقتیہ نماز میں شریک ہوگیا پھر دوران نماز اسے اپنی فوت شدہ نماز یاد آئی ہو، یہ فرمایا کہ وہ امام کے ساتھ نماز مکمل کرلے پھر اپنی بھولی ہوئی قضا نماز پڑھے پھر امام کے ساتھ پڑھی گئی وقتیہ نماز کا اعادہ کرلے ۔(۳) ہاں تین اعذار سے یہ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے:

(الف) بالکل بھول گیا کہ ذمہ میں قضا نماز باقی ہے، تاآنکہ وقتیہ نماز پڑھ کر فارغ ہو چکا، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: قضا نماز اس وقت پڑھ لے جب یاد آئے، (۴) جب یاد نہیں آیا اور وقتیہ نماز پڑھ لی تو وہ معذور ہے۔

---

(۱) صحيح ابن حبان تحقيق شعيب الأرنؤوط : باب الأذان : ۱۶۵۸ – صحيح

(۲) نسائي تحقيق الالباني : باب الاجتزاء لذلك كله بأذان واحد والإقامة لكل واحدة منهما : ۶۶۲ – صحيح لغيره

(۳) الاوسط للطبراني : ۵۱۳۲ – رجاله ثقات : إعلاء السنن : ۷/۱۴۴

(۴) بخاري : باب من نسي صلاة : ۵۹۷

(ب) وقت اس قدر تنگ ہوگیا کہ فوت شدہ نماز پڑھ کر وقتیہ نماز پڑھی جاتی ہے تو خطرہ ہے کہ وقتیہ نماز بھی قضا ہوجائے، ارشاد ربانی ہے: بلاشبہ نماز مسلمانوں کے ذمہ ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے، (۱) جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کو وقت سے ٹالا نہ جائے اور احادیث کی تعلیم یہ ہے کہ وقتیہ نماز سے پہلے فوت شدہ نماز پڑھی جائے، دونوں باتوں کو مدنظر رکھنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فوت شدہ نماز کو وقتیہ نماز سے مقدم رکھنا اس صورت میں ہے جب کہ اس کی وجہ سے وقتیہ نماز قضا نہ ہو۔ (۲)

(ج) جب فوت شدہ نمازیں چھ یا اس سے زیادہ ہوگئی ہوں کہ اس صورت میں بجائے وقتیہ نماز پڑھنے کے انسان اگر فوت شدہ نمازوں کی قضا میں لگ جاتا ہے تو وقتیہ نماز خطرہ میں پڑسکتی ہے، جس کا نامناسب ہونا قبل ازیں ثابت ہو چکا ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۱۰۳

(۲) البحر الرائق: ۲/۸۸

سجدہ سہو کا بیان

سجدہ سہو کا طریقہ:

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ ایک جانب سلام پھیر کر دو سجدے کرے، دوبارہ تشہد پڑھے پھر دونوں جانب سلام پھیر کر نماز ختم کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک موقع پر نماز کی رکعات میں سہو ہوا، صحابہ کرام نے اس جانب توجہ دلائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر دو سجدے فرمائے، (دوبارہ تشہد پڑھا)، پھر سلام پھیرا (۱) بخاری کی روایت میں بھی سجدہ سہو کے اسی طریقہ کی تعلیم کی گئی کہ سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے۔ (۲) نسائی کی روایت میں بھی بصراحت سجدۂ سہو کے لئے الگ سلام اور ختم نماز کے لئے الگ سلام کا ذکر موجود ہے۔ (۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو لاحق ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام پھیر کر) (۴) دو سجدے فرمائے پھر تشہد پڑھا پھر سلام پھیرا۔ (۵)

---

(۱) مسلم : باب السهو في الصلاة : ۱۳۱۶

(۲) بخاری : باب التوجه نحو القبلة حيث كان : ۴۰۱

(۳) نسائی تحقيق البانی : السلام بعد سجدتي السهو : ۱۳۳۰ – حسن صحيح

(۴) مسلم : باب السهو في الصلاة : ۱۳۱۶

(۵) ترمذی : باب ما جاء في التشهد في سجدتي السهو : ۳۹۵ – حسن امام ترمذی، مستدرک حاکم مع تعليقات الذهبي : كتاب السهو : ۱۲۰۷ . صحيح

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے، جو آدمی قعدہ کی جگہ قیام یا قیام کی جگہ قعدہ کر دے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے پھر اخیر میں سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے، تشہد پڑھے پھر سلام پھیرے۔(۱) ☆

سجدۂ سہو کا وجوب امام کے سہو سے نہ کہ مقتدی کے سہو سے:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا مقتدی پر سہو نہیں ہوتا بلکہ سہو اگر امام سے ہو تو سجدۂ سہو کا لزوم اس پر بھی ہوگا اور مقتدی پر بھی اور اگر سہو مقتدی سے ہوا تو وہ سہو معتبر نہیں، امام اس کے لئے کافی ہے۔(۲)

قعدۂ اولی سے سہو:

قعدۂ اولی کو کوئی بھول جائے تو حکم یہ ہے کہ اگر وہ قیام کے نزدیک ہو چکا ہے تو قعدۂ اولی کی جانب نہ لوٹے بلکہ قیام ہی کو جاری رکھے اور ختم نماز پر سجدہ سہو کرے اور اگر قعدہ ہی کے قریب ہے تو قعدہ اولی کی جانب لوٹ آئے اس صورت میں اس پر سجدہ سہو نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، جس میں (بھولے سے) دو رکعت پر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے آپ ﷺ (کو آگاہ کرنے) کے لئے تسبیح کہی مگر آپ ﷺ نے اپنی نماز جاری رکھی، (واپس نہیں لوٹے) پھر آپ ﷺ نماز مکمل کر چکے تو سجدہ سہو فرمایا پھر سلام پھیرا۔(۳)

---

(۱)المدونة الکبری : ۱/۱۳۶ . ۲۲۰ : حسن جید : اعلاء السنن ۷/۱۶۴

☆ فائدہ: بعض روایات میں سجدہ سہو کا سلام سے قبل ہونا بھی مذکور ہے لیکن سابقہ روایات کی روشنی میں اس سلام سے مراد ختم نماز کا سلام ہے یا دونوں جانب کا سلام مراد ہے یعنی سجدۂ سہو ختم نماز کے سلام سے قبل صرف ایک جانب سلام پھیر کر کیا جاتا ہے (اعلاء السنن: ۷/۱۵۳۔۱۶۶)

(۲)سنن دار قطنی :باب لیس علی المقتدی سهو : ۱۴۲۹ – حسن مجموعی اعتبار سے : إعلاء السنن : ۷/۱۶۸

(۳)مسند بزار بحوالۂ مجمع الزوائد :باب السهو في الصلاة : ۲۹۱۵ –رجاله ثقات

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور قعدہ کی جگہ کھڑے ہو جائے تو اگر مکمل کھڑا نہیں ہوا ہے (بلکہ قعدہ کے قریب ہی ہے) تو بیٹھ جائے اور اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے، اور اگر سیدھے کھڑے ہو گیا ہے تو اپنی نماز جاری رکھے پھر (ختم نماز پر) بیٹھ کر دو سجدے کرلے۔(۱)

قعدہ اخیرہ سے سہو:

قعدہ اخیرہ سے سہو واقع ہو گیا مثلاً نماز ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت پر بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو گیا تو مسئلہ یہ ہے کہ جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے، قعدہ اخیرہ کی طرف واپس لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر قعدۂ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت مکمل کرلی تو اس کی فرض نماز باطل ہو گئی، از سر نو نماز پڑھنا ہوگا۔

یحیی بن سعید کہتے ہے کہ: حضرت انسؓ نے سفر کے دوران ساتھیوں کو نماز (عصر) پڑھائی (دوسری رکعت میں) دو سجدے کرنے کے بعد، کھڑے ہونے کے قریب ہو گئے، اس پر بعض ساتھیوں نے تسبیح کہی تو حضرت انسؓ واپس قعدہ کی جانب لوٹ گئے پھر نماز مکمل کر کے دو سجدے (سہو کے) فرمائے۔(۲)

نبی ﷺ کا رشاد گرامی ہے: جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں (تعداد رکعات میں) شک واقع ہو جائے تو شک کو خاطر میں نہ لائے اور یقین پر اعتماد کرے، (مثلاً تیسری یا چوتھی رکعت ہونے میں شک ہو گیا تو تیسری رکعت مانے) پھر جب یقین کے ساتھ نماز مکمل کرلے تو دو سجدے سہو کے کرے، اس صورت میں اگر واقع میں اس کی نماز مکمل ہو چکی ہو تو یہ ایک رکعت اور دو سجدہ سہو نفل کے کھاتے میں ہوں گے اور

(۱) طحاوی : باب سجود السهو في الصلاة : ۲۵۶۲ : صحيح : إعلاء السنن : ۱۷۲/۷

(۲) موطا محمد : باب السهو في الصلاة : ۱۴۳ : صحيح : إعلاء السنن : ۱۶۹/۷

اگر واقع میں ایک رکعت فرض نماز کی رہ گئی ہو تو یہ ایک رکعت اس کی نماز کی تکمیل کرے گی اور دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنیوالے ہو جائیں گے۔(۱)

یہاں اس روایت میں، زائد رکعت کو (جب کہ واقع میں نماز مکمل ہو چکی ہو) نفل قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ پانچویں رکعت مکمل ہونے کے ساتھ ہی آدمی ایک نماز سے دوسری نماز میں منتقل ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے ایک نماز کے نقصان کی تلافی، دوسری نماز میں نہیں کی جا سکتی، پس اگر کسی نے قعدہ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت کو ملایا ہے تو چوں کہ ایک رکن فرض نماز کا اس کے ذمہ باقی رہ گیا ہے، جس کی تلافی، اس زائد رکعت میں نہیں ہو سکتی، اس لئے اس صورت میں اس کی فرض نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں، ہاں اگر قعدۂ اخیرہ کئے ہوئے ہوتا تو اس زائد رکعت کے ملانے سے اس کی فرض نماز میں فساد پیدا نہ ہوتا؛(۲) چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے مسافر کے بارے میں منقول ہے کہ اگر وہ دو رکعت پڑھنے کے بجائے (بے قعدہ کئے) چار رکعت پڑھ لے تو نماز کا اعادہ کرے۔(۳)

سجدۂ سہو کو واجب کرنے والے امور:

بھول کر کسی واجب کو ترک کرنے یا کسی واجب یا فرض کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، مثلاً قعدۂ اولی یا تشہد کو بھولے سے ترک کر دیا یا جہری نمازوں میں سراً قرأت کر دیا یا اس کے برعکس، یا شک پیدا ہو گیا کہ سجدۂ اولی کیا بھی ہے یا نہیں، جس کی بنا پر ایک سجدہ زائد کر لیا تو ان ساری صورتوں میں ختم نماز پر سجدۂ سہو کرے۔

---

(۱)ابوداؤد تحقیق الالبانی : باب إذا شک في الثنتين والثلاث من قال يُلقي الشک : ۱۰۲۶ – حسن صحيح

(۲)بدائع الصنائع: ۲/ ۲۹۹

(۳)طبرانی کبیر : ۹۳۴۸ : صحيح : إعلاء السنن : ۳۰۵/۷

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی کو اپنی نماز میں کوئی بھول چوک واقع ہو جائے تو وہ ان دو سجدوں کی طرح سجدۂ سہو کرے۔(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی (اپنی نماز میں) کوئی کمی بیشی کر دے تو دو سجدے کرے۔(۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ کوئی آدمی، جہری نمازوں میں سراً قرأت کرے یا سری نمازوں میں جہری قرأت کرے تو سجدۂ سہو کرے۔(۳)

البتہ ایک آدھ ایت جہراً یا سراً پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا کہ اس میں حرج ہے، حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ پڑھا کرتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے اور کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے۔(۴)

اسی طرح اذکار و اوراد کو بآواز بلند پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز میں ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہا تو کسی صاحب نے (مقتدیوں میں سے) بآواز بلند یہ کلمات کہے: ''رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ'' نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کو نہ اعادہ کا حکم دیا نہ سجدۂ سہو کا بلکہ ان کی اس پر تعریف وتوصیف فرمائی۔(۵)

---

(۱)نسائی : باب ما یفعل من نسي شیئا من صلاته : ۱۲۶۰ – سند جید : الجوهر النقی : ۲/۳۳۴ – باب سجود السهو

(۲)مسلم : باب السهو في الصلاة : ۱۳۱۴

(۳)المدونة الكبرى: ۱/۳۶۳

(۴)مسلم : باب القراء ة في الظهر : ۱۰۴۰ – ۱۰۴۱

(۵)مسلم : باب فضل اللهم ربنا لک الحمد : ۷۹۹

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر نماز میں "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلاَ اِلٰهَ غَیْرُکَ" بلند آواز سے پڑھا، تاہم سجدۂ سہو وغیرہ نہیں کیا۔(۱)

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ جس آدمی کو سجدۂ اولی میں یا تشہد وغیرہ میں شک واقع ہو جائے تو وہ اس جزء کی قضا کرلے جس میں شک ہوا تھا پھر اخیر میں اس کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے نیز فرمایا: میرے نزدیک ایک سجدۂ سہو کو ترک کرنے کے مقابلہ میں غیر لازمی جگہ سجدۂ سہو کر لینا پسندیدہ ہے۔(۲)

تعداد رکعات میں شک:

کسی کو نماز کی رکعات کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے کہ تین پڑھی ہے یا چار، تو حکم یہ ہے کہ اگر یہ صورت، پہلی بار یا کبھی کبھار پیش آتی ہے تو نماز کو دوبارہ پڑھے اور اگر یہ صورت بار بار پیش آتی ہے تو گمان غالب پر عمل کرے، جب کہ گمان غالب قائم کرسکتا ہو اور اگر گمان غالب قائم کرنے کے موقف میں نہ ہو تو یقین پر عمل کرے، یعنی کم رکعات مانتے ہوئے نماز پوری کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں، بعض احادیث میں ہے کہ تعداد رکعات میں شک واقع ہو جائے تو نماز کا اعادہ کرے۔(۳)

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبه :باب فیما یفتتح به الصلاة : ۲۴۰۲ – ۲۴۰۳ – صحیح ثابت عن عمر رضی الله عنه : محمد عوامه

(۲)کتاب الآثار: امام محمد :باب السهو في الصلاة : ۱۷۰ – صحیح

(۳)طبرانی کبیر : ۲۰۵۹۰ : مجمع الزوائد : باب السهو في الصلاة : ۲۹۲۳ – حسن : باعتبار مجموعی : إعلاء السنن : ۱۷۶/۷

اور بعض احادیث میں ہے کہ اس صورت میں درست اندازہ قائم کر کے نماز پوری کرے(۱)
اور بعض احادیث میں ہے کہ اس صورت میں یقین پر عمل کرے۔(۲)

فقہاء احناف کا طرز اجتہاد چوں کہ شروع ہی سے مجموعی احادیث پر عمل کرنے کا ہے اس لئے انہوں نے پہلی قسم کی احادیث کو پہلی صورت پر دوسری قسم کی احادیث کو دوسری صورت اور تیسری قسم کی احادیث کو تیسری صورت پر محمول کیا ہے۔

---

(۱) مسلم : باب السهو في الصلاة : ۱۳۰۰ - ۱۳۰۲ ، ترمذی : باب الرجل يصلی فيشک : ۳۹۸ - حسن صحيح : امام ترمذی

(۲) حوالہ سابق

بیمار کی نماز کا بیان

جو شخص بیماری کی وجہ سے کھڑے ہونے پر قادر نہیں، نہ خود سے، نہ کسی سہارے سے، تو وہ بیٹھ کر رکوع سجدہ کرے، رکوع کے لئے کم اشارہ کرے اور سجدہ کے لئے اس کے مقابلہ میں زیادہ، اس پر بھی قادر نہیں تو چت لیٹ کر (اس طور پر کہ سر کے نیچے تکیہ ہو اور چہرہ اور پیر قبلہ رخ ہوں) یا سیدھی کروٹ پر (اس طریقے سے کہ چہرہ قبلہ کی جانب ہو) نماز پڑھے، اس پر بھی قادر نہیں، تو نماز اس سے ملتوی ہو جائے گی، پھر اگر یہ بے بسی ایک دن رات سے کم تک رہی تو طاقت حاصل ہونے پر اس حالت کی نمازوں کی قضا ضروری ہے ہاں اگر اس بے بسی کی حالت میں موت ہوگئی اور طاقت بالکل نصیب نہیں ہوئی تو یہ نمازیں اس کے ذمہ لازم نہیں، ان کے فدیہ کی وصیت کرنا بھی اس پر ضروری نہیں ہے، اور اگر اشارہ سے بے بسی کی حالت، ایک دن رات سے زیادہ تک رہی خواہ ہوش حواس برقرار ہوں تو اس حالت کی نماز اس سے ساقط و معاف ہیں، قدرت حاصل ہونے پر بھی ان کی قضا اس کے ذمہ ضروری نہیں۔(۱)

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے: مجھے بواسیر کی بیماری تھی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو کروٹ لیٹ کر نماز پڑھو۔(۲)

حضرت ابن عمرؓ نے (بیٹھنے سے معذور آدمی کی نماز کا عمومی طریقہ یہ) بیان فرمایا کہ بیمار آدمی چت لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے دونوں قدم قبلہ کی جانب ہوں۔(۳)

(۱)شامی: ۱/ ۵۶۲

(۲)بخاری شریف: ۱۱۱۷ باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب

(۳)سنن دار قطنی :باب صلاۃ المریض: ۱۷۲۶. رجاله ثقات: اعلاء السنن:۲۹۶/۷

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیمار آدمی بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن اگر اسے دشواری ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس میں بھی دشواری ہو تو سر کے اشارہ کے ذریعہ نماز پڑھے پھر اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو تسبیح پڑھ لے (نماز اس سے ملتوی ہوگئی) (۱)

حضرت ام قیس بنت محصنؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سن رسیدہ اور بھاری بھر کم ہو گئے تو اپنی نماز گاہ میں ایک ستون بنالیا جس پر آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے (۲) معلوم ہوا کہ سہارے کے ذریعہ کھڑے ہو سکنا بھی قیام پر قدرت کے حکم میں ہے۔ (۳)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مریض کی عیادت فرمائی، میں بھی ہمراہ تھا، آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور تکیہ (اونچا کر کے اس) پر سجدہ کر رہا ہے تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم زمین پر سجدہ کر سکتے ہو تو کرو ورنہ تو اشارہ سے نماز پڑھو اور سجدہ کے اشارہ کو رکوع کے اشارہ سے پست رکھو (۴)

فائدہ: بے ہوشی ایک دن رات یا اس سے کم تک رہی تو اس دوران فوت ہوئی نمازوں کی قضا کرنا ضروری ہے، اور اگر ایک دن رات سے زیادہ بے ہوشی طاری رہی تو قضا نہیں ہے، نماز معاف ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دن ایک رات بے ہوش آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے گا (۵) اور اگر ایک دن رات سے زیادہ بے ہوشی طاری رہی تو قضا نہیں کرے گا۔ (۶)

---

(۱) طبرانی اوسط: ۳۹۹۷. حسن : اعلاء السنن : ۱۹۸/۷

(۲) ابو داؤد تحقیق الالبانی باب الرجل یعتمد فی الصلوۃ علی عصا: ۹۴۹ صحیح

(۳) (بذل المجھود : ۱۰۹/۲)

(۴) مسند ابو یعلی : ۱۸۱۱ . کشف الاستار عن زوائد البزار : ۲۲۴/۱ صحیح:مجمع الزوائد : باب صلاۃ المریض : ۲۸۹۴

(۵) کتاب الآثار امام محمد باب صلاۃ المغمی علیه : ۱۶۹ صحیح : اعلاء السنن : ۲۱۹/۷

(۶) کتاب الآثار لابی یوسف : ۲۸۲ . وسندہ کسند الحدیث السابق

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے اس بیمار کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا جس پر بے ہوشی طاری ہوگئی ہو جس کی بنا پر وہ نماز چھوڑ دیتا ہے؟ حضرت نے جواب دیا: اگر یہ ایک دن کی بات ہے تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اس دوران فوت ہوئی نمازوں کی قضا کرلے اور اگر ایک دن سے زیادہ کا معاملہ ہو تو وہ انشاءاللہ معذور سمجھا جائے گا۔(۱)

کشتی میں نماز:

ٹھہری ہوئی کشتی میں متفقہ طور پر بے عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ کھڑے ہوکر پڑھنا ضروری ہے، حضرت عبداللہ بن ابی عتبہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوسعید الخذریؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ کے ساتھ ایک (ٹھہری ہوئی) کشتی میں تھا، ان حضرات نے کھڑے ہوکر باجماعت نماز ادا کی، حالاں کہ وہ ساحل پر اتر سکتے تھے۔(۲)

چلتی ہوئی کشتی ہو تب بھی احتیاط اسی میں ہے کہ بے عذر بیٹھ کر نماز نہ پڑھے، ہاں اگر عذر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کسی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میں کشتی میں کیسے نماز پڑھوں؟ ارشاد فرمایا! کھڑے ہوکر نماز پڑھو الا یہ کہ تم کو غرق ہونے کا اندیشہ ہو(۳)

حضرت سعید بن المسیبؒ و ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ: آدمی کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھے لیکن اگر اس کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر جدھر کشتی گھومے ادھر ہی قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا جائے۔(۴)

---

(۱) کتاب الاثار باب صلوۃ المغمی علیه : ۱۶۸ صحیح : اعلاء السنن : ۲۲۲/۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبه من قال صلی فی السفینة قائماً: ۶۶۲۶. صحیح :عمدۃ القاری : باب الصلوۃ علی الحصیر : ۱۰۹/۴

(۳) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبی : باب التامین : ۱۰۱۹ صحیح علامه حاکمؒ وذهبیؒ

(۴) مصنف ابن ابی شیبه : من قال صلی فی السفینة قائماً : ۶۶۳۰. ۶۶۳۳ سکت علیه المحقق . محمد عوامه

سجدۂ تلاوت کا بیان

قرآن کریم میں چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے، ان کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گیارہ سجدہ تلاوت کئے ہیں جو درج ذیل سورتوں میں ہیں (۱) اعراف (۲) رعد (۳) نحل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) حج (۷) فرقان (۸) نمل (۹) الم سجدہ (۱۰) ص (۱۱) حم سجدہ (۱) (۱۲) سورہ نجم (۲) (۱۳) سورہ انشقاق (۱۴) سورہ علق۔ (۳)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے اور رسول اللہ ﷺ آیت سجدہ کی تلاوت فرماتے تو آپ ﷺ بھی سجدہ فرماتے اور ہم تمام بھی ساتھ میں سجدہ کرتے جس کی وجہ سے اس قدر بھیڑ اور ازدحام ہو جاتا کہ سجدہ کے لئے پیشانی رکھنے کی جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ (۴) سجدہ تلاوت کی خاطر، اس قدر اہتمام وتاکید، اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے (آیت سجدہ) جو سنے اس پر سجدہ تلاوت ہے (۵) حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص آیت سجدہ سنے تو اس پر سجدہ کرنا (لازم) ہے۔ (۶)

---

(۱) ابن ماجة : باب عدد سجود القرآن: ۱۰۵۶ . الحدیث وان کا سنده ضعیفاً ولکنه تاید باجماع اهل المدینة علیه . اعلاء السنن :۷/۲۴۵.
(۲) بخاری : باب سجدة النجم : ۱۰۷۰
(۳) ابن ماجه تحقیق الالبانی : باب عدد سجود القرآن : ۱۰۵۸ : صحیح
(۴) مسلم باب سجود التلاوة :۱۳۲۴
(۵) مصنف ابن ابی شیبه : من قال السجدة علی من جلس لها ومن سمعها : ۴۲۵۲. حسن او صحیح : اعلاء السنن : ۷/۲۲۷۔
(۶) مصنف ابن ابی شیبه : من قال السجدة علی من جلس لها ومن سمعها : ۴۲۴۹. حسن : اعلاء السنن : ۷/۲۲۷

سجدہ تلاوت کا طریقہ:

سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ اٹھائے بغیر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے، نہ تشہد پڑھے نہ سلام پھیرے، سجدہ تلاوت کی ادائیگی کے لئے وضو بھی ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب ایت سجدہ پڑھتے تو اللہ اکبر کہتے پھر سجدہ کرتے (۱) سعید بن جبیرؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سجدہ تلاوت کرتے پھر اپنے سر کو اٹھاتے مگر سلام نہیں پھیرتے۔(۲) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آدمی پاکی کی حالت ہی میں سجدہ کرے۔(۳)

فائدہ: کسی نے ایک ہی ایت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھی تو اس کے لئے ایک ہی سجدہ کر لینا کافی ہے، حضرت ابو عبدالرحمٰنؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایت سجدہ پڑھتے پھر ایک دفعہ سجدہ کرتے پھر اسی مجلس میں بار بار اسے پڑھتے لیکن دوبارہ سجدہ نہ کرتے حضرت مجاہدؒ وابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی منقول ہے۔(۴)

---

(۱)ابو داؤد : باب فی الرجل یسمع السجدة : ۱۴۱۵ . وسکت عنه.

(۲) مصنف ابن ابی شیبه من کان لا یسلم فی السجدة :۴۲۰۷. سکت علیه المحقق محمد عوامه

(۳)السنن الکبری للبیهقی : باب لا یسجد الا طاهراً : ۳۹۴۰. صحیح : فتح الباری : ابواب سجود القرآن : ۲/۵۵۴

(۴) مصنف ابن ابی شیبه الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها کیف یصنع :۴۲۲۳. ۴۲۲۴. ۴۲۲۵. سکت علیها المحقق محمد عوامه

مسافر کی نماز کا بیان

سفر، ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں انسان کو استقرار وسکون حاصل نہیں رہتا، مشقت وتکلیف اس کا جزءِ لازم ہے،(۱) آدمی کے سارے معمولات، کھانے، پینے، اور سونے جاگنے کا سارا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے،(۲) یکسوئی اور جمعیت خاطر متاثر ہوجاتی ہے،سفر کی انہی تمام مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت نے نماز کے باب میں بھی مسافر کو سہولت وتخفیف دے رکھی ہے، چار رکعت والی فرض نماز، اس کے حق میں دو کردی گئیں، سنن ونوافل کا معاملہ، اس کی رائے وصوابدید پر چھوڑ دیا گیا، سفر شرعی سے واپسی تک مسافر کو یہ مراعات حاصل رہتی ہیں۔

مسافت سفر:

صبح سے دوپہر تک کے وقت میں، آدمی اوسط رفتار سے چل کر تین دن میں جتنی مسافت طے کرسکتا ہے اتنی مسافت، مسافت سفر کہلاتی ہے، عموماً ایک دن میں اوسط چال سے آدمی، صبح سے دوپہر تک میں سولہ (۱۶) میل چل سکتا ہے، اس اعتبار سے تین دن میں اڑتالیس (۴۸) میل ہوتے ہیں، یہی مسافت سفر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، خدا اور یوم اخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر اپنے باپ یا بیٹے یا شوہر یا بھائی یا اپنے محرم کے بغیر کرے۔(۳) اس حدیث میں جس مسافت کو سفر کی مسافت قرار دیا گیا ہے، وہ تین دن کی مسافت ہے۔

---

(۱)دارقطنی باب ما یقرأ فی رکعات الوتر : ۱۷۰۲. اسناده صحیح : شعیب الارنووط فی تعلیقاته علی مسند احمد :۲۲۳۱۳

(۲)مسلم باب السفر قطعة من العذاب : ۵۰۷۰

(۳)بخاری : باب فی کم یقصر الصلاة : ۱۰۸۷. مسلم : باب سفر المرأة مع محرم : ۳۳۴۲

نبی ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقرر فرمائی ہے(۱) معلوم ہوا کہ تین دن تین رات، موزوں پر مسح کی رخصت اس مسافر کے لئے ہے جو تین دن ورات کی مسافت کم از کم قطع کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ وعبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چار برید کے سفر میں، جو سولہ فرسخ کے برابر ہوتے ہیں، نماز قصر کرتے تھے اور روزے افطار کرتے تھے۔(۲)

ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اس اعتبار سے سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوتے ہیں، جن کا حساب موجودہ کیلومیٹر سے سوا ستتر (4/1-77) یا بعض اہل علم کے مطابق ۸۲ کیلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہوتے ہیں پس جس کا ارادہ اتنی مسافت طئے کرنے کا ہو وہ شرعاً مسافر ہو جاتا ہے۔

مسافر کی فرض نماز، چار کے بجائے دو رکعت:

کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی پڑھی ہے، اس لئے سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے، اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے، فجر و مغرب کی نماز میں کوئی کمی نہیں ہے۔(۳)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی، مسافر پر دو رکعت اور مقیم پر چار رکعتیں فرض فرمائی ہیں۔(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فرض نماز دو رکعت ہی ہے، اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ، مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے، واپس ہونے تک نبی ﷺ نے دو دو رکعت نماز پڑھی، سائل نے دریافت کیا کہ تم مکہ میں کتنی مدت ٹھہرے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا دس دن (۵)

---

(۱)مسلم باب التوقيت فی المسح علی الخفين: ۶۶۱

(۲)بخاری : تعليقا باب فی كم يقصر الصلاة : ۱۰۸۶

(۳)مسند احمد تحقيق الارنووط : ۲۶۲۸۲. رجاله ثقات مجمع الزوائد باب صلاة المسافر : ۲۹۳۳

(۴) مسلم باب صلاة المسافرين : ۷۰

(۵) بخاری باب ماجاء فی التقصير : ۱۰۸۱

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہا تو آپ ﷺ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ بھی کیا کرتے تھے (۱) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سفر کی نماز دو رکعت ہے جو اس طریقہ کی مخالفت کرے تو اس نے کفر کیا (۲) کسی نے بجائے دو کے چار رکعت پڑھی اور دوسری رکعت پر قعدہ بھی نہیں کیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: جس نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی تو وہ نماز کو دوبارہ پڑھے (۳)

سفر میں سنن ونوافل:

سفر کی حالت میں، سنن مؤکدہ کی تاکید میں کمی واقع ہوجاتی ہے گویا وہ سنن غیر مؤکدہ کے درجہ میں ہوجاتے ہیں البتہ نماز فجر سے قبل کی دو سنتیں یہ بدستور سنت مؤکدہ برقرار رہتی ہیں کیوں کہ فجر سے قبل کی سنتوں کی بے حد تاکید ارشاد نبوی ﷺ میں وارد ہوئی ہے، جہاں تک نوافل کی بات ہے تو یہ مکمل طور پر انسان کے اپنے ذوق وشوق پر منحصر ہے، ویسے نبی ﷺ سے بحالت سفر، ظہر کے بعد کی دو سنتیں، مغرب وعشاء کے بعد دو سنتیں پڑھنا ثابت ہے (۴) ایسے ہی رات کی نمازیں پڑھنا بھی ثابت ہے، حضرت عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دوران سفر رات کے اوقات میں سواری کی پشت پر نفل پڑھتے دیکھا ہے (۵)

(۱) بخاری باب من لم یتطوع فی السفر: ۱۱۰۲

(۲) السنن الکبری للبیھقی: باب کراھیة ترک التقصیر: ۵۶۲۴. مصنف عبد الرزاق باب الصلوة فی السفر: ۴۲۸۱. اسنادہ صحیح: المطالب العالیة: باب قصر الصلوة فی السفر: ۷۳۶

(۳) طبرانی کبیر: ۹۳۴۸. صحیح: اعلاء السنن: ۷/۳۰۵

(۴) ترمذی باب التطوع فی السفر: ۵۵۲ حسن. امام ترمذی. طحاوی باب صلاة السافر: ۲۴۱۰ حسن. اعلاء السنن: ۷/۳۳۰

(۵) مسلم باب جواز النافلة علی الدابة فی السفر: ۱۶۵۳

قصر کا آغاز کب سے کب تک؟

مسافر جب حدود شہر اور آبادی سے باہر نکل جائے تو قصر کا آغاز کر سکتا ہے اس سے پہلے نہیں، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے ظہر کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی (۱) معلوم ہوا کہ جب تک آدمی اپنے شہر میں رہے، پوری نماز پڑھتا رہے، جب شہر سے باہر نکل جائے تب قصر کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے راویت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کے ہمراہ سفر کیا ہے، یہ سارے حضرات مدینہ سے نکلنے کے بعد مدینہ واپسی تک، راستے میں اور مکہ کے قیام میں دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ (۲)

حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دفعہ بصرہ سے باہر نکلے تو ظہر کی چار رکعات ادا کی پھر فرمایا: جب ہم اس جھونپڑے سے آگے بڑھ جائیں تو دو رکعت پڑھیں گے (۳)

مسافر کب مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے؟

مسافر کسی ایک شہر میں پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو وہ اس کا وطن اقامت ہو جائے گا اور ایسا آدمی مکمل نماز پڑھے گا، قصر جائز نہیں، ہاں کسی شہر میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو قصر ہی کرتا رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں پندرہ روز ٹھہرنے اور نماز کو قصر کرتے رہے۔ (۴) حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ پندرہ دن ٹھہرنے کا عزم مصمم کر لیتے تو چار رکعت پڑھتے (۵)

---

(۱) بخاری باب یقصر اذا خرج من موضعه : ۱۰۸۹

(۲) مسند ابویعلی : ۵۸۶۲ صحیح مجمع الزوائد باب صلوة السفر : ۲۹۴۶

(۳) مصنف ابن ابی شیبه من کان یقصر الصلاة : ۸۲۵۳ . رواته ثقات . اثار السنن : ۶۴/۲

(۴) ابو داؤد باب متی یتمم المسافر : ۱۲۳۳ رواتها ثقات : فتح الباری ابواب التقصیر : ۵۶۲/۲

(۵) مصنف ابن ابی شیبه : من قال اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة اتم : ۸۳۰۱ صحیح . اثار السنن : ۶۶/۲

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کا ارشاد ہے کہ جب تم مسافر ہو اور کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہو تو اب مکمل نماز پڑھو اور اگر تم (اپنے ٹھہرنے کے بارے میں) کچھ نہ جانتے ہو تو قصر کرتے رہو۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے تو آدمی مقیم ہو جاتا ہے اور اگر اس سے کم مدت ٹھہرنے کا ارادہ ہے یا کتنا زمانہ ٹھہرنا ہے، غیر یقینی ہے تو ان دونوں صورتوں میں قصر ہی کرنا ہوگا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تبوک میں بیس دن ٹھہرے رہے اور نمازوں کا قصر کرتے رہے۔(۲) وجہ ظاہر ہے کہ جنگ کی حالت میں رکنے اور واپس ہونے کی مدت قطعی نہیں ہوتی، لہذا ایسی غیر یقینی صورتحال میں قصر کرنے ہی کا حکم ہے۔

مسافر کی نماز، مقیم کی اقتداء میں یا اس کے برعکس:

مسافر، کسی نماز کے وقت میں مقیم کی اقتداء کرے تو وہ بھی مقیم کی طرح مکمل نماز پڑھے گا اور اگر وہ امام بنے تو دو رکعت ہی پڑھائے گا، مقتدیوں میں جو مقیم ہوں وہ باقی دو رکعت، امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرلیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ منیٰ میں جب امام کے پیچھے نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب تنہا پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے (۳) فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ دو دو رکعت پڑھایا کرتے تھے اور (نماز کے بعد) فرماتے تھے، اے شہر کے لوگو! تم لوگ چار رکعت پڑھو کیوں کہ ہم مسافر لوگ ہیں۔(۴) بہتر یہ ہے کہ امام نماز کے شروع اور ختم دونوں موقع پر اپنے مسافر ہونے کا اعلان کر دے۔(۵)

---

(۱) کتاب الاثار امام محمد باب الصلوۃ فی السفر: ۱۸۷. حسن: اثار السنن: ۲/۶۶

(۲) ابو داؤد تحقیق الالبانی: باب اذا اقام بارض العدو یقصر: ۱۲۳۷. صحیح

(۳) موطا مالک باب صلاۃ المسافر اذا کان اماماً او کان وراء امام: ۳۵۱

(۴) مسند احمد: ۱۹۸۷۸ تحقیق شعیب الارنوط: اسنادہ ضعیف ولبعضہ شواھد

(۵) مراقی الفلاح: ۲۴۸

فائدہ (۱) اگر کسی انسان نے اپنی اصل جائے سکونت کو خیر باد کہہ کر کسی اور جگہ کو اپنا مستقل وطن بنالیا ہے تو اس کا سابقہ وطن باطل ہو جائے گا اور موجودہ وطن ہی اس کا اصل وطن کہلائے گا، لہذا اگر کسی ضرورت سے وہ اپنے سابقہ وطن جائے اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ تو وہاں مسافر کے حکم میں رہے گا اور قصر کرتا رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ کو اپنا مسکن بنالیا تھا پھر فتح مکہ کے موقع سے جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو اپنے کو مسافر شمار فرمایا اور قصر فرماتے رہے۔(۱)

فائدہ (۲) کسی انسان کی الگ الگ شہروں میں مستقل رہائش گاہیں ہوں، جہاں وہ اور اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو یہ دو یا زائد شہر اس کے وطن اصلی کہلائیں گے، ان شہروں میں اس کے لئے قصر کی اجازت نہیں ہوگی۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے منی میں چار رکعت پڑھی تو لوگوں نے ان پر نکیر کی، اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اے لوگوں میں جب سے آیا ہوں، یہاں اپنے اہل وعیال کر لئے ہیں، اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں شادی کرے (اہل وعیال کرے) تو وہ مقیم کی نماز پڑھے۔(۲)

فائدہ (۳) مسافر کو ایک ہی وقت میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں، البتہ ایسا کر سکتا ہے کہ ظہر کی نماز کو اخیر وقت میں اور عصر کی نماز کو اول وقت میں پڑھ لے، اسی طرح مغرب کی نماز کو موخر کر کے اخیر وقت میں پڑھے اور عشاء کی نماز اول وقت میں، اس طرح کرنا خود نبی ﷺ سے ثابت ہے، اس طریقہ کے مطابق دو نمازوں کو جمع کرنا، کہنے کو تو دو نمازوں کو جمع کرنا ہے، لیکن حقیقت میں ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھنا ہے۔

---

(۱) مسند احمد: ۱۹۸۷۸

(۲) مسند احمد: ۴۴۳، حسن: اعلاء السنن: ۳۲۸/۷

ارشادِ ربانی ہے: نماز مسلمانوں کے ذمہ ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مزدلفہ کی نمازوں کے علاوہ ہر نماز اپنے وقت پر ہی پڑھا کرتے تھے۔(۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو جب سفر کی جلدی ہوتی تو ظہر کو عصر کے اول وقت تک موخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے اور مغرب کو موخر کرتے پھر شفق غائب ہونے کے قریب مغرب وعشاء کو جمع کرتے۔ (۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سفر کے دوارن نماز ظہر کو موخر کرتے اور عصر کو اول وقت میں پڑھ لیتے اور مغرب کو موخر کرتے اور عشاء کو اول وقت میں پڑھ لیتے۔(۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت سعد بن مالکؓ۔ حضرت انسؓ وغیرہ صحابہؓ سے بھی سفر میں اسی طریقہ پر دو نمازوں کو جمع کرنا منقول ہے۔(۵)

---

(۱)سورۃ نساء : ۱۰۳

(۲)نسائی : تحقیق الالبانی : الوقت الذی یصلی فیه الصبح بمزدلفة : ۳۰۳۸.صحیح

(۳)مسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر : ۱۶۶۱

(۴)طحاوی باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو : ۹۸۵ .اسنادہ حسن : اثار السنن : ۲/۷۳

(۵)اثار السنن : ۲/ ۷۲. ۷۵

جمعہ کے آداب

جمعہ کے دن کے آداب

(۱) (افضل دن ہونے کی وجہ سے) زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنا اور گناہوں سے بچنا۔

(۲) بہ کثرت درود شریف پڑھنا۔

(۳) جمعہ کے دن ساعت مستجابہ (مقبول گھڑی) کی جستجو میں رہنا۔

(۴) جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنا۔

(۵) سورۂ کہف کی تلاوت کرنا۔

(۶) کپڑوں کا کوئی جوڑا خاص جمعہ کے دن پہننے کے لئے رکھنا۔

جمعہ کی نماز کے آداب

(۱) جمعہ کی ادائیگی میں لاپرواہی نہ کرنا۔

(۲) جمعہ کی نماز کیلئے غسل کرنا۔

(۳) مسواک کرنا۔

(۴) تیل لگانا۔

(۵) اپنے پاس موجود کپڑوں میں سے سب سے اچھے کپڑے پہننا۔

(۶) خوشبو لگانا۔

(۷) جمعہ کے دن مسجد میں جلدی جانا۔

(۸) جمعہ کی اذانِ اول کے بعد تمام کام چھوڑ کر مسجد پہنچنے کی سعی کرنا۔

(۹) ہو سکے تو جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانا۔

(۱۰) مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے کے آداب کا لحاظ کرنا

(۱۱) تحیۃ المسجد پڑھنا (اگر خطبہ شروع ہو گیا ہو تو نہ پڑھے)

(۱۲) جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ نہ لگانا۔

(۱۳) لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے نہ جانا۔

(۱۴) پہلی صف میں بیٹھنے کی کوشش کرنا۔

(۱۵) امام کے قریب بیٹھنا۔

(۱۶) کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ خود نہ بیٹھنا۔

(۱۷) دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان تفریق کر کے نہ بیٹھنا۔
(۱۸) نیند آنے پر جگہ بدل دینا (تبدیلیٔ جگہ کا کام خطبے کے دوران نہ کیا جائے)
(۱۹) خطبے کے بعد فوراً نماز شروع کر دینا۔
(۲۰) جمعہ کی نماز میں مسنون قراءت کا اہتمام کرنا۔
(۲۱) نماز کو خطبے سے طویل کرنا۔
(۲۲) جمعہ کی نماز کے بعد سنن ونوافل کی ادائیگی کے لئے جگہ بدلنا۔
(۲۳) جمعہ کی نماز کے بعد سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور معوذتین (وِرِدِضامن) پڑھنا۔
(۲۴) جمعہ کی نماز کے بعد روزی کی تلاش میں نکلنا۔

خطبے کے آداب

(۱) منبر پر چڑھنے کے بعد اذان کے ختم تک اُس پر بیٹھے رہنا۔
(۲) امام کا کھڑے ہو کر خطبہ دینا۔
(۳) دو خطبے دینا۔
(۴) حسبِ ضرورت بلند آواز سے خطبہ دینا۔
(۵) مختصر خطبہ دینا۔
(۶) خطبے کو اللہ کی حمد وثنا اور صلاۃ سے شروع کرنا۔
(۷) خطبے میں حمد وثنا اور صلاۃ کے بعد امّا بعد کہنا۔
(۸) خطبے میں قرآن کریم پڑھنا۔
(۹) خطبے میں بہ کثرت سورۂ ق پڑھنا۔
نوٹ: ہنگامی حالت میں خطبہ درمیان سے قطع کیا جا سکتا ہے۔
(۱۰) دو خطبوں کے درمیان خاموش بیٹھنا۔
(۱۱) امام کی طرف متوجہ ہونا۔
(۱۲) خاموشی سے خطبہ سننا۔
(۱۳) خطبے کے وقت گوٹ لگا کر (یعنی دو پاؤں کھڑے کر کے ہاتھوں سے باندھ کر) نہ بیٹھنا۔
(۱۴) دورانِ خطبہ بات نہ کرنا، حتیٰ کہ کسی بات کرنے والے کو اشارے سے بھی نہ روکنا۔
(۱۵) بلا وجہ حرکت نہ کرنا اور نہ کنکری، قالین، چٹائی وغیرہ سے کھلنا۔
(۱۶) خطبے کے وقت سنت یا نفل نماز نہ پڑھنا۔

نماز جمعہ کا بیان

جمعہ کے دن کو باقی ایام پر نمایاں فضیلت حاصل ہے، نبی ﷺ نے اسے بہتر ترین دن قرار دیا ہے، اسی میں ابوالبشر حضرت سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ والسلام کی تخلیق ہوئی ہے (۱) دنوں کا یہ سردار ہے، بارگاہ الٰہی میں اس کی بزرگی، عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کے دن سے بھی زیادہ ہے (۲) اس دن کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں، خصوصاً عصر بعد کی (۳) اس دن کے خاص اعمال مثلاً تلاوت سورۃ کہف (۴) درود وسلام کی کثرت (۵) صفائی وستھرائی کا اہتمام، خوشبو وتیل کا استعمال (۶) احادیث میں بیان ہوئے ہیں، رسالتمآب ﷺ، جمعہ کے دن کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے، جو آدمی پورے آداب وشرائط کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتا ہے، اس کے ایک ہفتہ کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (۷) بلکہ ایک روایت کے مطابق: مزید تین دن کے گناہوں کی معافی ہوجاتی ہے۔(۹) اس کے برخلاف جولوگ بے عذر نماز جمعہ چھوڑ دیتے ہیں، ان کے لئے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ نماز جمعہ کو ترک کرنے سے باز آجائیں، ورنہ تو اللہ تعالی ان کے دلوں پر مہر لگادے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے (۱۰) نیز ارشاد ہے: جو شخص محض سستی کی بنا پر تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگادیتے ہیں۔(۱۱)

---

(۱)مسلم باب فضل یوم الجمعة : ۲۰۱۳

(۲)مسند احمد تحقیق شعیب الارنووط : ۱۵۵۸۷، ایک راوی مختلف فیہ ہیں جس کی بناء پر سند ضعیف ہے

(۳) مسند احمد تحقیق الارنووط : ۷۶۷۴صحیح . بشواھدہ

(۴)مستدرک حاکم مع تعلیقات الذھبی : تفسیرسورۃ الکھف: ۳۳۹۲. صحیح

(۵)مسند احمد تحقیق الارنووط : : ۱۶۲۰۷ . صحیح

(۶)بخاری باب لایفرق بین اثنین یوم الجمعة ۹۱۰

(۷)بخاری باب لایفرق بین اثنین یوم الجمعة ۹۱۰

(۹)مسلم : باب فضل من استمع وانصت فی الخطبة : ۲۰۲۴

(۱۰)مسلم : باب التغلیظ فی ترک الجمعة : ۲۰۳۹

(۱۱)ابوداؤد : تحقیق الالبانی : باب التشدید فی ترک الجمعة : ۱۰۵۴. حسن صحیح

نماز جمعہ کی رکعات اور اس میں قرأت مسنونہ:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں نماز جمعہ کی دو رکعتیں ہیں۔(۱)

نبی ﷺ نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون پڑھا کرتے تھے(۲) اسی طرح: سورۃ اعلی اور سورۃ غاشیہ بھی پڑھا کرتے تھے(۳)

کن لوگوں پر جمعہ واجب ہے:

حضرت طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنا ہر مسلمان پر واجب ہے، سوائے چار لوگوں کے (۱) غلام (۲) عورت (۳) بچہ (۴) بیمار۔(۴)

بعض روایات میں، مسافر اور اہل دیہات کا استثناء بھی وارد ہوا ہے۔(۵)

تاہم اگر یہ حضرات نماز جمعہ پڑھ لیتے ہیں تو ان کی نماز جمعہ معتبر ہو جاتی ہے اور ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی (۶)

فائدہ (۱) وہ لوگ جن پر جمعہ واجب نہیں یا جن کی نماز جمعہ فوت ہوگئی ہو، وہ جمعہ کے روز نماز ظہر بے جماعت کے پڑھ لیں، جماعت نہ بنائیں۔

---

(۱) نسائی تحقیق الالبانی : عدد صلاۃ الجمعۃ : ۱۴۲۰ . صحیح .

(۲) نسائی تحقیق الالبانی : القرأۃ فی صلاۃ الجمعۃ . ۱۴۲۱ . صحیح .

(۳) نسائی تحقیق الالبانی : . القرأۃ فی صلاۃ الجمعۃ . ۱۴۲۲ . صحیح

(۴) ابوداؤد : تحقیق الالبانی باب الجمعۃ للملوک والمرأۃ : ۱۰۶۹ . صحیح

(۵) طبرانی اوسط : ۲۰۲ . ایک راوی کو امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ھے . مجمع الزوائد : باب فرض الجمعۃ : ۳۰۳۳

(۶) طبرانی کبیر : ۱۰۲۹۶ . صحیح . اعلاء السنن : ۷۸/۸

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کے روز سوائے امام کے ساتھ جماعت کرنے کے کوئی اور جماعت نہیں ہے۔(۱) حضرت علیؓ ہی سے مروی ہے کہ ایسی جگہ جہاں کے لوگوں پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے وہاں لوگ ظہر کی جماعت نہ بنائیں۔(۲)

فائدہ(۲) وہ لوگ جن پر جمعہ واجب ہے، وہ اگر کسی ضرورت سے زوال سے پہلے ہی سفر پر یا شہر سے باہر جانا چاہتے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں زوال کے بعد بے جمعہ پڑھے سفر پر یا بیرون شہر چلے جانا سخت مکروہ ہے۔

اسود بن قیسؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو آمادۂ سفر ہے لیکن جمعہ کا دن تھا تو اس نے یوں کہا کہ آج جمعہ کا دن ہے اگر یہ نہ ہوتا تو میں سفر پر چلا جاتا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: جمعہ کسی مسافر کو سفر سے نہیں روکتا۔(۳) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے روز (بعد زوال) سفر کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے بددعا کرتے ہیں کہ اس کو سفر میں کوئی رفیق نہ ملے(۴)

فائدہ:۳) کسی آدمی کو جمعہ کی ایک رکعت ہی ملی یا صرف تشہد ملا تو اسے بھی جمعہ مل گیا لہذا وہ نماز جمعہ ہی مکمل کرے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسے نماز جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت ملی تو وہ ایک اور رکعت ملا لے اور اس کی نماز مکمل ہوگئی۔(۵) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: جسے تشہد مل گیا اسے وہ نماز مل گئی۔(۶)

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبہ :فی القوم یجمعون یوم الجمعة اذا لم یشهدوها : ۵۴۴۱. حسن : اعلاء السنن :۷۹/۸

(۲)کنز العمال : فصل فی احکام الجمعة : ۲۳۳۰۹. قوی : اعلاء السنن : ۷۹/۸

(۳)مصنف عبد الرزاق : کنز العمال باب السفر یوم الجمعة : ۵۵۳۷ . رجاله ثقات :اعلاء السنن :۷۹/۸

(۴)کنز العمال : کتاب السفر ۱۷۵۴۰ .حسن: اعلاء السنن :۷۹/۸

(۵)ابن ماجه : تحقیق الالبانی : باب ماجاء فیمن ادرک من الجمعة رکعة :۱۱۲۳ : صحیح

(۶)مصنف ابن ابی شیبه : فیما یکتب للرجل من التضعیف اذا ارادالصلاة :۴۱۸۸. متاید بحدیث صحیح : الجوهر النقی :۲۰۴/۳

نماز جمعہ کے شرائط

نماز جمعہ جیسے ہر آدمی پر فرض نہیں ہے، ایسے ہی ہر جگہ بھی نماز جمعہ صحیح نہیں ہوتی، اس کی چند شرطیں ہیں:

(۱) شہر ہونا

جمعہ کے درست ہونے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ جس جگہ جمعہ پڑھا جا رہا ہے وہ شہر ہو، یا شہر کے حکم میں ہو جیسے قصبہ اور بڑا گاؤں، یعنی ایسی جگہ ہو جہاں ضروریات زندگی کی بسہولت تکمیل ہوتی ہو اور جہاں محکمہ قضا وافتاء موجود ہو۔(۱) حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں قریہ جامعہ (بڑا گاؤں) وہ بستی کہلاتی ہے جہاں حاکم وقاضی ہو، جماعت قائم ہوتی ہو، ایک دوسرے سے متصل مکانات وبنگلے ہوں، جیسے جدّہ شہر۔(۲)

(الف) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ اور تشریق (نماز عید الاضحیٰ) نہیں ہے مگر جامع وآباد شہر میں۔(۳) بعض لوگوں نے ناواقفیت کی بنا پر جامع شہر کے تحت، قریہ ودیہات کو بھی شامل مانا ہے؛ حالاں کہ لغت عرب کی رو سے شہر پر تو قریہ کا اطلاق ہوسکتا ہے، جیسے مکہ وطائف پر قریہ کا اطلاق خود قرآن پاک میں موجود ہے۔(۴) جواثی نامی تاریخی شہر پر بھی قریہ کا اطلاق بعض روایات میں مذکور ہے؛ (۵) لیکن دیہات پر مصر اور وہ بھی جامع کے اطلاق کی نظیر موجود نہیں ہے۔(۶)

---

(۱) "وهو الاصح عند الاكثر" تحفة الفقهاء: ۱/۱۶۲

(۲) مصنف عبد الرزاق : باب القرى الصغار : ۵۱۷۹ – سكت عليه ابن حجر : تغليق التعليق : ۲/۳۵۴

(۳) مصنف ابن ابى شيبه :من قال لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع : ۵۰۹۸ – صحيح : آثار السنن : ۲/۸۷ – سلسلة الآثار الصحيحة : ۳۴۴ – كتاب الآثار لابى يوسف مرفوعاً : باب صلاة العيدين : ۲۹۷

(۴) سورة الزخرف : ۳۱

(۵) ابوداود: تحقيق الألباني : باب الجمعة في القرى : ۱۰۷۰ – صحيح

(۶) إعلاء السنن : ۸ / ۱۰

(ب) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگ اپنے گھروں اور مدینہ کے (مشرقی سمت، جانب نجد کے) فراز علاقوں اور چڑھاؤ پر واقع محلوں سے باری باری جمعہ کے لئے آیا کرتے تھے، آتے آتے وہ غبار آلود اور پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے۔(۱)

مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے دیہات میں اگر جمعہ جائز ہوتا تو لوگوں کا باری باری مقرر کر کے اور اتنی زحمت و مشقت کر کے شہر حاضر ہونے کا کوئی مطلب نہ ہوتا، پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل دیہات پر یہ واجب نہیں کہ وہ جمعہ کی خاطر شہر حاضر ہوں؛ کیوں کہ اگر ایسی بات ہوتی تو دیہات کے تمام لوگوں کے لئے جمعہ میں حاضر ہونے کا عام حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوتا۔

(ج) حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے ایک جمع عظیم کے ساتھ میدان عرفات میں وقوف عرفہ فرمایا مگر جمعہ نہیں پڑھی بلکہ نماز ظہر ادا فرمائی، (۲) اگر جمعہ کے قائم کرنے کے لئے محض لوگوں کا اجتماع کافی ہوتا، شہر کا ہونا ضروری نہ ہوتا تو رسول اللہ عرفات کے میدان میں جمعہ ضرور پڑھتے۔

(د) حضرت حذیفہؓ نے ارشاد فرمایا: گاؤں والوں پر جمعہ نہیں، جمعہ تو شہر کے لوگوں پر ہے۔ (۳) حضرت حسن بصریؒ اور حضرت محمد بن سرینؒ سے مروی ہے کہ ان دونوں حضرات نے ارشاد فرمایا: جمعہ تو شہروں میں ہوتا ہے۔(۴)

(ہ) نبی ﷺ نے ہجرت کے موقع سے قبا کی بستی میں چودہ روز قیام فرمایا مگر وہاں جمعہ نہیں پڑھا بلکہ ارباب سیر اس پر متفق ہیں کہ مدینہ کی تاریخ میں، سب سے پہلے جمعہ کا

---

(۱)بخاری : باب من أين توتى الجمعة وعلى من تجب : ۹۰۲

(۲)مسلم : باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم : ۳۰۰۹ – التعليق الحسن : ۸۶/۲

(۱)مصنف ابن ابی شیبہ : من قال لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع : ۵۱۰۰ – ۵۱۰۱ – صحيح : إعلاء السنن : ۳۰/۸ – آثار السنن : ۸۷/۲

(۲)حوالۂ سابق

قیام بنوسالم کی بستی میں ہوا جو کچھ فاصلہ کے ساتھ مدینہ کے ہی محلوں میں کا ایک محلّہ تھا۔(۱) پھر اس کے بعد جمعہ کا قیام پورے مدینہ میں صرف مسجد نبوی ہی میں ہوتا رہا۔

(و) عہد رسالت میں عوالیٔ مدینہ، ذوالحلیفہ ،سویداء اور مکہ ومدینہ کے درمیان واقع دور دراز دیہات میں جمعہ قائم نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہاں کے لوگوں کے بارے میں عام طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ جمعہ میں شرکت کی غرض سے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، یہ صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ نہ دیہات میں جمعہ جائز ہے اور نہ ہی اہل دیہات پر یہ ضروری ہے کہ وہ جمعہ پڑھنے کے لئے شہر آیا کریں۔(۲)

امام بیہقیؒ سے مروی ہے کہ: ذوالحلیفہ کے باشندے (کبھی کبھار) مدینہ میں آکر جمعہ پڑھتے تھے اور یہ بات کہیں منقول نہیں کہ مدینہ کے قریبی دیہات میں سے کسی جگہ جمعہ کے قیام کی اجازت دی گئی ہو۔(۳) صحابہ کرامؓ نے بھی جمعہ کا قیام اور منبر کی تنصیب ،شہروں اور گنجان علاقوں میں کی ہے، نہ کہ گاؤں اور دیہات میں۔(۴)

(ز) رسالتمآب ﷺ کے زمانے میں ، ایک عرصہ تک صرف مکہ ومدینہ ہی میں جمعہ قائم کیا جاتا تھا،اس لئے قیام جمعہ کے اعتبار سے مقامات وامکنہ کی تعریف وتحدید میں یہ دونوں شہر اصل کا درجہ رکھتے ہیں، جو مقامات ،سماجی ضروریات کے لحاظ سے ان دوشہروں کے ہم مثل ہوں، ان کو مصر اور شہر کا نام دیا جائے گا، وہاں جمعہ درست ہوگی اور جو ان کے ہم مثل نہ ہوں، وہ مصر وشہر کے حکم میں داخل نہیں اور وہاں جمعہ درست نہیں۔

مدینہ منورہ کی آبادی ، وہاں کے اسباب ووسائل کا اندازہ رسالتمآب ﷺ کے مدینہ منورہ ،تشریف آوری کے منظر سے لگایا جاسکتا ہے، قبا سے رخت سفر باندھ کر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے تو انصار کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کو مہمان

(۱)بخاری شریف مع الفتح : ۲/۲۰۷، آثار السنن : ۲/ ۸۲
(۲)اعلاء السنن : ۸/ ۲۴
(۳)التلخیص الحبیر: ۲/۱۳۶. ۵۵
(۴)اعلاء السنن : ۸/۸

بنانے کا مشتاق نہ رہا ہو، ہر قبیلہ کہتا: یا رسول اللہ! میزبانی کا شرف ہمیں بخشیئے! ہمارے پاس طاقت ودولت ہے، باغات وکھیت ہیں، میٹھے پانی کے چشمے ہیں، قوت وقرابت ہے، خدارا یہاں سے قدم مبارک آگے نہ بڑھایئے! رسول پاک ﷺ ہر ایک کو اس کی اس پیش کشی پر دعاؤں اور کلمات تشکر سے نوازتے اور ارشاد فرماتے: اونٹنی کو راستہ دیدو! وہ خدائی حکم کی پابند ہے۔(۱)

مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ صرف مدینہ میں نو مساجد تھیں (قریبی دیہات کی مساجد الگ تھیں) (۲) پھر آفتاب رسالت ﷺ کے مدینہ فروکش ہونے کے بعد تو مدینہ کی رونق وبہار اور بھی کئی چند ہوگئی تھی، وہاں، سارا دیوانی، فوجداری اور عائلی نظام قائم ہو چکا تھا۔ (۳) سرزمین مکہ کا حال بھی اس سے کچھ جداگانہ نہ تھا، وہاں بھی بالآخر مادی ومعنوی وسائل کی فراوانی ہوگئی تھی، فتح مکہ کے بعد مکمل طور پر وہ اسلام کے سایہ نگین ہو چکا تھا، دربار رسالت ﷺ سے وہاں عامل مقرر ہو چکے تھے۔

غرض مکہ اور مدینہ کی تمدنی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، چھوٹے چھوٹے قریوں میں قیام جمعہ کی بات کرنا کوئی وزن نہیں رکھتا۔

(ح) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی کے بعد، پہلا جمعہ بحرین کے شہر جواثی میں واقع مسجد عبدالقیس میں ہوا ہے۔(۴)

وفد عبدالقیس کی آمد ۸ھ کی ہے جب کہ حج کی فرضیت ہوچکی تھی، حج کی فرضیت راجح قول کے مطابق ۶ھ میں ہوئی ہے اور وفد عبدالقیس کو جن تعلیمات اسلام سے واقف کروایا گیا تھا اس میں حج بیت اللہ کرنے کی تعلیم بھی دی گئی تھی اس سے قبل، بیشتر علاقے ودیہات، دامن اسلام میں آچکے تھے، لیکن ان سب میں جمعہ کے قائم کرنے کے اعتبار سے

---

(۱) خلاصة الوفاء بأخبار المصطفى : ۱ / ۹۱

(۲) مراسیل أبو داؤد ، حدیث نمبر : ۱۵

(۳) اعلاء السنن : ۸ / ۱۲ – ۱۴

(۴) بخاری : باب الجمعة في القرى والمدن : ۸۹۲

تقدم وفوقیت اہل جواثی کو حاصل ہوئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ جواثی نہ صرف عہد اسلام میں بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز شہروں میں شمار ہوتا تھا، حتیٰ کہ جاہلی شعراء کے کلام میں بھی اس شہر کی عظمت شان کا ذکر ملتا ہے، امرأالقیس نے تجارتی ساز وسامان کی کثرت کے بیان کے لئے تشبیہ کے طور پر جواثی شہر کا تذکرہ کیا ہے، دیوان امرأالقیس کے شارح تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جیسے شہر جواثی سے واپس ہونے والا بامراد لوٹتا ہے، شکار اور خرمے سے اس کی جھولیاں لبریز ہوتی ہیں، ایسے ہی ہماری جھولیوں اور تھیلیوں کا حال ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جواثی چھوٹا موٹا گاؤں نہیں بلکہ مویشیوں اور کھجوروں کے حوالے سے عظیم ترین تجارتی منڈی اور ضرب المثل معاشی مرکز تھا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جواثی کی آبادی کم وبیش چار ہزار نفر پر مشتمل تھی، جغرافیا نویس علماء کے مطابق جواثی دراصل جواثا نامی قلعہ کی طرف منسوب ہے جو بحرین کا مضبوط ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا، اس کی مضبوطی کا عالم یہ تھا کہ مرتدین کے خلاف جنگ کے دوران، یہ قلعہ مسلمانوں کی ایک محفوظ پناہ گاہ کا کام دیتا تھا،(۱) معلوم ہوا کہ جمعہ کا قیام انہی جیسے شہروں میں ہوسکتا ہے۔

(ط) بعض روایات میں، قیام جمعہ کے لئے امام یا اس کے نائب کی موجودگی ضروری قرار دی گئی ہے۔

ارشاد نبوی ہے: بلاشبہ اللہ تعالی نے تم پر جمعہ کو فرض کیا ہے، جو کوئی بے عذر، امام عادل یا ظالم کے ساتھ اسے پڑھنا ترک کردے تو اللہ اسے متحد نہ رکھے اور نہ اس کے کاموں میں برکت ہو۔(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مکہ ومدینہ کے درمیان واقع دیہات میں نماز جمعہ کے قیام کے تعلق سے پوچھا گیا تو فرمایا: جب ان پر کوئی امیر وحاکم مقرر ہو تو وہ جمعہ قائم کرے۔(۳)

(۱)التعليق الحسن : ۲ / ۸۰
(۲)طبرانی اوسط : ۱۲۶۱ – رجاله ثقات : إعلاء السنن : ۸/۴۸
(۳)السنن الکبری للبیهقي : باب العدد الذين إذا كانوا في قرية وجبت عليهم الجمعة : ۵۸۲۱ – وسكت عليه

حاکم وگورنر عموماً ایسے ہی مقام کو اپنا دارالحکومت بناتا ہے جو پورے علاقہ میں اسباب وسائل اور لوگوں کی نقل وحرکت کے اعتبار سے آباد وگنجان ہو، جہاں ضروریات زندگی کا سامان فراوانی کے ساتھ موجود ہو اور دور دراز قصبہ جات وعلاقوں کے لوگوں کو حاکم تک اپنی شکایات لے کر پہنچنے میں آسانی ہو، اگر بالفرض حاکم کا پڑاؤ کردہ مقام شروع میں ایسا نہ ہو تو اس کے قیام کے بعد چند ہی دنوں میں وہ جگہ یہ نقشہ خود بخود اختیار کر لیتی ہے۔(۳)

صحابہ کرام وتابعین عظام کے زمانے میں جہاں کہیں اقامت جمعہ کا ثبوت ملتا ہے، اس کا تعلق یا تو بڑے شہروں اور آبادیوں سے ہے یا پھر اس کے قائم کرنے والے حاکم وگورنر ہیں، متعلقہ روایات کو ملاحظہ کرنے سے یہ حقیقت بلا تکلف سامنے آتی ہے، اس لئے ہر چھوٹے بڑے دیہات میں علی الاطلاق جمعہ کے جائز ہونے پر اصرار کرنا ٹھیک نہیں۔

بعض حضرات جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے، جائے قیام کا مطلق اعتبار نہیں کرتے، ان کے یہاں جمعہ جائز ہونے کے لئے کسی خاص جگہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر خطہ زمین، حتی کہ صحراء اور ویرانے میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے، حالاں کہ جنگلات اور ویرانوں میں جمعہ کے جائز ہونے کا بالاجماع کوئی قائل نہیں کیوں کہ یہ بات مستند روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے میدان عرفات میں باوجود صحابہ کی جمعیت کثیرہ موجود ہونے کے جمعہ قائم نہیں فرمایا۔

ان حضرات کو در حقیقت سورۃ جمعہ کی آیت کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے، آیت کریمہ یہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾(۱)

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو“

ان کے مطابق آیت جمعہ میں جگہ کی کوئی تخصیص مذکور نہیں، لہذا ہر جگہ جمعہ درست

(۳) آثار السنن : ۲ / ۸۵، نیز دیکھئے : اعلاء السنن : ۸ / ۱۴ . ۱۶

(۱) سورۃ الجمعۃ: آیت : ۹

ہے خواہ قصبہ ہو، دیہات ہو ویرانہ ہو، جنگل ہو، جب کہ آیت جمعہ کو صد فیصد عموم پر رکھنا نہ ہی منشائ شریعت ہے اور نہ ہی اتنا عموم ان حضرات کو بھی تسلیم ہوسکتا ہے، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ آیت جمعہ میں کئی ایک اعتبار سے تخصیص واقع ہوئی ہے۔

(۱) نداء کے معنی صدا اور اعلان کے ہیں، خواہ کسی قسم کا ہو، تاہم سبھوں نے اس سے خاص صدا اذان مراد لیا ہے۔

(۲) صلوۃ کے تحت، جمعہ کے دن کی پانچوں نمازیں داخل ہیں، تاہم سبھوں نے خاص بوقت ظہر پڑھی جانیوالی نماز جمعہ مراد لیا ہے۔

(۳) نماز کی جانب سعی کرنے اور جمعہ کی طرف چلنے، کے عمومی حکم خداوندی کے مخاطب، بچے، بوڑھے، جوان، ادھیڑ، عورتیں، تندرست، بیمار، مقیم، مسافر وغیرہ سب ہیں؛ تاہم سبھوں نے یہاں بھی مخصوص مخاطبین مراد لئے ہیں، جب ان جہتوں سے آیت کریمہ میں تخصیص واقع ہوئی ہے، جس کا انکار خود یہ حضرات بھی نہیں کرسکتے، تو سابقہ دلائل کی روشنی میں آیت کریمہ کو جگہ و مکان کے اعتبار سے خاص مانا جاتا ہے تو اس سے کونسا آسمان ٹوٹ پڑتا ہے اور کیوں یہ بے بنیاد ہوّا کھڑا کیا جاتا ہے کہ احناف نعوذ باللہ قرآنی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ خود انہی کے اصول استدلال کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حکم خداوندی کے مخاطب شہری لوگ ہیں نہ کہ دیہاتی لوگ، وجہ اس کی یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جمعہ کی جانب لپکنے اور سعی کرنے کے حکم کو اذان جمعہ سے متعلق کیا گیا ہے کہ جب نماز کے لئے اذان کہی جائے تب جمعہ کی طرف دوڑ و اور یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں صرف وہی اذان رائج تھی جو خطیب کے روبرو ہوا کرتی تھی، ظاہر ہے ایسے وقت دوڑ کر جمعہ میں وہی شخص حاضر ہوسکتا ہے جو آس پاس کا ہو، دور دراز کے لوگوں کا ایسی صورت میں پہنچنا بالکل ناممکن ہے، معلوم ہوا کہ جمعہ پڑھنے کے مخاطب شہری لوگ ہیں، دیہاتی لوگ نہیں۔(۱)

---

(۱)اعلاء السنن : ۸ / ٦. ۲۳

الحاصل: اس پوری بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے جائز ہونے کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں مسلمان حاکم وامیر بھی موجود ہو، تاہم غیر اسلامی ممالک میں چوں کہ مسلمان حاکم وامیر کا تصور نہیں ہوسکتا، اس لئے ایسے ممالک میں ،مسلمان باتفاق اراء، جس کو اپنا بڑا وامیر تسلیم کرلیں وہ حاکم وامیر کے درجہ میں ہوجاتا ہے، اور وہاں کے شہروں میں جمعہ کا قائم کرنا، جائز ہوجاتا ہے۔(۱)

(۲) جماعت کا ہونا:

امام کے علاوہ کم ازکم تین آدمیوں کا موجود رہنا، جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے ،رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ، مدائن جیسی ہر بستی میں واجب ہے، اگر چہ اس میں صرف چار (مسلمان) افراد ہی ہوں (ماباقی غیر مسلم)۔(۲) اس روایت کے ہم معنی ایک اور ضعیف روایت بھی موجود ہے کہ: جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے اگر چہ وہاں تین (مسلمان) افراد ہی ہوں اور چوتھا ان کا امام وحاکم ہو۔(۳)

(۳) وقت ہونا:

حضرت سلمہؓ بن اکوع سے روایت ہے کہ ہم سورج کے زوال کے ساتھ ہی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے۔(۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ: سورج کے زوال کے وقت جمعہ پڑھا کرتے تھے۔(۵)

(۴) اذن عام ہونا:

جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ،اجازت عامہ کا ہونا بھی شرط ہے، جمعہ کا قیام علی الاعلان

---

(۱) فتاوی بزازیه : ۶/۱/۱۳۱، فتاوی عزیزیه : ۳۲/۱

(۲) سنن الدار قطنی : باب الجمعة علی اهل القریة : ۱۶۱۱ - ۱۶۱۲ - ۱۶۱۳ - حسن - بعضها یقوی بعضا : إعلاء السنن : ۵۳/۸

(۳) حواله سابق

(۴) مسلم : باب صلاة الجمعة حین تزول الشمس : ۲۰۲۹

(۵) بخاری : باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس : ۹۰۴

ہونا چاہئے، ہر کس و ناکس کو اس میں شامل ہونے کی اجازت رہنی چاہئے، بے وجہ کی رکاوٹ و پابندیاں جمعہ کی صحت کو متاثر کر دیتی ہیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جمعہ کی نماز کا اجمالی حکم، مکہ ہی میں بذریعہ وحی مل چکا تھا، مگر نبی پاک ﷺ کو وہاں جمعہ کے قائم کرنے پر استطاعت نہ تھی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ہجرت سے قبل ہی نبی ﷺ نے (اہل مدینہ کو) جمعہ قائم کرنے کی، اجازت دے دی تھی، جب کہ خود نبی ﷺ مکہ میں جمعہ قائم نہ کر سکتے تھے۔(۱)

مکہ میں جمعہ قائم نہ کر سکنے کی وجہ ایک ہی سامنے آتی ہے کہ وہاں علی الاعلان، اذن عام کے ساتھ جمعہ کا قیام مشکل و پرخطر تھا، ورنہ تو جمعہ کے بقیہ شرائط مثلاً شہر ہونا، وقت ہونا، جماعت ہونا، خطبہ ہونا، سب موجود تھیں، معلوم ہوا کہ اذن عام کا ہونا بھی جمعہ کے لازمی شرائط میں سے ہے۔

(۵) خطبہ کا ہونا:

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ، خطبہ درحقیقت، دو رکعتوں کے قائم مقام ہے (۲)
ایک اور روایت میں ہے کہ نماز جمعہ میں (رکعات کی) کمی خطبہ ہی کی جہ سے ہے (۳)

حضرت عمرؓ کے ان دونوں ارشادات سے خطبہ کی اہمیت وحیثیت ظاہر ہے کہ جیسے عام دنوں میں چار رکعت ظہر کے ادا کرنے ضروری ہیں، ایسے ہی جمعہ کے روز دو رکعت جمعہ اور خطبہ (جو دو رکعت کے قائم مقام ہے) کا انجام دینا بھی ضروری اور فرض ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: جمعہ کے روز ظہر کی نماز کا ساقط ہو جانا، خلاف قیاس ہے، اور خلاف قیاس حکم میں اس کے سارے حدود و قیود ملحوظ ہوتے ہیں، جمعہ کا قیام جب سے ہوا ہے، جماعت و خطبہ کے ساتھ ہی ہوا ہے، لہذا یہ دونوں چیزیں، جمعہ کے لئے ضروری اور فرض ہوئیں۔(۴)

---

(۱) التلخیص الحبیر: ۲/ ۱۳۹، الدر المنثور: ۱۴/ ۴۶۹
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: الرجل تفوتہ الخطبۃ: ۵۳۶۷ – سکت علیہ المحقق محمد عوامہ
(۳) التلخیص الحبیر: ۲/ ۶۶۵
(۴) فتح القدیر: ۲/ ۵۶

خطبہ کی سنتیں:

۱) طہارت ہونا یعنی بے وضو یا جنبی نہ ہونا۔(۴)
۲) خطبہ کا زیادہ لمبا نہ ہونا۔(۵)
۳) خطبہ کو اللہ کی حمد سے شروع کرنا۔(۶)
۴) خطبہ میں کلمۂ شہادت کا ہونا۔(۱)
۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔(۲)
۶) کھڑے ہو کر خطبہ دینا۔(۳)
۷) لوگوں کی طرف منہ کرنا۔(۴)
۸) لوگوں کو خطبہ سنانا۔(۵)
۹) وعظ ونصیحت کرنا۔(۶)
۱۰) قرآن مجید کی کوئی آیت خطبہ میں پڑھنا۔(۷)
۱۱) دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا۔(۸)
۱۲) خطبہ خاموشی سے سننا۔(۹)
۱۳) دوسرے خطبہ کو بھی حمد وثنا اور درود سے شروع کرنا۔(۱۰)

فائدہ(۱): خطیب کا منبر پر چڑھنے کے بعد سلام کرنا مشروع اور جائز ہے۔
حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف متوجہ

(۴)طبرانی اوسط : ۲۰۷۸ – ایک راوی ضعیف ہیں ، مجمع الزوائد : باب الانصات والإمام یخطب : ۳۱۳۱
(۵)مسلم : باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ : ۲۰۴۶
(۶)صحیح البخاری : باب من قال في الخطبة بعد الثناء أما بعد : ۹۲۴ – ۹۲۷
(۱)صحیح البخاری : باب من قال في الخطبة بعد الثناء أما بعد : ۹۲۴ – ۹۲۷
(۲)السنن الکبری للبیهقي : باب ما یستدل به علی وجوب ذکر النبي ﷺ في الخطبة : ۵۹۸۱ – سکت علیه
(۳)بخاری : باب الخطبة قائما : ۹۲۰
(۴)بخاری : باب یستقبل الإمام القوم : ۹۲۱
(۵)مسلم : باب تخفیف الصلاۃ والخطبة : ۲۰۴۲ – ۲۰۴۳
(۶)أبو داؤد تحقیق الألباني : باب الخطبة قائما : ۱۰۹۶ – حسن
(۷)مسلم : باب تخفیف الصلاۃ والخطبة : ۲۰۴۸
(۸)بخاری : باب القعدة بین الخطبتین : ۹۲۸
(۹)مسلم : باب فضل من استمع وانصت في الجمعة : ۲۰۲۵
(۱۰) نسائی : تحقیق الألباني : باب القراءة في الخطبة الثانیة والذکر فیها : ۱۴۱۸ – صحیح

ہوتے اور فرماتے ، السلام علیکم ، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ بھی ایسے ہی کرتے تھے ۔(۱)

فائدہ (۲): منبر رسول میں تین سیڑھیاں تھیں ۔(۲)

فائدہ (۳): خطیب کے لئے عصا لینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تاہم یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی سنت نہیں ، بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ضرور کیا ہے، مگر اس کا مقصد عصا پر ٹیک لگانا اور اس کے سہارے آرام لینا ہوتا تھا، حضرت حکمؓ فرماتے ہیں : ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمعہ میں حاضر ہوئے تو اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصا یا کمان پر ٹیک لگائے خطبہ دے رہے تھے ،(۳) پس عصا پکڑنے کو لازم وضروری سمجھنا درست نہیں ۔

جمعہ کی دو اذانیں:

خطیب کے سامنے کہی جانے والی اذان سے قبل والی اذان اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے اور اجماع صحابہ سے ثابت ہونے والے حکم کا درجہ بھی شریعت سے ثابت شدہ حکم کی طرح ہوتا ہے، اسے بھی ویسے ہی مضبوطی سے تھامنا ضروری ہے جیسے سنت رسول اللہ ﷺ کا تھامنا ضروری ہے، اس کی بے وقعتی کرنا یا اس کو بدعت کا نام دینا، کھلی گمراہی کا زینہ اور بے دینی کا پیش خیمہ ہے۔

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابو بکرؓ و عمرؓ میں اذان اول اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا پھر جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں، آبادی کی کثرت ہوگئی (اور عین اس اذان کے موقع پر تمام لوگوں کو مسجد پہنچنا مشکل ہوگیا) تو حضرت عثمانؓ نے ایک اور اذان کہنے کا حکم فرمایا چنانچہ وہ اذان، زوراء نامی مقام پر دی جاتی تھی، پھر معاملہ اسی پر ثابت و برقرار ہوگیا۔(۴)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة : الإمام إذا جلس المنبر يسلم : ۵۲۳۸ – قوی : محمد عوامه

(۲) مجمع الزوائد : باب في المنبر : ۳۰۹۹

(۳) أبوداود : تحقيق الألباني : باب الرجل يخطب على قوسٍ : ۱۰۹۸ – حسن

(۴) بخاری :باب التأذين عند الخطبة : ۹۱۶

ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ کا قیام:

بہتر تو یہ ہے کہ جمعہ صرف شہر کی جامع مسجد میں ہو، جہاں تمام اہل شہر اکٹھا ہوں کہ جمعہ کی شان اور اجتماعیت کا مظاہرہ اسی میں ہے، اسی مصلحت کی بنا پر حضرت عمرؓ نے، حضرت ابوموسی اشعریؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو دو قسم کی مساجد بنانیکا حکم فرمایا تھا، ایک تو جامع مسجد اور ایک قبیلوں کی مسجد، لیکن جب جمعہ کا دن آئے تو سب لوگ جامع مسجد کی طرف اکٹھے ہو جائیں اور جمعہ میں موجود رہیں۔(۱)

تاہم اس کے باوجود، شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے، ابواسحقؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عید کے دن، ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ ضعیف لوگوں کو مسجد میں دو رکعت (نماز عید) پڑھائے (اور خود عیدگاہ تشریف لے گئے)۔(۲) نماز عید اور نماز جمعہ کا معاملہ یکساں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ جمعہ بھی ایک سے زائد جگہوں پر پڑھا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ، حضرت علیؓ کا یہ عمل نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: بوقت ضرورت، شہر میں دو جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے، جس طرح حضرت علیؓ نے بوقت ضرورت دو جگہ عید کی نماز قائم فرمائی، یہی امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مذہب ہے، اکثر فقہاء احناف اور متاخرین شوافع کی بھی یہی رائے ہے، یہ ائمہ، حضرت علیؓ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کیوں کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں۔(۳)

جمعہ و عید اکھٹے ہو جائیں تو؟

جمعہ کی نماز کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے،(۴) احادیث کی رو سے یہ فرضیت اہل شہر پر ہے، اہل دیہات پر نہ جمعہ و عیدین فرض ہے نہ ہی ان کی خاطر شہر حاضر ہونا ضروری

---

(۱) التلخیص الحبیر : ۶۱۱
(۲) كتاب الأم : باب الجمعة والعيدين : ۱۶۷/۷ – صحيح : خلاصة الأحكام : ۲۹۰۹
(۳) منهاج السنة : ۲۰۴/۳
(۴) سورة الجمعة : آيت : ۹

ہے،اس کے باوجوداگر وہ آ کر جمعہ یا عیدین میں شریک ہوجاتے ہیں تو ان کی جانب سے یہ نمازیں ادا ہوجاتی ہیں۔

نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں دیہات سے بھی بعض لوگ جمعہ وعیدین میں آ کر شریک ہوجایا کرتے تھے،عیدین کا موقع تو بالخصوص نادر موقع ہوا کرتا ہے،سال بھر میں دو ہی دفعہ اس کی نوبت آتی ہے، اسلئے دیہاتی لوگ ذوق وشوق سے اس میں شریک ہوتے تھے۔

ایک دفعہ عہد نبوی ﷺ اور عہد عثمانی میں کسی سال عیداور جمعہ اکٹھا ہوگئے تھے بعض دیہاتی لوگ حسب روایت،سفر کی زحمت اٹھا کر نماز عید کے لئے حاضر ہوگئے تھے،نماز سے فراغت کے بعد حضرت عثمانؓ نے اعلان فرمایا کہ بے شک آج کے اس دن دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں،تو مدینہ کے چڑھاؤ پر آباد دیہات والوں میں سے جو جمعہ تک رہنا چاہے تو وہ جمعہ کا انتظار کرلے اور جو جانا چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔(۲)

نبی ﷺ سے اس موقع پر یہ ارشاد منقول ہے کہ: اس دن دو عیدین جمع ہوگئی ہیں،تو جو چاہے،اس کے لئے نماز جمعہ کی جانب سے کافی ہے(اہل دیہات میں سے)اور ہم (مدینہ والے) تو دونوں نمازیں پڑھیں گے انشاءاللہ۔(۳)

بعض حضرات نے ان ارشادات واعلانات کو ان کے اصل پس منظر سے ہٹ کر دیکھا تو ان کو گمان ہوا کہ اختیار ہر ایک کے لئے ہے خواہ وہ شہری آدمی ہو یا دیہاتی،حالاں کہ بات ایسی نہیں،اہل شہر پر تو جمعہ کا فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے پھر یہ روایات تو خود بیان کررہی ہیں کہ ان کا تعلق اہل دیہات سے ہے،ایسے میں یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ جب جمعہ اور عید اکٹھا ہوجائیں تو اہل شہر سے بھی جمعہ ساقط ہوجاتا ہے،حضرت امام شافعیؒ نے بھی ان حضرات کی غلط فہمی پر تنبیہ کی ہے۔(۱)

---

(۲)بخاری :باب ما یؤ کل من لحوم الأضاحی : ۵۵۷۲

(۳)سنن ابن ماجه تحقيق الألباني : باب ما جاء في ما إذا اجتمع العيدان في يوم : ۱۳۱۱ – صحيح

(۱) کتاب الأم : ۱/ ۲۳۹

عیدین کے آداب

(۱) عیدین کی راتوں میں عبادت کا اہتمام کرنا
(۲) مسواک کرنا
(۳) غسل کرنا
(۴) خوشبو لگانا
(۵) اچھے کپڑے پہننا
(۶) عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نفل نماز نہ پڑھنا
(۷) عیدالفطر میں نماز سے قبل کوئی میٹھی چیز کھانا
(۸) عیدالاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا
(۹) عیدگاہ میں نمازِ عید ادا کرنا
(۱۰) راستے میں تکبیر کہنا
(۱۱) عیدالفطر کی نماز تاخیر سے اور عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھنا
(۱۲) عیدین کی نماز کے لیے اذان واقامت نہ کہنا
(۱۳) عیدین کا خطبہ نماز کے بعد دینا
(۱۴) عیدین کے دن مبارکبادی دینا
(۱۵) عیدگاہ سے واپسی میں راستہ تبدیل کرنا

عیدین کی نماز کا طریقہ

نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں، ثنا پڑھیں، اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے معمولی فصل سے تین مرتبہ تکبیریں کہیں، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑتے رہیں، اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھیں، اس کے بعد فاتحہ اور سورہ ملائیں، پھر رکوع سجدہ کر کے رکعت مکمل کر لیں۔

دوسری رکعت میں اولاً فاتحہ وسورۃ پڑھنے کے بعد رکوع میں نہ جائیں؛ بلکہ تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر تین تکبیر کہیں اور درمیان میں ہاتھ نہ باندھیں، اس کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں، اور بقیہ نماز حسبِ معمول پوری کریں۔

مسئلہ: جہاں عید کی نماز واجب ہے وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

عیدین کا بیان

خوشی منانا، آراستہ پیراستہ ہونا، سال کے کسی دن کو، خوشی ومسرت کے جذبات کے اظہار کے لئے مقرر کرنا، نوع انسانی کی قدیم سنت رہی ہے، اسلام نے بھی بڑے ہی توازن واعتدال کے ساتھ، ان انسانی احساسات کی رعایت رکھی ہے، آسمانی ہدایات سے بے پرواہ ہوکر خوشی منانا، بسا اوقات آوارگی وعیاشی کا ذریعہ بن جاتی ہے، جس کی بناپر خوشیوں کا مظاہرہ کرنے والوں اور تماشائیوں، دونوں کو زحمت ونقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

مذہب اسلام میں ایسے فضول ولایعنی کاموں کا کوئی تصور نہیں، اسلام کی نظر میں عید کا دن ایسا مقدس دن ہے جس میں انسان کو خالق ومخلوق دونوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، خالق کا خیال، اس کے حضور سجدہ ریز ہوکر کے اور مخلوق کا خیال انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرکے اور خورد نوش، لباس وپوشاک، طہارت ونظافت میں خاص اہتمام کرکے اپنی خوشیوں کو دوبالا کرسکتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ سے مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہاں کے لوگوں نے سال میں دو دن کھیلنے اور تفریح کرنے کے لئے مقرر کررکھے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ دونوں دن کیسے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ جاہلیت میں ہم ان میں کھیلتے اور خوشیاں منایا کرتے تھے! اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے تمہارے لئے ان دونوں کو ان سے بہتر دو دنوں سے بدل دیا ہے، ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا: عید الاضحیٰ کا دن۔(۱)

(۱) عیدین کی راتوں میں عبادت کا اہتمام کرنا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عید کی رات اور شعبان کی

(۱) مشکوۃ: ۱۴۳۹، مستفاد: حجة الله البالغة: ۲/ ۹۹

پندرھویں شب میں عبادت کی تو اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن سب کے دل مرجائیں گے۔(۱)

(۲) مسواک کرنا

حضرت سعید بن المسیبؒ نے ارشاد فرمایا: عید کے دن مسواک کرنا سنت ہے۔(۲)

(۳) غسل کرنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ عیدین میں، (نہایت اہتمام سے) غسل فرمایا کرتے تھے۔(۳)

(۴) خوشبو لگانا

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: جمعہ کے دن اور عیدین کے دن مردوں کے لیے خوشبو لگانے کی تاکید ہے۔(۴)

(۵) اچھے کپڑے پہننا

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار سے ایک ریشمی کام والا جبہ خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اسے خرید لیجئے، تا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ عیدین اور وفود کی آمد کے موقع پر آراستہ ہوسکیں۔(۵)

معلوم ہوا کہ عید کے لئے اچھے کپڑے پہننا، زیب وزینت اختیار کرنا سنت ہے۔

(۶) عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نفل نماز نہ پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے لئے تشریف

---

(۱) معجم ابن الاعرابی ، باب الدال: ۲/ ۱۰۴۷

(۲) مصنف عبد الرزاق ، کتاب العیدین باب الاستنان :۳/ ۵۷۰۹

(۳) موطا مالک : باب العمل في غسل العیدین : ۴۳۲

(۴) جمع الوسائل ، باب فی تعطر رسول الله صلی الله علیه وسلم

(۵) بخاری :باب في العیدین والتجمل فیه : ۹۴۸

لے گئے پھر دو رکعت نماز عید ادا فرمائی، نہ اس سے پہلے کوئی (نفل) نماز پڑھی اور نہ ہی اس کے بعد۔(۱)

(۷) عید الفطر میں نماز سے قبل کوئی میٹھی چیز کھانا

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے قبل طاق عدد میں چند کھجور تناول فرمالیا کرتے تھے۔(۲)

(۸) عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ عید الفطر کے دن جب تک کھانہ لیتے عید گاہ تشریف نہ لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن جب تک ذبح نہ کرتے، کچھ تناول نہ فرماتے (۳)

(۹) عید گاہ میں نماز عید ادا کرنا

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر و عید الاضحیٰ کو عید گاہ تشریف لے جاتے اور اس دن کا اولین عمل نماز ہوا کرتا تھا۔(۴) معلوم ہوا کہ عید گاہ میں نماز پڑھنا بہتر ہے تاہم عذر ہو تو مسجد میں بھی نماز عید پڑھی جا سکتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ عید کے دن (کسی سال) بارش ہوگئی تو نبی ﷺ نے لوگوں کو نماز عید مسجد میں ہی پڑھائی (۵)

(۱۰) راستہ میں تکبیر کہنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ (نماز فجر کی ادائیگی کے بعد) عیدین کے لئے مسجد سے باہر نکلے تو عید گاہ پہنچنے تک بلکہ امام کے آنے تک تکبیر کہتے رہتے (۶)

فائدہ: عید الفطر میں آہستہ اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا چاہیے۔

(۱) أبو داؤد تحقیق الألباني : باب الصلاة بعد صلاة العيد : ۱۱۶۱ — صحیح
(۲) بخاری : باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج : ۹۵۳
(۳) ابن ماجه تحقیق الالبانی : باب الاکل یوم الفطر : ۱۷۵۶ . صحیح . دار قطنی : العیدین : ۱۷۳۴
(۴) بخاری : باب الخروج إلى المصلى بغير منبر : ۹۵۶
(۵) مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبي: کتاب صلاة العیدین : ۱۰۹۴ — صحیح : امام حاکمؒ و امام ذهبیؒ
(۶) سنن دار قطنی : العیدین : ۱۷۳۱ — صحیح : ارواء الغلیل : ۶۵۰

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں: صحابۂ کرام عیدالاضحیٰ میں عیدالفطر کے مقابلہ میں بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے۔(۱)

(۱۱)عیدالفطر کی نماز تاخیر سے اور عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھنا

حضرت ابوالحویرثؒ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو خط لکھا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھو اور عیدالفطر کی نماز کو مؤخر کرو۔(۲)

فائدہ: نماز عید کا وقت

نماز عید کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال سے پہلے تک رہتا ہے، تاہم چاشت کے وقت سے پہلے نماز عید ادا کر لینا مستحب ہے، اس سے زیادہ تاخیر اچھا نہیں۔ یزید بن خمیرؒ کہتے ہیں، ایک دفعہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن بسرؓ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عیدالاضحیٰ کے لئے (عیدگاہ کی جانب) نکلے، امام نے آنے میں تاخیر کر دی تو انہیں سخت ناگوار ہوا اور یوں فرمایا کہ ہم تو اس گھڑی نماز سے فارغ ہو جایا کرتے تھے، اور وہ چاشت کا وقت تھا۔(۳) عہد رسالت میں ایک موقع پر عیدالفطر کی اطلاع زوال کے بعد ملی تھی، لوگوں نے روزہ رکھ لیا تھا، تو آپ ﷺ نے انہیں افطار کرنے کا حکم دیا اور دوسرے دن صبح عید کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا۔(۴) معلوم ہوا کہ زوال کے بعد نماز عید نہیں پڑھی جا سکتی۔

(۱۲)عیدین کی نماز کے لیے اذان واقامت نہ کہنا

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں آپ علیہ السلام نہ عیدالفطر کے دن اذان دلواتے تھے نہ عیدالاضحیٰ کے دن۔(۵)

(۱۳)عیدین کا خطبہ نماز کے بعد دینا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھا کرتے تھے۔(۶)

---

(۱)سنن دار قطنی کتاب العیدین

(۲) سنن کبری للبیھقی ، باب العدو الی العیدین

(۳)أبو داود تحقيق الألباني : باب وقت الخروج إلى العيد : ۱۱۳۷ – صحيح

(۴)أبو داؤد : تحقيق الألباني : باب إذا لم يخرج الإمام للعيدمن يومه يخرج من الغد : ۱۱۵۹ – صحيح

(۵) بخاری کتاب العیدین، (۶)بخاری : باب الخطبة بعدالعيد : ۹۶۲

فائدہ: عیدین کے خطبہ کے آغاز میں لگا تار نو تکبیر کہنا اور خطبہ ثانیہ کے شروع میں لگا تار نو تکبیریں کہنا مستحب ہے، پھر خطبہ کے درمیان جتنا اضافہ ہو، اچھا ہے، تاہم اس کا خیال رکھا جائے کہ یہ تکبیریں، باقی خطبہ سے زیادہ نہ ہونے پائیں۔(۱)

ارشاد نبوی ہے ان ایام میں تکبیر اور تہلیل و تسبیح کی کثرت رکھو۔(۲) نیز ارشاد ہے اپنی عیدوں کو تکبیر کے ذریعہ رونق بخشو۔(۳)

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہؒ فرماتے ہیں، عید الفطر و عید الاضحیٰ میں، آغاز خطبہ سے پہلے، منبر پر تکبیر کی سنت یہ ہے کہ امام خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر کھڑے ہو کر مسلسل نو تکبیریں کہے پھر خطبہ دے پھر کچھ دیر کے لئے بیٹھ جائے پھر خطبہ ثانیہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور لگا تار سات تکبیریں کہے پھر خطبہ دے۔(۴)

(۱۴) عیدین کے دن مبارکبادی دینا

حضرت محمد بن زیاد کہتے ہیں: میں حضرت ابو امامہ باہلیؓ اور دیگر اصحاب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، تو جب وہ (عیدگاہ سے) لوٹنے لگے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: **تقبل الله مناو منک** (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے)۔(۵)

(۱۵) عیدگاہ سے واپسی میں راستہ تبدیل کرنا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ عید کے روز نبی ﷺ عیدگاہ جاتے وقت اور واپس آتے قوت راستہ تبدیل فرمایا کرتے تھے۔(٦)

---

(۱)شامی : ٦ / ١٧٠
(۲)طبرانی کبیر: ۱۰۹۵۳ – صحیح : مجمع الزوائد : باب في عشر ذي الحجة : ۵۹۳۲
(۳)طبرانی اوسط : حسن : إعلاء السنن : ۸/ ۱٦۱
(۴)السنن الکبری للبیھقي : باب التکبیر في الخطبة في العیدین : ٦۴۳۸ – ضعیف الإسناد : خلاصة الأحکام : ۲۹٦۰
(۵)الجوھر النقی : ۳/ ۳۱۹ – إسنادہ اسناد جید قد ثبت ذلک من طرق أخری أن الصحابة کانوا إذا التقوا یوم العید یقول بعضھم لبعض تقبل الله منا و منک – السلسلة الضعیفة مختصرة : ۵٦٦٦
(٦)بخاری :باب من خالف الطریق إذا رجع یوم العید : ۹۸٦

نماز عید کی حیثیت

عید کی نماز واجب ہے، نبی ﷺ نے زندگی بھراس کی پابندی فرمائی ہے، کسی ایک وقت چھوڑنا بھی ثابت نہیں ہے، حتی کہ کسی سال عید کے دن بارش ہونے لگی تو آنحضرت ﷺ نے عیدگاہ کے بجائے مسجد میں نماز عید پڑھائی مگر ترک کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے: تاکہ تم رمضان کے دن پورے کرو اور جو تم کو ہدایت دی اس پر اللہ کی تکبیر کرو۔(۱) تفسیر طبری میں ہے کہ اس آیت میں عید الفطر کے دن تکبیر کہنے کا تذکرہ ہے ظاہر ہے عید الفطر کے دن مخصوص تکبیر نماز عید میں ہی کہی جاتی ہیں، پس نماز عید الفطر کا حکم خداوندی ہونا آیت کریمہ سے ثابت ہوا۔(۲)

ارشاد خداوندی ہے، اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔(۳)

اس آیت میں تذکرہ ہے کہ پہلے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھو پھر جانور کی قربانی کرو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ (پابندی سے) عید الفطر وعید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔(۴)

ان آیات واحادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز واجب وضروری ہے۔

نماز عید کا طریقہ

نماز عید کا طریقہ وہی ہے جو عام نمازوں کا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ عیدین میں چھ زائد تکبیر کہی جاتی ہیں، پہلی رکعت میں تین زائد تکبیرات قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے۔

حضرت قاسم ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں: مجھ سے بعض اصحاب رسول نے بیان کیا ہے

---

(۱) البقرة : ۱۸۵
(۲) تفسیر طبری : ۳/۴۷۹. ۲۹۰۲
(۳) الکوثر : ۲
(۴) بخاری : باب الخروج إلى المصلى : ۹۵۶

کہ نبی ﷺ نے ہمیں نماز عید پڑھائی تو چار چار تکبیر کہیں، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: بھولنا نہیں جنازہ کی تکبیروں کی طرح ہے اور پھر انگلیوں سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو موڑے رکھا۔(۱)

حضرت سعید بن العاص نے حضرت ابو موسی اشعریؓ اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے دریافت کیا کہ نبی ﷺ :عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نماز میں تکبیرات کیسے کہا کرتے تھے، حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا: رسول پاک ﷺ جنازۃ کی تکبیروں کی طرح (ہر رکعت میں) چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔(۲)

عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے: عیدین میں چار تکبیریں ہیں (ہر رکعت میں) نماز جنازہ کی تکبیروں کی طرح۔(۳) ایک اور روایت میں مزید وضاحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے چار تکبیریں (مع تکبیر تحریمہ) کہو پھر قرأت کرو، جب قرأت سے فارغ ہو جاؤ تو تکبیر کہہ کر رکوع کرو، پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو جاؤ تو پہلے قرأت کرو پھر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد چار تکبیریں (مع تکبیر رکوع) کہو (۴) عبداللہ بن حارث کہتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے عید کے دن پہلی رکعت میں چار تکبیریں کہیں پھر قرأت فرمائی اور رکوع کیا پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو قرأت فرمائی پھر تین تکبیریں کہیں، رکوع کی تکبیر اس کے علاوہ تھی۔(۵)

عید کی نماز فوت ہو جائے تو؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جس آدمی کی نماز عید فوت ہو جائے وہ (بطور نفل کے) چار رکعت پڑھ لے۔(۶) یہ نماز عید کی قضا نہیں ہے بلکہ نماز چاشت کہلا گی (۷)

(۱)طحاوی : باب صلاۃ العیدین کیف التکبیر فیھما : ۷۲۷۳– حسن : امام طحاویؒ
(۲)أبو داؤد تحقیق الألباني : باب التکبیر في العیدین : ۱۱۵۵ – حسن صحیح
(۳)طبرانی کبیر: ۹۴۰۷ – رجاله ثقات : مجمع الزوائد : باب التکبیر في العید : ۳۲۵۱
(۴)السنن الکبری للبیھقي : باب ذکر الخبر الذي روي فی التکبیر أربعا : ۶۴۰۴ مصنف عبد الرزاق کتاب صلوۃ العیدین : ۵۶۸۷. صحیح : آثار السنن ۱۰۲/۲
(۵)محلّی ابن حزم : ۲۰۶/۳ – صحیح : إعلاء السنن : ۱۳۶/۸
(۶)طبرانی کبیر : ۹۴۱۷– ۹۵۳۲– رجاله ثقات : مجمع الزوائد : ۳۲۵۳ – باب فیمن فاتته صلاۃ العید
(۷)شامی : ۲/ ۱۷۱

تکبیرات تشریق

نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک تکبیرات تشریق کہنا ضروری ہے، حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ: نویں تاریخ کی فجر کے بعد سے آخری ایام تشریق کی عصر تک، جب فرض نماز کا سلام پھیرتے تو تکبیر کہا کرتے تھے (۱)

تکبیرات تشریق آواز سے کہنا مسنون ہے۔(۲)

ارشاد خداوندی ہے: اور تم اللہ کا ذکر کیا کرو گنتی کے دنوں میں۔(۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ان ایام سے مراد ایام تشریق ہیں۔(۴)

یحی بن کثیرؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد ایام تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنا ہے۔(۵)

قاضی ابوبکر بن العربیؒ، اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں: فقہاء اسلام، مشہور صحابہؓ وتابعینؒ اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد ہر شخص کے لئے تکبیر (کہنے کا حکم کرنا) ہے خصوصاً نمازوں کے اوقات میں، لہذا ہر نمازی خواہ وہ جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو یا تنہا، نماز کے ختم ہونے کے بعد ان ایام میں واضح طور پر تکبیر کہے۔(۶)

---

(۱)الدر قطني : باب العيدين : ۱۷۵۴ – مستدرک حاکم مع تعليقات الذهبي : کتاب صلاة العيدين عن علي وعمارؓ : ۱۱۱۱ – صحيح. موقوف روايات نهايت صحيح هيں : ارواء الغليل : ۶۵۳

(۲)بخاری تعليقا : باب التکبير أيام منى

(۳)البقرة : ۲۰۳

(۴)بخاری تعليقا : باب فضل العمل فى ايام التشريق

(۵)الدر المنثور : ۱/۴۶۸، البقرة : ۲۰۳

(۶)أحکام القرآن : ۱/ ۲۸۰ البقرة : ۲۰۳

جنائز کا بیان

جان کنی کے وقت کی ہدایات:

(الف) جب کسی آدمی کا آخری وقت آجائے تو اس کو داہنی کروٹ پر لٹا کر منہ قبلہ کی طرف کیا جائے (ب) اس کے قریب میں سورۃ یٰسین کی تلاوت کی جائے (ج) اور کوئی سمجھدار آدمی اس کے سرہانے بیٹھ کر کلمہ طیبہ کا ورد کرتا رہے، مرنے والے سے پڑھنے کو نہ کہے، پھر اگر وہ سن کر ایک دفعہ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو ورد کرنے والا چپ ہو جائے۔

(الف) حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے کہا: ان کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے یہ وصیت کی ہے کہ انہیں قبلہ رخ کیا جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہوں نے فطرت کے مطابق کیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ان پر نماز جنازہ پڑھی۔(۱)

(ب) حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی مرنے والے کے قریب میں سورۃ یٰسین پڑھا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس پر (موت کو) آسان کر دیتے ہیں۔ (۲) معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱)مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبي : كتاب الجنائز : ۱۳۰۵ – صحيح : امام حاكم

(۲)ابو نعيم فی اخبار اصبهان : ۱/۱۸۸ : حسن أو صحيح : إعلاء السنن : ۸/۲۱۰

نے ارشاد فرمایا: اپنے موتٰی کے پاس سورۂ یٰس پڑھو(۱)

(ج) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اپنے مرنے والوں کو لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرو؛ کیوں کہ موت کے وقت جس کسی کا آخری کلام لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہوتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے مرنے والوں کو لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کی تلقین کرو(۳) اور ان کو بیزار نہ کرو کیوں کہ وہ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں۔(۴)

جان نکلنے کے بعد:

جب انسان مر جائے تو اس کے اعضاء درست کر دیں، آنکھیں بند کر دیں اور چادر سے اس کے بدن کو ڈھانک دیں۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو سلمہؓ کے پاس ان کی روح نکلنے کے بعد تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بند فرمایا۔(۵)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یمنی چادر سے پردہ کر دیا گیا تھا۔(۶)

---

(۱)مستدرک حاکم : کتاب فضائل القرآن : ۲۰۷۴ – سکت علیه الحاکم

(۲)صحیح بن حبان : فصل في المحتضر : ۳۰۰۴ – صحیح : شعیب الأرنؤوط

(۳)مسلم : باب تلقین الموتی : ۲۱۶۴

(۴)کنز العمال : ۴۲۲۰۳– ضعیف : إعلاء السنن : ۸/۲۰۹

(۵)مسلم : باب فی اغماض المیت : ۲۱۶۹

(۶)بخاری : باب البرود والحبرة : ۵۸۱۴

مردے کونہلانے کا مسنون طریقہ:

جس تختہ پر غسل دیا جائے اس کو تین دفعہ یا پانچ یا سات دفعہ لوبان کی دھونی دی جائے ،حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میت کوخوشبو کی دھونی دوتو طاق عدد کی رعایت رکھو۔(۱)

میت کواس پر اس طرح لٹایا جائے کہ قبلہ اس کے دائیں طرف ہو،سونے میں (۲) لیٹ کر نماز پڑھنے میں (۳) سکرات کی حالت میں (۴) یہی طریقہ بیان ہوا کہ قبلہ، داہنی جانب میں ہو، پس مرنے کے بعد تمام مراحل میں اسی طریقہ کو اختیار کیا جائے گا۔

پھر میت کے بدن کے کپڑے اتار لیا جائے اور ایک تہبند اس کے ستر پر ڈال کر اندر ہی اندر وہ کپڑے اتار لیں ، یہ تہبند موٹے کپڑے کا ناف سے پنڈلی تک ہونا چاہئے تا کہ بھیگنے کے بعد بدن نظر نہ آئے ،حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غسل کے موقع پر صحابہ کو تر دد ہوا کہ آیا عام مردوں کی طرح ، رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کو بھی بے لباس کیا جائے یا جسم اطہر پر موجود کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دیا جائے ؟ پھر اشارۂ غیبی سے صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو جسم اطہر پر کپڑوں کے ہوتے ہوئے ہی غسل دیا۔(۵) معلوم ہوا کہ عام مردوں سے غسل کے موقع پر کپڑے اتار لینے کا دستور چلا آرہا ہے، ستر کی جگہ البتہ چھپی ہوئی رہے گی۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی زندہ یا مردہ انسان کی ران نہ دیکھو(۶)

---

(۱)مسند ابو یعلی : ۲۳۰۰ : صحیح : محقق کتاب حسین سلیم أسد
(۲)مسلم : باب ما يقول عند النوم : ۷۰۵۷
(۳)بخاری : باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب : ۱۱۱۷
(۴)مستدرک حاکم : کتاب الجنائز : ۱۳۰۵ – صحیح : إمام حاكمؒ
(۵)أبو داؤد تحقيق الالبانی : باب في ستر الميت عند غسله : ۳۱۴۳ – حسن
(۶)مسند أحمد : تحقيق الأرنؤوط : ۱۲۴۸ – صحيح لغيره وهذا إسناد ضعيف

ایوب کہتے ہیں: میں نے انہیں (ابو قلابہ) مردہ کو غسل دیتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے اس کی شرمگاہ پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا۔(۱)

غسل شروع کرنے سے پہلے بائیں ہاتھ میں دستانہ پہن کر اسے استنجاء کرائیں

حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا اور آپؓ کے ہاتھ پر ایک کپڑا تھا، غسل دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ قمیص کے نیچے داخل کیا اور قمیص آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر پر موجود تھا۔(۲)

پھر وضو اس طرح کرائیں کہ نہ اس میں کلی ہو، نہ ناک میں پانی ڈالا جائے؛ بلکہ روئی کا پھایا تر کر کے ہونٹوں دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر کر پھینک دیجیے، اس طرح تین دفعہ کیجیے، پھر اسی طرح ناک کے دونوں سوراخوں کو روئی کے پھائے سے صاف کیجیے، پھر ناک اور منہ او رکانوں میں روئی رکھ دیجیے؛ تاکہ غسل کراتے وقت پانی اندر نہ جائے پھر تین دفعہ منہ دھلایئے ، پھر تین دفعہ ہاتھ کہنیوں سمیت دھلایئے، پھر سر کا مسح کرایئے، پھر تین دفعہ دونوں پیر دھویئے ،حضرت سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ میت کو نماز کے وضو کی طرح وضو کرایا جائے مگر یہ کہ کلی اور ناک میں پانی نہ دیا جائے۔(۳)

جب وضو مکمل ہو جائے تو سر کو اور داڑھی کو صابن وغیرہ سے مل کر صاف کر دیجیے، حضرت اسودؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا میت کے سر کو خطمی سے دھویا جائے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اپنے میت کے سلسلہ میں سختی اور تنگی سے کام مت لو۔(۴)

---

(۱)مصنف عبدالرزاق : باب غسل الميت : ٦٠٨١

(٢)مصنف ابن أبي شيبة : في الميت يغسل من قال يستر ولا يجرد : ١٠٩٩٤ ، طبرانى أوسط : ٢٩٠٨ – طبرانى كبير : ٦٢٨ – حسن : مجمع الزوائد : ١٤٢٦٦

(٣)مصنف ابن ابى شيبه :ما أول ما يبدأ به من غسل الميت : ١١٠٠٥ – سكت عليه المحقق محمد عوامه

(٤)مصنف ابن ابى شيبه :في الميت إذا لم يوجد له سدر يغسل بغيره : ١١٠٢٦ – سكت عليه المحقق محمد عوامه

پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹائیے اور بیری کے پتوں میں پکایا ہوا نیم گرم پانی، دائیں کروٹ پر تین دفعہ یا پانچ دفعہ سر سے پیر تک اتنا ڈالئے کہ نیچے کی جانب بائیں کروٹ تک پہنچ جائے، پھر دائیں کروٹ پر لٹا کر بائیں کروٹ پر اسی طرح سر سے پیر تک اتنا پانی ڈالئے کہ نیچے کی جانب دائیں کروٹ تک پہنچ جائے، اخیر دفعہ میں بائیں کروٹ پر لٹا کر دائیں کروٹ پر اوپر سے نیچے تک کافور ملا ہوا پانی ڈالا جائے، حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں: رسالتمآب ﷺ اپنی صاحبزادی کی وفات پر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: انہیں تین یا پانچ یا اگر مناسب دیکھو تو اس سے زیادہ بار غسل دو اور سیدھی جانب سے غسل کا آغاز کرنا اور اخیر دفعہ میں کافور کا استعمال کرنا۔(۱) حضرت محمد بن سیرینؒ حضرت ام عطیہ سے میت کو غسل دینے کا طریقہ سیکھا کرتے تھے کہ شروع میں دو دفعہ بیری کی پتیوں والے پانی سے غسل دیا جائے پھر تیسری دفعہ میں کافور ملے ہوئے۔(پانی سے) غسل دیا جائے۔(۲)

اس کے بعد میت کو ٹیک لگا کر ذرا بٹھلانے کے قریب کیجئے اور اس کے پیٹ کو اوپر سے نیچے کی طرف آہستہ آہستہ دبائیے، اگر کچھ فضلہ خارج ہو تو صرف اسی کو پونچھ کر دھو دیجئے، وضو اور غسل دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، مردہ کا پیٹ دبانے کا یہ عمل اگر کافور والا پانی ڈالنے سے پہلے کر لیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ ارشاد فرماتے ہیں: میت کے پیٹ کو پہلی بار میں اور دوسری بار میں نرمی سے ملا جائے۔(۳) حضرت حمادؒ نے فرمایا: میت کے غسل سے فارغ ہونے کے بعد اس سے کوئی چیز نکلے تو صرف اس جگہ کو دھو لیا جائے۔(۴) غسل شروع کرنے سے قبل بھی یہ عمل کیا جا سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جو آدمی کسی مردے کو غسل دے تو وہ پہلے اس (کے پیٹ) کو دبائے (۵)

(۱)مسلم : باب في غسل الميت : ۲۲۱۱ – ۲۲۱۸
(۲)أبو داؤد تحقيق الالبانی : باب كيف غسل الميت : ۳۱۴۹ – صحيح
(۳)مصنف ابن ابی شيبه :في عصر بطن الميت : ۱۱۰۴۲ – سكت عليه المحقق محمد عوامه
(۴)مصنف ابن ابی شيبه : ما قالوا في الميت يخرج منه الشیء بعد غسله : ۱۱۰۳۹ – سكت عليه المحقق محمد عوامه
(۵)السنن الكبرى للبيهقي الجنائز :باب ما يؤمر به من تعاهد :۶۸۶۷ مرسل وروايه ضعيف اما م بيهقي

حضرت ام سلیمؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی خاتون وفات پائے اور وہ حاملہ نہ ہوتو اس کو غسل دینے والوں کو چاہئے کہ وہ آغاز ہی میں اس کے پیٹ کو آہستہ سے ملیں۔(۱) بسا اوقات پیٹ میں نجاست جمی ہوئی حالت میں رہتی ہے، ایک دو دفعہ نعش پر پانی بہانے کے بعد وہ نرم پڑ جاتی ہے اور اب پیٹ کو دبایا جاتا ہے تو وہ آسانی سے خارج ہوجاتی ہے، میت کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دو طریقوں: یعنی غسل کے شروع میں یا غسل کے درمیان میں پیٹ دبانے کے عمل میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔(۲)

اور میت کے اعضاء سجدہ پر بھی کافور مل دیجئے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: میت کے اعضاء سجدہ پر کافور ملا جائے(۳)

فائدہ: عورت، اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے مگر مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت اسماء بن عمیسؓ اہلیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کی وفات پر غسل دیا تھا۔(۴)

حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ کی وفات پر اہلیہ کے عزیز واقارب سے فرمایا تھا کہ جب تک وہ باحیات تھیں ہم اس کے زیادہ حقدار تھے مگر اب جبکہ وہ وفات پاچکیں تو تم اس کے (غسل دینے کے) زیادہ حقدار ہو۔(۵)

---

(۱)طبرانی کبیر : ۲۰۸۱۲ – رجاله ثقات : مجمع الزوائد : باب تجهيز الميت وغسله : ۴۰۷۴

(۲)إعلاء السنن : ۲۱۶/۸

(۳)مصنف ابن ابی شیبه : ما قالوا في الميت كم يغسل مرة وما يجعل في الماء : ۱۱۰۲۵ – سكت عليه الحافظ في الدراية : ۲۳۰/۱

(۴)موطا امام مالک : باب غسل الميت : ۵۲۵

(۵) کتاب الآثار : امام محمد : باب غسل المرأة وكفنها : ۲۲۸ – مقبول : إعلاء السنن : ۲۲۵/۸

نبی ﷺ سے مروی ہے کہ جب کوئی عورت مردوں کے درمیان وفات پا جائے جہاں کوئی عورت موجود نہ ہو، یا کوئی مرد، عورتوں کے درمیان مر جائے جہاں کوئی مرد نہ ہو، تو ان دونوں کو فقط تیمّم کرا دیا جائے اور دفن کر دیا جائے۔(۱)

بیوی، جب مر جاتی ہے تو شوہر سے رشتۂ زوجیت بالکل منقطع ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مذکورہ آدمی، بیوی کے مرنے کے بعد دوسرے ہی لمحہ، بیوی کی بہن سے شادی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن جب شوہر مرتا ہے تو بیوی، زوجیت سے بالکل علیحدہ نہیں ہوتی بلکہ عدت کے اندر اندر تک وہ زوجہ کے حکم میں رہتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بیوی جب مر جاتی ہے تو شوہر اس کے حق میں مکمل اجنبی ہو جاتا ہے، وہاں اگر کوئی عورت دستیاب نہ ہو تو اس خاتون کو تیمّم کرا کے دفن کر دیا جائے گا اور شوہر جب مر جاتا ہے تو بیوی اس کے حق میں مکمل اجنبیہ نہیں ہوتی وہ اسے غسل دے سکتی ہے، جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا مروی ہے لیکن اس کا مطلب عملاً غسل دینا نہیں بلکہ غسل کا بندوبست کرنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سابقہ فرمان کی روشنی میں، روایت مذکورہ کا یہی مفہوم لئے بغیر چارہ کار نہیں۔(۲)

کفن کا بیان

کفن کا رنگ: کفن سفید کپڑوں کا ہونا چاہئے، نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: سفید کپڑوں کو پہنا کرو کیوں کہ وہ تمہارے کپڑوں میں بہترین کپڑے ہیں، اور اپنے مرحومین کو انہی میں کفن دو۔(۳)

---

(۱) مراسيل أبي داؤد : باب ماجاء في غسل الميت : ۳۸۹ – صالح للاحتجاج :إعلاء السنن : ۸/۲۲۷

(۲) إعلاء السنن : ۸/۲۲۴

(۳) ترمذی : باب ما يستحب من الاكفان : ۹۹۴ – حسن صحيح : امام ترمذیؒ

مرد کا کفن

مرد کے لئے تین کپڑے کفن میں مسنون ہیں (۱) ازار (وہ کپڑا جو سر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے) (۲) قمیص (بے آستین: بغیر گریبان وکلی والا کرتہ جو گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے) (۳) لفافہ: (اوپر کی لمبی چادر جو ازار سے قدرے بڑی ہوتی ہے)

اگر یہ تین کپڑے میسر نہ ہوں تو دو کپڑوں میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے اگر یہ بھی نہ ہوں تو جتنا کپڑا دستیاب ہو اس میں کفن دے دیا جائے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا جو یمن کے تھے، ان میں (عام طرز کی آستین وگریبان والی) قمیص شامل نہ تھی اور نہ ہی عمامہ شامل تھا۔ (۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک آدمی عرفہ میں وقوف کررہا تھا کہ اپنے کجاوے سے گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو پانی اور بیری کے پتے سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن دو۔ (۲) معلوم ہوا کہ دو کپڑوں میں بھی کفن دینا کافی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میت کو پہلے قمیص پہنایا جائے گا، پھر ازار پہنائی جائے گی پھر تیسرے کپڑے سے لپیٹا جائے گا، پس اگر کپڑے نہ ہوں تو ایک ہی کپڑے میں کفنا دیا جائے گا۔ (۳)

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا کفن بھی ایک ہی نامکمل کپڑے کا تھا۔ (۴)

کفنانے طریقہ: کفن دیتے وقت پہلے تخت پر لفافہ پھیلا دیا جائے، اس کے اوپر ازار اور ازار کے اوپر قمیص پھر میت کو قمیص پر رکھ کر اس کے سر کو قمیص کی پھٹن میں گھسا دیں اور قمیص کا اوپر والا حصہ میت پر ڈالدیں پھر قمیص پر ازار، پھر لفافہ لپٹیں، پہلے بائیں طرف کو لپٹیں

(۱) بخاری: باب الثیاب البیض للکفن: ۱۲۶۴

(۲) بخاری باب الکفن فی ثوبین: ۱۲۶۵

(۳) مؤطا مالک: باب ما جاء في كفن الميت: ۵۲۹

(۴) أبو داؤد تحقيق الالباني: باب في الكفن: ۳۱۵۷ – صحيح

پھر دائیں طرف کوتا کہ دایاں کنارہ اوپر رہے کہ اس میں دائیں جانب کا اعزاز اور حالت حیاۃ میں چادر اوڑھنے کے طریقہ سے مطابقت بھی ہے۔

عورت کا کفن اور اسے کفنانے کا طریقہ:

عورت کے لئے کفن میں پانچ کپڑے مسنون ہیں: (۱) سینہ بند (جو بغل سے رانوں تک باندھا جاتا ہے) (۲) قمیص (۳) سر بند یا ڈوپٹہ (جو سر اور بالوں پر ڈالا جاتا ہے) (۴) ازار (۵) لفافہ۔

صاحبزادیٔ رسول حضرت امّ کلثومؓ کو اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایت پر انہی پانچ کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا، (۱)

<u>کفنانے کا طریقہ:</u> عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھائیں، اس کے بعد سینہ بند رکھے، اس کے اوپر ازار پھر قمیص؛ پھر میت کو کفن پر لے جا کر پہلے قمیص پہنائیں اور سر کے بالوں کے دو حصہ کر کے قمیص کے اوپر سینہ پر ڈالدے، ایک حصہ داہنی طرف اور ایک حصہ بائیں طرف، اس کے بعد سر بند کو سر اور بالوں پر ڈالدے اس کو نہ باندھے نہ لپیٹے، پھر ازار لپیٹ دیں، پہلے بائیں طرف پھر داہنی طرف؛ بعد ازاں سینہ بند باندھیں پھر لفافہ لپیٹیں، پہلے بائیں طرف پھر داہنی طرف، اس کے بعد سر اور کمر کے پاس سے کفن کو پٹّیوں سے باندھ دیں تا کہ ہوا وغیرہ سے راستہ میں کھل نہ جائے (۲)

مذکورہ طریقہ میں سینہ بند کو ازار کے اوپر اور لفافہ کے نیچے رکھا گیا ہے، اس کے بجائے سینہ بند کو اگر قمیص کے اوپر اور ازار کے نیچے رکھا جاتا ہے یا لفافہ کے بھی اوپر رکھا جاتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے (۳)

(۱) ابو داؤد، باب فی کفن المرأۃ: ۳۱۵۹. حسن: عون المعبود)
(۲) کتاب المسائل: ۲/۵۸)
(۳) اعلاء السنن: ۸/۲۴۸)

عورت کا کفن سنت یہی پانچ کپڑے ہیں، اگر یہ میسر نہ ہوں تو کم از کم تین کپڑوں میں کفن دیا جائے، ازار لفافہ اور سر بند، محمدؒ کہا کرتے تھے کہ جو عورت بالغ ہو چکی ہو، اس کو کفن دیا جائے گا، پانچ کپڑوں میں یا تین کپڑوں میں، (۱) معلوم ہوا کہ تین کپڑوں سے بھی کام چل سکتا ہے، یہ بھی میسر نہ ہوں تو پھر جس قدر کپڑا دستیاب ہو اس میں کفن دے دیا جائے۔

عورت کے بال کی دو یا تین چوٹیاں بنا کر اس کے سینے پر یا پیٹھ کی طرف ڈال دیا جائے۔ حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے صاجبزادئ رسول ﷺ کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائیں اور انہیں، ان کے پیچھے ڈال دیا۔ (۲) یہ حضرت ام عطیہؓ نے اپنی صوابدید سے ایسا کر دیا تھا، تاہم اگر اس جانب غور کیا جائے کہ چوٹیوں کو پشت کی طرف ڈالنا، دراصل زندگی میں بغرض زینت ہوا کرتا ہے اور مرنے کے بعد زیب و زینت کا چوں کہ کوئی محل نہیں؛ اس لئے چوٹیوں کو سینہ پر رکھ دیا جاتا ہے تو یہ بھی نہایت موزوں ہے (۳)

یہاں یہ خیال رہے کہ چوٹیاں ڈالنا، محض ہاتھ کے ذریعہ ہو، کنگھی کا استعمال مناسب نہیں، حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ میت کے سر کو کنگھا کیا جا رہا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے میت کے بالوں کو کیوں سنوارتے ہو؟ (۴)

میت کے ناخن بھی نہ کاٹے جائیں۔ (۵)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه : فی کم تکفن المرأة : ۱۱۱۹۶ – سکت علیه المحقق محمد عوامه

(۲) بخاری : یلقی شعر المیت خلفها : ۱۲۶۳

(۳) بدائع الصنائع : ۱/۳۰۸

(۴) کتاب الآثار : امام محمد : باب الجنائز : ۲۲۵ – صحیح : إعلاء السنن : ۸/۲۱۹

(۵) مصنف عبدالرزاق : باب شعر المیت وأظفاره : ۶۲۲۸ – رجاله رجال الصحیح : مسلم : باب استحباب النزول : ۳۲۲۷

نماز جنازہ کا بیان

نماز جنازہ کا طریقہ:

نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں، پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھے دوسری تکبیر پر درود پڑھے اور تیسری تکبیر پر دعا پڑھے، چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے، ہاتھ صرف پہلی تکبیر پر اٹھائے جائیں گے، نبی ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں، (۱) ایک دفعہ حضرت انسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور تین تکبیریں کہیں پھر ان سے کہا گیا تو انہوں نے قبلہ رخ ہو کر چوتھی تکبیر کہی پھر سلام پھیرا، (۲) اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور تکبیرات ہی جنازہ کی نماز میں اصل رکن ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ نے ایک تکبیر کے بھی چھوٹنے کو گوارا نہیں فرمایا بلکہ متنبہ ہونے کے بعد فوراً اسے ادا کرلیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک بھی تکبیرات جنازہ کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا، کچھ لوگ پانچ کچھ چھ اور کچھ لوگ چار تکبیریں کہتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس صورتحال کی نزاکت کو بھانپ کر اس کی تحقیق کروائی کہ نبی ﷺ نے اپنی حیات میں جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس میں کتنی تکبیریں کہی تھیں؟ معلوم ہوا کہ چار تکبیریں کہی تھیں، چنانچہ چار تکبرات کے ساتھ نماز جنازہ پر تمام صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔ (۳)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب جنازہ رکھو تو تکبیر کہو اور اللہ کی تعریف کرو پھر (تکبیر کہہ کر) نبی ﷺ پر درود پڑھو پھر (تکبیر کہہ کر) یہ دعا پڑھو۔ (۴)

---

(۱) بخاری : باب الصفوف علی الجنازة : ۱۳۱۸

(۲) بخاری تعلیقًا : باب التکبیر علی الجنازة أربعا

(۳) کتاب الآثار لأبي یوسف : باب في غسل المیت وکفنه : ۳۹۰ – کتاب الآثار لإمام محمد : باب الصلاة علی الجنازة : ۲۳۸ – صحیح : إعلاء السنن : ۲۶۴/۸

(۴) موطا مالک : باب ما یقول المصلی علی الجنازة : ۷۷۵

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلی تکبیر میں اٹھایا پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی نماز کی پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے۔(۲)

نماز جنازہ کی حقیقت:

نماز جنازہ درحقیقت، میت کے حق میں دعا کرنا ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔(۳)

دعا کے آداب یہ ہیں کہ پہلے اللہ کی حمد وثنا کی جائے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا جائے پھر دعا کی جائے (۴) دعا کا ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ دعا آہستہ وپست آواز میں کی جائے۔(۵) نماز جنازہ میں دعا کی یہ ساری خصوصیات موجود ہیں؛ چنانچہ پہلی تکبیر کے بعد، حمد وثنا کرنا ہے خواہ معروف ثنا کے الفاظ کے ساتھ یا کچھ اور کلمات کے ساتھ خواہ سورۃ فاتحہ کے ذریعہ، دوسری تکبیر کے بعد درود وسلام پڑھنا ہے، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرنا خواہ کسی بھی دعا کے ذریعہ ہو یہ سب کچھ آہستہ وبے آواز پڑھنا ہے۔(٦)

حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں کوئی خاص دعا

---

(۱)ترمذی تحقیق الالبانی : رفع الیدین علی الجنازۃ : ۱۰۷۷ – حسن
(۲)دار قطنی : باب وضع الیمنی علی الیسری : ۱۸۵۴ – حسن : إعلاء السنن : ۸/۲۶۷
(۳)ابو داؤد :تحقیق الالبانی : باب الدعاء للمیت : ۳۲۰۱ – حسن
(۴)ترمذی : جامع الدعوات : تحقیق الالبانی : ۳۴۷۹ – صحیح
(۵)الاعراف : ۵۵
(٦)مصنف ابن أبي شيبة : ما يبدأ في التكبيرة الأولى في الصلاة عليه : ۱۱۴۹۳ – سکت علیه المحقق محمد عوامه

یا قرأت مقرر نہیں فرمائی (۱) حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر پر آہستہ آواز سے سورہ فاتحہ پڑھی جائے، تین تکبیریں کہی جائیں اور آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے۔(۲) یہاں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بطور ثنا و دعا کے ہے، بطور قرأت کے نہیں کہ یہ ممنوع ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں فرمایا کرتے تھے۔(۳)

نماز جنازہ کی دعا:

نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھنے کا معمول ہے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الاِيْمَانِ" (۴)

نابالغ بچہ ہو تو یہ دعا پڑھی جائے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّسَلَفًا وَاَجْرًا" (۵)

نابالغ لڑکی ہو تو یہی دعا مؤنث صیغوں کے ساتھ پڑھے یعنی:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّسَلَفًا وَاَجْرًا"

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة : من قال ليس على الميت دعاء موقت : ۱۱۴۸۵ – ایک راوی مختلف فیه هیں : محقق محمد عوامه

(۲) نسائی تحقیق الالبانی : عدد التكبير على الجنازة : الدعاء : ۱۹۸۹. صحيح

(۳) موطا مالک : باب ما يقول المصلي على الجنازة : ۵۴۱

(۴) مستدرک مع تعليقات الذهبي : كتاب الجنائز : ۱۳۲۶ – صحيح : إمام حاكمؒ امام ذهبیؒ

(۵) بخاری تعليقا كتاب الجنائز

نماز جنازہ پڑھانے والا، جنازہ کے سینہ کے مقابل میں کھڑے ہو، حضرت عطاؒ فرماتے ہیں جب کوئی آدمی جنازہ پر نماز پڑھے تو وہ اس کے سینہ پاس کھڑے ہو، حضرت حسنؓ فرماتے ہیں: عورت کے جنازہ پر اس کی چھاتیوں کے مقابل میں کھڑا ہو جائے اور مرد کے جنازہ میں اس کے کچھ اوپر۔(۱)

غائبانہ نماز جنازہ

عام طور پر نبی ﷺ نے اسی میت پر نماز جنازہ پڑھی ہے جو سامنے حاضر وموجود ہو، صحابہ کرامؓ وسلف صالحینؒ کا بھی یہی عمل رہا، البتہ اس عام معمول کے بر خلاف نبی ﷺ نے دو افراد پر غائبانہ بھی نماز جنازہ پڑھی ہے، ایک تو شاہ حبش نجاشیؓ پر اور دوسرے حضرت معاویہ المزنیؓ پر، لیکن اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ بطور معجزہ ان دونوں افراد کے جنازے، نہ صرف نبی ﷺ بلکہ صحابہ کرام کے بھی روبرو کر دئے گئے تھے، درمیان کے سارے حجابات سمیٹ دئے گئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ کے لئے مدینہ سے حبشہ تک کے سارے حجابات اٹھا دئے گئے تھے تو آپ ﷺ نے نجاشیؓ کے تخت جنازہ کو دیکھا اور چار تکبیریں کہہ کر نماز جنازہ پڑھی۔(۲)

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے نبی ﷺ کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے بھی پیچھے صف لگائی اور انہیں ایسے ہی لگ رہا تھا کہ جنازہ سامنے رکھا ہے (۳) اور حضرت معاویہ مزنیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت جبرئیل تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ! معاویہ مزنیؓ کا انتقال ہو گیا ہے،

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبہ : في المرأة أين تقام منها في الصلاة : ۱۱۶۶۸ - ۱۱۶۷۱ - سکت علیها المحقق محمد عوامه

(۲)اسباب النزول لأبی الحسن علی بن احمد الواحدی النیشابوری : ۱/۹۳

(۳)صحیح ابن حبان : ۳۱۰۲. سند صحیح

کیا آپ ﷺ ان پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا ہاں! اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے دونوں بازو مارے تو درمیان کا کوئی ٹیلہ اور درخت ایسا نہ تھا جو بیٹھ نہ گیا ہو، پھر انہوں نے حضرت معاویہ مزنیؓ کے تخت کو بلند کیا یہاں تک وہ آپ ﷺ کو نظر آنے لگا، پھر آپ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی، آپ ﷺ کے پیچھے ملائکہ کی دو صفیں بھی نماز پڑھیں، ہر صف میں ۷۰ ہزار فرشتے تھے، آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا: اے جبرئیل معاویہؓ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا: انہیں سورۃ اخلاص بے حد پسند تھا وہ اسے آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں پڑھا کرتے تھے(۱)

معلوم ہوا کہ یہ دونوں انتہائی غیر معمولی قسم کے واقعات ہیں، ان کو عام شرعی حکم قرار دے کر غائبانہ نماز جنازہ کا جواز پیدا نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی، کسی صحابی نے نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھی اور نہ ہی خلفاءِ راشدین وغیرہ کی۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، مساجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا رواج نہ تھا، جنت البقیع کے قریب میں ایک جنازہ گاہ موجود تھی جہاں جنازے پڑھے جاتے تھے، (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کچھ (ثواب) نہیں ہے۔ (۳) تاہم جنازہ گاہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے یا بارش وغیرہ کے عذر سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ہوئی تو امہات المؤمنین کی خواہش یہ ہوئی کہ

(۱)مسند ابو یعلی : ۴۲۶۸ : إسناده ضعيف : محقق حسين سليم أسد

(۲)زاد المعاد : حكم الصلاة على الميت في المسجد : ۱/۴۸۱ ، بخاری : باب الصلاة على الجنائز بالمصلی : ۱۳۲۹

(۳)مسند أبو داؤد الطيالسي : ۲۴۲۹ – مسند أحمد : ۹۷۳۰ – حسن : عمدة القاری : باب الصفوف على الجنازة : ۸/۱۱۸

وہ بھی ان پر نماز جنازہ پڑھیں، اس غرض سے ان کا جنازہ پہلے مسجد میں، ان کے حجرات کے قریب لایا گیا جہاں حضرت عائشہؓ وغیرہ نے نماز جنازہ پڑھی، لوگوں نے (عام دستور کے خلاف ہونے کی وجہ سے) ان کے فعل پر اعتراض کیا۔

اور یوں کہا کہ جنازوں کو تو مسجد میں داخل نہیں کرنا چاہیئے، حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: یہ لوگ ایسی چیز کے بارے میں جس کا انہیں علم بھی نہیں ہے، نکتہ چینی کرنے میں کس قدر جلد بازی کا مظاہرہ کررہے ہیں، ہم پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ جنازہ کو مسجد سے نہیں گذارنا چاہیئے حالاں کہ نبی ﷺ نے تو سہیل بن بیضاءؓ کی نماز جنازہ، مسجد کے بیچوں بیچ پڑھی ہے (۱) معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا عام دستور اور طریق نبوی کے خلاف ہے، تبھی تو لوگوں نے اس صفائی کے ساتھ اعتراض کیا تھا، لیکن فی الجملہ نبی ﷺ سے چوں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی تھی؛ اس لئے کوئی اور شکل موجود نہ ہو تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکنا بھی مناسب نہیں۔

قبرستان کی طرف جنازہ لے جانا:

جنازہ کو قبرستان کی طرف تیز تیز قدموں سے لے جایا جائے، چارپائی کے چاروں پایوں کو کندھا دیا جائے اور سیدھی جانب سے آغاز کیا جائے، جب تک جنازہ کندھوں سے نہ اتارا جائے، لوگ نہ بیٹھیں ممکن ہے جنازہ اتارنے میں ان کی ضرورت پڑ جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنازہ کو جلدی لے جاؤ، اگر وہ نیک ہے تو اچھی چیز ہے جس کو تم آگے کررہے ہو اور اگر اس کے علاوہ ہے تو بری چیز ہے جس کو تم اپنی گردن سے رکھ رہے ہو۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: جو آدمی جنازہ کے ہمراہ چلے تو وہ جنازۃ کے

---

(۱)مسلم : باب الصلاة على الجنازة في المسجد : ۲۲۹۷

(۲)بخاری :باب السرعة بالجنازة : ۱۳۱۵

چاروں پایوں کو کندھا دے؛ اس لئے کہ یہ سنت ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چارپائی کے چاروں جانب اٹھاتے تھے اور دائیں جانب سے شروع کرتے، پھر اس سے الگ ہوجاتے۔(۲) حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ جب تم جنازہ میں ہو تو جب تک جنازہ نہ رکھا جائے مت بیٹھو(۳)

قبر میں دفن کرنا:

بہتر یہ کہ بغلی قبر بنائی جائے، جو گہرائی میں انسان کی قامت یا اس کے آدھے دھڑ کے برابر ہو، اگر زمین کچی ہو اور بغلی قبر بنانے کی صورت میں بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو صندوقی قبر بھی بنائی جاسکتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا کہ میرے لئے بغلی قبر بنانا اور کچی اینٹیں کھڑی کردینا جیسا کہ نبی ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔(۴)

حضرت عمرؓ نے یہ وصیت فرمائی کہ ان کی قبر کی گہرائی بقدر قامت انسانی ہو(۵)

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: قبر کو کم از کم ناف کی گہرائی تک کھودا جائے۔(۶)

میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا جائے اور اتارنے والا بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ رات کے

(۱)ابن ماجه : باب ما جاء في شهود الجنائز : ۱۴۷۸ – الإسناد مقارب : إعلاء السنن : ۲۸۹/۸

(۲)مصنف ابن ابی شیبه :بأى جوانب السرير يبدأ به في الحمل : ۱۱۳۹۳ – سكت عليه المحقق محمد عوامه

(۳)ترمذی : باب القيام للجنازة : ۱۰۴۳ – حسن صحيح : امام ترمذیؒ

(۴)مسلم :باب في اللحد ونصب اللبن : ۲۲۸۴

(۵)مصنف ابن ابی شیبه : باب ما قالوا في أعماق القبر : ۱۱۷۸۳ – ۱۱۷۸۴ – حسن أو صحيح : إعلاء السنن : ۳۰۰/۸

(۶) حواله سابق

اوقات میں قبر میں داخل ہوئے، چراغ جلایا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا۔(۱)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی میت کو جب قبر میں اتارتے تو فرماتے: بِسۡمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ۔(۲)

قبر میں میت کو قبلہ رخ لٹایا جائے، کفن کی گرہیں کھول دی جائیں اور کچی اینٹوں کی اوٹ قائم کی جائے پھر مٹی گرائی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کعبۃ اللہ، تمہارے زندہ و مردہ لوگوں کا قبلہ ہے(۳)

حضرت علی بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر کچی اینٹوں کو نصب کیا تھا۔(۴)

ہر شخص دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈالے پہلی بار "مِنۡهَا خَلَقۡنَاكُمۡ" دوسری بار "وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ" تیسری مرتبہ "وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى" پڑھے(۵)

پختہ قبر بنانا، پکی اینٹوں اور لکڑیوں کے ذریعہ، اسے مضبوط کرنا مکروہ ہے، قبر کوہان نما ہو اور زیادہ بلند نہ ہو۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چونا گچ ڈالنے سے، ان پر بیٹھنے سے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔(٦)

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کچی اینٹوں کو پسند فرماتے تھے

---

(۱)ترمذی تحقیق الألبانی : باب الدفن باللیل :۱۰۵۷ – صحیح

(۲)ترمذی تحقیق الألبانی : باب ما یقول إذا أدخل المیت القبر : ۱۰۴٦ – حسن

(۳)ابو داؤد تحقیق الألبانی : باب ما جاء في التشدید في أکل مال الیتیم : ۲۸۷۷

(۴)مصنف ابن ابی شیبه : في اللبن ینصب علی القبر : ۱۱۸۵۲

(۵)مستدرک حاکم مع تعلیقات الذهبي : تفسیر سورة طه : ۳۴۳۳ – سکت علیه الحاکمؒ والذهبيؒ

(٦)مسلم: باب النهي عن تجصیص القبور : ۲۲۸۹

اور پکی اینٹوں کو ناپسند، بانس کو پسند کرتے تھے اور لکڑیوں کو ناپسند۔(۱)

حضرت سفیان التمار فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کوہان نما تھیں (۲) حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی قبروں کی شکل بھی یہی تھی۔(۳)

حضرت علیؓ کو نبی پاک ﷺ نے ایک موقع پر یہ ہدایات دے کر روانہ فرمایا تھا کہ جہاں کوئی مجسمہ دیکھو تو اسے مٹا دو اور جہاں کہیں اونچی قبر دیکھو تو اس کو برابر کر دو۔(۴)

بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو اس پر عام مردوں کے احکام جاری ہوں گے، اسے غسل دیا جائے گا، اس پر نماز پڑھی جائے گی اور کفن دے کر دفن کیا جائے گا، اور اگر مردہ پیدا ہوا ہے تو اس کی باقاعدہ تجہیز و تکفین نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ اگر اس کے اعضاء مکمل بن چکے ہوں تو انسانی نعش کے احترام کے پیش نظر، اس کو غسل دے لینا اچھا ہے۔

دفن کے بعد:

جب قبر بن جائے تو سرہانے سورۃ آلٓمٓ سے مفلحون اور پائتانے اٰمن الرسول سے آخر تک پڑھ دیا جائے۔(۵)

دفن سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگ میت کے لئے قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کریں کہ اللہ پاک اس کی قبر کو آرام و راحت کی جگہ بنائے، مغفرت فرمائیں، منکر ونکیر کے سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا آسان فرمائے۔(۶)

---

(۱)مصنف ابن أبي شيبه : في تجصيص القبر والآجر يجعل له : ۱۱۸۹۲ – سكت عليه المحقق محمد عوامه

(۲)بخاری :باب ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم : ۱۳۹۰

(۳)مصنف ابن أبي شيبه : باب ما قالوا في القبر يسنّم :۱۱۸۵۶ – سكت عليه المحقق محمد عوامه

(۴)مسلم : باب الأمر بتسوية القبر : ۲۲۸۷

(۵)بيهقي شعب الإيمان : فصل في زيارة القبور: ۹۲۹۴ – طبرانی کبیر : ۱۳۴۳۸ – ایک راوی ضعیف هیں : مجمع الزوائد : باب ما يقول عند إدخال الميت : ۴۲۴۲

(۶)أبو داؤد تحقيق الألباني : باب الاستغفار عند القبر: ۳۲۲۳ – صحيح : مجمع الزوائد : باب ما يقول عند إدخال القبر : ۴۲۴۵

پسماندگان سے تعزیت:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت وتسلی کی اس کے لئے ایسا ہی اجر وثواب ہے جیسا کہ اس مصیبت زدہ کے لئے ہے۔(۱)

آنحضرت ﷺ خود بھی تعزیت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، تعزیت کے موقع پر حضرت حسنؓ سے یہ کلمات منقول ہیں: "**اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَكُمْ وَغَفَرَ اللّٰهُ لِصَاحِبِكُمْ**" (۲) "اللہ تمہارے اجر وثواب کو بڑھائے اور تمہارے آدمی کی بخشش فرمائے"

زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے یوں فرمایا تھا:

"**اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهُ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ**" (۳)

"اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لیا ہے اور جو کچھ اس نے دیا ہے اور ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے؛ لہٰذا صبر سے کام لو اور ثواب کی امید رکھو"

حضرت معاذ بن جبلؓ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا، جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

(شروع) اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد (دعا کرتا ہوں کہ) اللہ تمہیں اجر عظیم

---

(۱) ترمذی : باب من عزی مصابا : ۱۰۷۳ – یقوی بعضها بعضا : حواشی التلخیص الحبیر : ۳۱۵/۲ – ناشر دار الکتب العلمیة

(۲) مصنف عبد الرزاق : باب التعزیة : ۶۰۷۴

(۳) بخاری : باب قول النبي صلی الله علیه وسلم : یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه : ۱۲۸۴

عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر ادا کرنا نصیب فرمائے؛ اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں، ہمارا مال اور ہمارے اہل وعیال (سب) اللہ بزرگ وبرتر کے خوشگوار عطیے اور عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں، (اس اصول کے مطابق تمہارا بیٹا بھی تمہارے پاس اللہ کی امانت تھا) اللہ تعالی نے خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور (اب) تم سے اس کو اجر عظیم کے عوض میں واپس لے لیا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور رحمت وہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب کی نیت کے ساتھ صبر کیا، پس تم صبر (وشکر) کے ساتھ رہو (دیکھو) تمہارا رونا دھونا تمہارے اجر کو ضائع نہ کردے کہ پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کسی میت کو لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا، اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، والسلام‘‘(۱)

(۱)مستدرک مع تعلیقات الذھبي : ذكر مناقب أحد الفقهاء الستة من الصحابة : ۵۱۹۳ – غریب حسن : امام حاکم

مولف کی دیگر کتابیں

(۱) عاملین اور محصلینِ زکوٰۃ - ایک تجزیہ

یہ اپنے موضوع پر ایک مفصل اور جامع کتاب ہے، جس میں نصوص اور عباراتِ فقہاء کی روشنی میں صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں جمہور علماء کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۲) مروجہ تقاریبِ نکاح - شریعت کی نظر میں

موجودہ دور میں شادیوں کی تقاریب نے جو بھیانک نقشہ اختیار کیا ہوا ہے، اس پر گفتگو کی گئی اور ان کے اصلاح وسدھار کی دعوتِ فکر دی گئی۔

(۳) طہارت اور نماز کے مسائل - قرآن وحدیث کی روشنی میں

فقہ حنفی کے مطابق طہارت ونماز کے مسائل کو قرآن وحدیث سے مدلل کیا گیا، حوالہ جات کا غیر معمولی اہتمام ہے، حدیث کی صحت وسقم اور اس کے درجہ کو بھی بیان کیا گیا ہے، مسائل میں پائے جانے والے اختلافاتِ ائمہ کی بھی نشاندہی اس میں کی گئی ہے، زبان عام فہم اور شستہ ہے۔

(۴) وضاحتِ مسئلہ رفع یدین (۵) قرأت خلف الامام کا مسئلہ

نماز سے متعلق ان دو مسائل پر نہایت مثبت انداز سے گفتگو کی گئی، جو موجودہ معاشرے میں ایک گوشہ سے جدال و بحث کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔

(۶) صدائے حق

یہ ان مختلف اصلاحی وعلمی مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات وواقعات کے تناظر میں لکھے گئے، جن میں سے اکثر ملک کے مشہور جرائد ومجلوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

(۷) سکون خانہ

اس موضوع پر یہ کتاب انتہائی بیش بہا اور معلومات افزا ہے، اس میں رشتہ ازدواج کی نزاکت وتقدس، میاں بیوی کا مقام ومرتبہ، دونوں کے ایک دوسرے پر قانونی واخلاقی حقوق وغیرہ پر سیر حاصل بحث ہے، اگر میاں بیوی ان ہدایات پر عمل کریں گے تو پورا گھر ان کے لئے جنت کی نظیر بن جائے گا۔